شمارہ: ۲۰-۲۱

دینی، علمی، تحقیقی، تاریخی اور سوانحاتی مجلہ

سہ ماہی

احوال و آثار

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء
جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء

اشاعت خاص: شاہ محمد اسماعیل شہید اور تقویۃ الایمان کے خلاف برپا شورش، تاریخ و حقیقت کے آئینہ میں

مرتب
نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی
مولویان کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (یو۔پی) انڈیا ۲۴۷۷۷۵، فون۔ ۲۲۲۹۱۳-۰۱۳۹۲

فہرست مضامین

وجہ تالیف
اور
[اس تالیف کے لئے]
حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ صاحب
کے تاثرات

نور الحسن راشد کاندھلوی

زیر نظر شمارہ کا اکثر حصہ، راقم سطور کی ایک نامکمل تالیف: ”تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل کے خلاف برپا شورش تاریخ و حقیقت کے آئینہ میں“ کے مطبوعہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تالیف، برصغیر ہند کے نامور عالم، مصنف اور ماہ نامہ الفرقان، بریلی/لکھنؤ کے بانی و مدیر، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً [ولادت: شوال ۱۳۲۳ھ/ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات: ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ/مئی ۱۹۹۷ء] کی توجہ اور عنایات و کرم کا ایک اثر ہے، اس سلسلہ مضامین یا تالیف کا حضرت مولانا نعمانی کے پیہم اصرار اور ہدایت پر آغاز ہوا تھا، مولانا کا خیال تھا کہ راقم کو اس موضوع پر کچھ معلومات ہیں، جن کو بہر صورت محفوظ، قلم بند ہونا چاہئے۔ مولانا رحمہ اللہ نے اس خدمت و تحریر کے لئے راقم کو بار بار لکھا، ایک مرتبہ مولانا پر اس کام کا ایسا سخت تقاضہ ہوا، کہ ناچیز سے، زبانی فرمائش کرنے، اور راقم کو، فوراً اس کام کے لئے فارغ کر دینے کے لئے، اپنی شدید علالت اور بڑی حد تک، معذوری کے باوجود، کاندھلہ کے سفر کا ارادہ کر لیا تھا، میں نے مکرر عرض کیا کہ جناب والا! اس سفر کی زحمت اور ارادہ نہ فرمائیں، میں خود لکھنؤ حاضر ہو جاتا ہوں، چنانچہ صرف اسی غرض سے کم سے کم دو مرتبہ، لکھنؤ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی بساط بھر اس خدمت کو انجام دینے کا وعدہ کر لیا۔ جلد ہی لکھنا بھی شروع کر دیا تھا، جو لکھتا، اشاعت کے لئے الفرقان، لکھنؤ کو بھیج دیتا تھا، اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم یہ ہوا، کہ راقم نے جو کچھ بھی ٹیڑھا میڑھا، ناقص و ناتمام لکھا، اس سب کو حضرت مولانا اور دیگر قارئین کرام نے بے حد پسند فرمایا۔ حضرت مولانا کو تو بعض معلومات و مندرجات کی اس قدر خوشی ہوئی، جو بیان سے باہر ہے۔

اس تالیف کے لئے شروع میں جو ایک خاکہ بنایا تھا، اس کی وجہ سے خیال یہ تھا کہ یہ پورا کام سو، سوا سو صفحات میں مکمل ہو جائے گا، مگر یہ مباحث اندازہ سے وسیع نکلے اور مکمل تالیف و مباحث کے لئے جو اندازہ کیا گیا تھا وہ غلط ثابت ہوا۔ سوا سو صفحات تو پہلے ہی باب یا بحث نے لے لئے تھے، اصل گفتگو باقی تھی، اس کے لئے بھی اسی قدر یا اس سے زائد صفحات کی توقع باقی ہے مگر کچھ تو ضروری کتابوں کی کم یابی، دوسرے جہاں جن اداروں لائبریریوں میں ان کی موجودگی کی اطلاع تھی، ان کے ذمہ داران کا، لاپرواہی یا بے توجہی کا معاملہ، کچھ راقم کی سستی اور اور سفر کرنے میں کوتاہ ہونے کی وجہ سے، کام کی رفتار بہت ہی دھیمی رہی، اگر چہ حضرت مولانا کا اصرار اور تقاضا آخر تک اور مسلسل رہا، مگر مجھے نہایت افسوس اور ندامت ہے کہ یہ کام مولانا کی تمنا کے مطابق حضرت مولانا کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا، اور بعد میں بھی اس کی تکمیل کا موقع نہیں ہوا۔ جتنا لکھا گیا تھا اور ماہ نامہ الفرقان، میں چھپا تھا اب تک وہی ہے اور وہی ان صفحات میں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا کو اس کام سے اس قدر وابستگی اور تعلق تھا، کہ ابھی اس کی دس گیارہ قسطیں ہی چھپی تھیں کہ حضرت مولانا نے مجھے لکھا، کہ مجھے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں، مگر میری ایک بڑی آرزو یہ ہے کہ میں اس کتاب کا مقدمہ یا پیش لفظ لکھ دوں۔ مولانا نے اس ارادہ پر عمل بھی فرمایا اور تین چار صفحات پر مشتمل، ایک عمدہ پیش لفظ لکھ کر ارسال فرما دیا، مگر اس وقیع اور یادگار تحریر کو، اس نامکمل و ناتمام اشاعت کے ساتھ شائع کرنا اچھا معلوم نہیں ہو رہا، یہ مفصل تحریر با قاعدہ مقدمہ اس کتاب کی تکمیل، کے بعد، کتاب کے مکمل متن کے ساتھ ہی شائع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ! لیکن اس کی تلافی اور بہترین نمائندگی و ترجمانی خود حضرت مولانا کے چند مکتوبات گرامی کے اقتباسات سے ہو رہی ہے، جو مولانا نے، اس سلسلہ تالیف و تحریر کے دوران ناچیز مرتب کو تحریر فرمائے تھے۔

راقم سے حضرت مولانا کی خط و کتابت کا سلسلہ خاصا وسیع تھا، ہر دس پندرہ دن میں ایک گرامی نامہ صادر ہونا ضروری سا تھا، جس میں بعض بہت مفصل کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتے تھے، ان میں سے اکثر میں یہی موضوع اور اس کے متعلقات زیر گفتگو رہتے تھے، شمار کرنے کا موقع نہیں ہوا لیکن اندازہ ہے، کہ سو سے زیادہ گرامی نامے، راقم کے نام آئے ہوں گے، جس میں سے بفضلہ تعالیٰ اکثر محفوظ ہیں، جو اگر شائع کئے جائیں تو تقویۃ الایمان، اس کے متعلقہ مباحث اور کتب نیز خاندان حضرت شاہ ولی اللہ اور اکابر علمائے دیوبند سے متعلق اطلاعات اور علمی معلومات سے پُر ایک بڑی جلد ہوگی، جو اپنے مندرجات و موضوعات کے لحاظ سے ایک تحفہ ہوگی۔ بہر حال یہاں اس خزانہ میں سے، چند مکتوبات، جو کسی خاص تلاش و جستجو کے بغیر سامنے آگئے [اور جو اس تالیف سے حضرت مولانا

کے تعلق خاطر اور ناچیز مرتب پر اس سلسلہ میں اعتماد کے ترجمان ہیں] کے اقتباسات پیش کئے جارہیں۔ان مکتوبات کے ضروری حصے یا فقرے ہی یہاں دئے جارہے ہیں، تمام مکتوبات کا مکمل متن شریک اشاعت نہیں ہے۔

اس کتاب یا اشاعت کے لئے ان مکتوبات سے بہتر پیش لفظ یا تمہید متوقع نہیں، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بڑے اپنے چھوٹوں اور ادنی درجہ کے نیازمندوں کی کس قدر حوصلہ افزائی فرماتے تھے، اور ان کو کس طرح آگے بڑھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ فجزاه الله عنا، ورحمه الله رحمة واسعه

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم ومحترم مولانا نورالحسن راشد صاحب! زید مجدکم

سلام ورحمت

خدا کرے میرا خط جو پرسوں لکھایا تھا مل گیا ہو یا عنقریب مل جائے۔میں نے اس میں لکھایا ہے کہ آپ نے ایک عنایت نامہ میں یہ لکھا تھا کہ تقویۃ الایمان کے متعلق ایک دفعہ ایسی تفصیل سے لکھ دیا جائے، جس میں تمام ضروری پہلو آجائیں، میں نے آپ کو لکھایا ہے کہ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ تقویۃ الایمان اور شاہ شہید سے متعلق، بہت سی باتیں آپ ہی کے خطوط سے معلوم ہوئیں، جن کی مجھے ہوا بھی نہیں لگی تھی۔میری نظر میں ہمارے جماعت میں کوئی بھی ایسے صاحب علم اور صاحب قلم نہیں ہیں، جن کو ان معلومات کا دسواں حصہ بھی معلوم ہو۔میں نے یہ بھی لکھایا ہے کہ اگر میں معذور نہ ہوتا تو خود کاندھلہ آتا اور اس کے لئے آپ سے اصرار کرتا......ساتھ ہی میں نے یہ بھی لکھایا ہے کہ، آپ کو کوئی مجبوری نہ ہو تو لکھنؤ آنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔لیکن اب میرا خیال یہ ہے کہ آپ کو سفر کی زحمت برداشت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے میں اپنی اس رائے کو واپس لیتا ہوں۔

امید ہے کہ تقویۃ الایمان کے متعلق، اللہ تعالیٰ آپ سے وہ لکھائے گا جس کی ضرورت ہے۔

حقیر سا ہدیہ روانہ کیا جارہا ہے قبول کر کے ممنون فرمایا جائے۔

محترمی والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں سلام ممنون اور دعاؤں کی درخواست۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تاریخ تحریر درج نہیں

(۲)

تقویۃ الایمان کے بارے میں تاریخی حیثیت سے جو کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، اس کے بارے میں جو معلومات مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کو ہیں، وہ ہماری جماعت کے موجودہ اصحاب علم وقلم میں سے کسی کو بھی نہیں ہیں، خود مجھ کو بھی نہیں ہیں۔ اس موضوع پر میری ان سے خط وکتابت رہتی ہے، میں بے تکلف ان سے دریافت کرتا ہوں، وہ ہر چیز کا جواب اس طرح دیتے ہیں، جیسے کہ آج ہی انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔.......... میں نے ان سے اس کے لئے شدید اصرار کیا کہ وہ تقویۃ الایمان اور حضرت شہید کے متعلق مباحث پر ایک مفصل کتاب لکھیں۔

مکتوبہ: ۱۹/ اکتوبر ۱۹۸۹ء [۱۸/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ]

(۳)

اس بندے کا حال یہ ہے کہ بصارت وسماعت سے قطعی محرومی تو نہیں ہے، لیکن بہت کمی آگئی ہے اور کمی کی رفتار تیز ہے، یہی حال دوسری قوتوں کا بھی ہے، اب سے قریباً ڈیڑھ مہینے پہلے جب معتدل موسم شروع ہوا تھا، تو شدت سے دل میں، یہ داعیہ پیدا ہوا تھا کہ آپ کو لکھاؤں، کہ کئی مہینے پہلے آپ نے بشارت سنائی تھی کہ حضرت شہیدؒ پر آپ نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو لکھنؤ کے سفر کی زحمت کریں، تاکہ جو لکھا جا چکا ہو اور جو لکھنے کا ارادہ ہو، وہ اس عاجز کے علم میں آجائے۔ لیکن اللہ کی مشیت اس وقت ملک خاص کر یوپی کے حالات کچھ ایسے ہو گئے، کہ سفر خطرناک ہو گیا، تو لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔
اب بفضلہ تعالیٰ وہ حالت باقی نہیں رہی ہے اور ابھی موسم بھی کسی حد تک معتدل ہی ہے، اس لئے اپنی یہ خواہش آپ تک پہنچا رہا ہوں، خدا کرے کہ آپ کے لئے اس وقت سفر سے کوئی مانع نہ ہو۔ ایک حقیر وقلیل ہدیہ روانہ کر رہا ہوں، امید ہے کہ قبول کر کے ممنون فرمایا جائے گا۔
والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں سلام اور ان سے اور آپ سے بھی دعا کی درخواست۔

والسلام

۱۲/ نومبر ۱۹۹۰ء [۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ]

(۴)

خدا کرے حضرت والد ماجد مدظلہ اور آپ خود اور سب متعلقین بخیر وعافیت ہوں۔ میرا حال یہ ہے کہ

عمر بڑھنے کے ساتھ ضعف بھی تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے، اور امراض وعوارض کا بھی یہی حال ہے۔

دعا یہی کرتا ہوں: ''اللھم احینی ماعلمت الحیاۃ خیرالی وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیرالی'' اس کے باوجود کچھ آرزوئیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی یہ زیر تصنیف کتاب میری زندگی ہی میں مکمل ہو جائے۔ کل ہی اس کا ایک حصہ ملا ہے ابھی پڑھوا کر سن نہیں سکا، پھر خود ہی پڑھا اس لئے اس امید میں جان آ گئی، کہ انشاء اللہ کتاب جلد ہی آپ مکمل کر دیں گے، اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے۔

والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں سلام اور دعا کی درخواست .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۸/نومبر ۱۹۹۱ء [۲۰/ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ]

(۵)

شاید آپ کو اندازہ نہ ہوگا کہ جماعت کے حضرات علماء کرام سے وسیع واقفیت کے ساتھ، میرا خیال ہے کہ جماعت میں بہت سے حضرات علم میں اور تصنیف وتحریر میں، آپ سے اور مجھ سے بہت فائق ہیں، لیکن جماعت کے اکابر اور ان کے کاموں کے بارے میں، آپ جیسی واقفیت رکھنے والا، میرے علم میں پورے برصغیر میں ایک بھی نہیں ہے۔

مثلاً حضرت شہید اور تقویۃ الایمان سے متعلق آپ کے خطوط سے، آپ کے جس وسیع مطالعہ اور معلومات کا اندازہ ہوا، اس موضوع سے قریباً ساٹھ سالہ تعلق کے باوجود، میرے معلومات غالباً اس کا ۱/۱۰ [دسواں حصہ] بھی نہیں۔ اسی طرح حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں آپ کی تلاش وجستجو اور مطالعہ کا جو اندازہ آپ کے تازہ مضمون سے ہوا، وہ تنہا آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس وجہ سے آپ کی اس عاجز کے دل میں خاص جگہ ہے۔

آپ کے مضامین پڑھ کو دل کو بیحد مسرت وخوشی ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ آپ کو ہدیہ پیش کروں۔ حضرت تھانوی نو اللہ مرقدہ کا تین قسم کی دعوتوں والا ملفوظ غالباً علم میں ہوگا، اس میں حضرت نے اول درجہ کی دعوت نقد کی شکل میں پیش کرنا فرمایا ہے، بشرطیکہ بے تکلفی ہو اور تعلق مخلصانہ ہو۔ میرا معمول اپنے بعض خاص عزیزوں، دوستوں کو، اسی طرح کچھ نقد دعوت پیش کرنے کا ہے، یہی رویہ میں نے آپ کے بارے میں

اختیار کیا، مجھے چاہئے تھا کہ کسی ملاقات میں پہلے آپ سے ذکر کردیتا۔۔بہر حال اس سلسلے کی حقیقت یہی ہے۔امید ہے کہ آپ کو اس حقیر ہدیہ کو قبول کرنے میں غالباً اب کوئی تکلف نہ ہوگا۔

محررہ ۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ [۷/اگست ۱۹۹۰ء]

(۶)

خدا کرے ہر طرح عافیت ہو، آپ کا ۱۲/رجب کا لکھا ہوا خط ۱۶/رجب کو مل گیا، مضمون کی کتابت مکمل ہوچکی تھی، میں نے خود دیکھا اور مولانا فضل امام سے متعلق عنوان کا اضافہ بفضلہ تعالیٰ کرادیا گیا، خدا کرے کاتب صاحب اسی طرح لکھیں جس طرح ہدایت کی گئی ہے۔مولانا فضل امام صاحب کے اعتراف کمال اور کلمہ وحق" کی دریافت آپ کا غیر معمولی کارنامہ ہے، بڑی خوشی ہوئی، طبیعت میں داعیہ پیدا ہو کہ اس دلی مسرت کے اظہار کے لئے، آپ کی دعوت کروں، یہ حقیر سا ہدیہ ۱۰۰/حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی اصطلاح کے مطابق، نمبر ایک کی دعوت ہے، امید ہے کہ بخوشی قبول کیا جائے گا۔

اس وقت ان سطروں کے لکھانے کا خاص داعیہ یہ ہے کہ میں اپنی حالت دیکھتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ بظاہر زندگی کے دن زیادہ نہیں ہیں [والعلم عند اللہ] اور انتہائی درجہ میں میری دلی خواہش ہے کہ، آپ کی کتاب میرے سامنے مکمل ہوجائے، اور میں اس کا پیش لفظ یا ابتدائیہ لکھ سکوں۔اس لئے باصرار آپ کو لکھا رہا ہوں کہ آپ کچھ دنوں کے لئے اپنے کو، ہمہ تن کتاب کی تکمیل کے لئے فارغ اور یکسو کرلیں، معلوم ہے کہ یہ کتاب آپ اپنی اکیڈمی میں بیٹھ کر ہی لکھ سکتے ہیں، اگر یہ مجبوری نہ ہوتو میں آپ کو اپنے پاس بلالیتا، اور کتاب کی تکمیل کے لئے ایک کمرہ میں مقید کردیتا، میرا خیال ہے کہ اگر آپ خود ارادہ کرلیں، تو انشاءاللہ چند مہینے میں کتاب مکمل ہوجائے گی، اور میں کوشش کروں گا کہ جلد سے جلد بہتر سے بہتر صورت میں اس کی طباعت ہوجائے۔

والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون! اور ان سے اور آپ سے بھی دعا کا طالب اور دعا گو ہوں

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ لکھنؤ

۲۵/جنوری ۱۹۹۲ء [۲۹/جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ]

تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے خلاف برپا شورش تاریخ و حقیقت کے آئینہ میں

نورالحسن راشد کاندھلوی

تمہید: یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ اردو زبان دنیا کی مقبول و معروف ترین زبانوں میں سے ایک ہے، اور اس کا اسلامی علمی تصنیفی سرمایہ بھی، عربی کے بعد دنیائے اسلام کا سب سے بڑا دینی علمی ذخیرہ شمار کیا جاتا ہے، اور اگر چہ یہ ذخیرہ لاکھوں کتابوں پر مشتمل ہے، مگر ان لاکھوں کتابوں میں یہ سعادت اردو کی گنتی کی چند ہی کتابوں کے حصہ میں آئی ہے، کہ وہ اپنی تالیف و اشاعت کے اوّل دن سے عصر حاضر تک، ہمیشہ یکساں مقبول و مستند رہی ہوں، ماہ و سال کے تغیرات، اسالیب بیان کی ترقی و تجدید، مضامین کا تنوع، نئے نئے موضوعات کی دریافت و جستجو اور قارئین کے ذوق و مزاج کی تیز رفتار تبدیلی، ان کتابوں کی مقبولیت کو متاثر کرنے، ان کی علمی حیثیت کو چیلنج کرنے اور ان کے مستقل مقام کو جنبش دینے سے عاجز و قاصر ہوں۔ ایسی ہی بے مثل اور ہمیشہ تر و تازہ رہنے والی کتابوں میں سے ایک، بلکہ شاید اس قسم کی کتابوں میں سرفہرست کتاب ''تقویۃ الایمان'' ہے۔ جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں سب سے زیادہ متعارف اور اردو کے دینی ذخیرہ کی سب سے زیادہ چھپنے والی کتابوں میں شامل ہے۔

ممکن ہے کہ اردو کی دینی کتابوں میں سے بعض کتابیں، اس وقت یا اس سے پہلے کسی خاص دور میں کثرت اشاعت کے لحاظ سے ''تقویۃ الایمان'' سے کسی حیثیت سے فائق ہوں۔ مگر اردو کی ایسی کوئی اور دینی کتاب ہمیں معلوم نہیں، جس کی اشاعت و مقبولیت پونے دوسو سال تک تقریباً ایک ہی سطح پر برقرار رہی ہو، اور پونے دوصدی کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد، اس کتاب کی دعوت زندہ، اس کا پیام تازہ، اس کی تحریک سرسبز اور بازار میں اس

کتاب کی مانگ وطلب بدستور باقی رہی ہو۔ اس لیے یہ کہنا بلاشک وشبہ صحیح ہے کہ یہ مقبولیت وپذیرائی ''تقویۃ الایمان'' کی غیر معمولی خصوصیت اور ایسا نادر وصف ہے، جس میں اردو کی غالبًا کوئی کتاب اس مبارک کتاب کی شریک ورفیق نہیں ہے۔ **وذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء.**

دراصل ''تقویۃ الایمان'' بذاتِ خود ایک کتاب نہیں تحریک ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کتاب کے نابغۂ روزگار مصنف، اس کا پیام لے کر نکلتے، ان کو ایک اور نہایت مؤثر اور انقلاب آفریں ایمانی تحریک کا نمائندہ وترجمان بننے کی سعادت حاصل ہوگئی۔ یہ وہ تحریک تھی جس نے برصغیر موجودہ ہندو پاکستان اور نواح کی ملت اسلامیہ کو، اس کے نظریات وخیالات کو، اس کی دینی درس گاہوں کو، اس کے اصلاح وتذکیر اور تزکیہ کے حلقوں کو، اس کی سیاست اور بلند پایہ شخصیتوں کو، اس کی قومی وملی حمیت کو اس قوت اور برق رفتاری سے متاثر کیا ہے، جس کی برصغیر کی اسلامی تاریخ میں کوئی مثال موجود نہیں۔

میری مراد ''تحریک سیّد احمد شہیدؒ'' سے ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کو نئی قوت، نئی تازگی، نیا حوصلہ اور نیا ولولہ بخشا، ''تقویۃ الایمان'' کی تعلیم وتلقین، تحریک حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی طاقت سے مل کر دوآتشہ ہوگئی تھی۔ شاہ محمد اسماعیل کے پرجوش آہنگ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی قوت افاضہ وتاثیر نے اس دعوت وپیام کو ایسی کشش، ایسی جاذبیت اور ایسی سرعتِ پرواز عطا کی کہ یہ تحریک اور دعوت وپیام ہفتوں، مہینوں میں، ملک کے اس کونے سے اس کونے تک پہنچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں احیاءِ دین وشریعت اور اتباع سنت کی ایسی لہر دوڑ گئی، جس نے اکثر مسلمانوں کو مست وسرشار کر دیا۔

ہر طرف دینی فرائض کی ادائیگی کی، سنن ومستحبات کی پابندی کی، معاشرت ومعاملات کی اصلاح ودرستگی کی اور ایک ایک چیز سے متعلق معمولات نبوی کی تحقیق وجستجو کی ہوا چلی ہوئی تھی۔ ہر شخص اس فکر میں ڈوبا ہوا اور اسی کاوش میں مصروف نظر آتا تھا کہ اس کی زندگی کا کون کون سا رُخ شریعت وسنت کے مطابق ہے اور کس پہلو سے اصلاح وتبدیلی کی ضرورت ہے۔

اگرچہ یہ فضا عام تھی مگر جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جن کو اس تحریک سے اختلاف تھا اور وہ اس تحریک کے نتیجہ میں برپا انقلاب کو اپنے نظریات کی تلقین واشاعت کی راہ میں روڑا اور سخت رکاوٹ خیال کرتے تھے، چنانچہ ان افراد نے اس تحریک، خصوصاً شاہ محمد اسماعیل کی تعلیمات ودعوت کے خلاف مورچہ باندھ لینے کی ایک کمزور سی کوشش کی۔ اگرچہ دہلی کے دینی ماحول میں اس سے وقتی طور پر معمولی سی ہلچل ہوئی مگر یہ بات

بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ شاہ محمد اسماعیل اور سیّد صاحب کے آخر زمانۂ حیات (شہادت بالاکوٹ: ۱۲۴۶ھ) تک اس مخالفت کی عوام وخواص کے کسی حلقہ میں بھی پذیرائی نہیں ہوئی۔ تحریک سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیل کی دعوت وتبلیغ اسی زور وشور اور جوش وجذبہ کے ساتھ جاری رہی، جس کا مظاہرہ وہ اپنے سفر کے آغاز میں کرچکی تھی۔

سیّد احمد صاحب اور شاہ محمد اسماعیل کی شہادت کے بعد اس اختلاف کا دائرہ بڑھنا اور وسیع ہونا شروع ہوا، جو رفتہ رفتہ بدعت وسنت کی حقیقت وحیثیت سے متجاوز ہوکر متعدد ضمنی مباحث ومضامین پر منقسم ہوگیا، مگر اس کے دائرہ کار کی وسعت کے باوجود، مختلف نظریات وخیالات کے حامل علماء کے درمیان اختلاف کی خلیج اس قدر وسیع اور بداعتمادی کی فضا ایسی عام نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسرے کے خیالات کی تنقید وتردید میں مشغول علماء (باستثناء شاذ) اپنے مخالف فریق کو بددین گمراہ یا دائرہ اسلام سے خارج خیال کرلیتے، اس اختلاف کا حال یہ تھا، کہ اگر کچھ مسائل میں اختلاف ہے تو دوسرے مسائل میں اتفاق بھی ہے۔ پھر اختلاف رائے میں بھی اک درجہ احترام ملحوظ تھا اور اتفاق رائے میں بھی ضبط واحتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہتا تو ضروری نہیں تھا کہ اس بحث واختلاف اور متنازعہ موضوعات پر تحریرات ورسائل کی کثرت سے کوئی فتنہ نمودار ہوتا، اور شر وفساد کے شرارے بلند ہوتے۔ مگر جس وقت ''تقویۃ الایمان'' لکھی گئی اور اس کے مضامین پر بحث وگفتگو شروع ہوئی اس وقت ہندوستان میں کچھ ایسی طاقتیں موجود اور خاصی مؤثر وفعال تھیں جن کا خاص وطیرہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے اصول پر عمل اور اسی طریقہ کو سامنے رکھ کر مستقبل کی منصوبہ بندی کا تھا۔ انہوں نے اس اختلاف رائے کو اپنے خاص مفادات ومقاصد اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی دینی فکری سیاسی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس قضیہ واختلاف کو دلائل وبراہین کی شاہراہ سے ہٹا کر تذلیل وتضلیل اور تنقیص وتوہین کی پرخار وادی میں الجھانے کے لیے، ایک لمبی سازش تیار کی اور ایسا وسیع جال بچھایا کہ ملت کے ہر مکتبۂ فکر وخیال کے مختلف افراد، ادارے، انجمنیں اور تحریکات کے مؤسسین اس میں پھنستے اور اس کے اسیر بنتے چلے گئے۔

پھر ان افراد کے ذریعے جو متاعِ قلیل یا حقیر مقاصد کے لیے اس خارزار میں الجھ کر دوسروں کی کٹھ پتلی بن گئے تھے، مسلمانوں کے مختلف طبقات کے درمیان نفرت وعناد کے شعلے بھڑکائے گئے، جاہلانہ خیالات اور سفلی جذبات کی آبیاری کرائی گئی، مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک دوسرے سے بھڑانے اور دست وگریباں کرانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ نیز اہل علم کے درمیان معمولی اختلاف ومباحث کو ہوا دے کر ایسے ایسے خوفناک فتنے برپا

کرائے اور ایسی ایسی لڑائیاں لڑوائیں کہ خدا کی پناہ! اس اجمال کی تفصیل دردناک وخونچکاں بھی ہے اور طویل بھی، یہاں اس کے دہرانے کا موقع نہیں، لیکن امید ہے کہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے بعض ایسے چہروں کو پہچان لیا جائے گا، جو اس سازش کی تکمیل کے لیے دست وبازو کی حیثیت سے استعمال ہوئے، اور انہوں نے اپنی قلمی دماغی صلاحیتوں کو، ہندوستان کی ملت اسلامیہ میں تفریق وانتشار بڑھانے اور دین وشریعت کے اصل ذوق ومزاج کو مٹانے کے لیے برملا استعمال کیا۔

اس سازش کے تانے بانے غالبًا اسی وقت تیار کر لیے گئے تھے جب حضرت سیّد احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید احیاءِ دین وشریعت اور تعمیل قرآن وسنت کا علم لے کر نکلے تھے مگر چونکہ اس دعوت وتحریک کی بنیاد قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات پر استوار تھی، اس لیے ان لوگوں کو برسوں تک ایسا کوئی موقع ہاتھ نہیں آیا کہ وہ اس تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے چنگاری لگاتے، لیکن اس کو ہندی ملت اسلامیہ کی بدنصیبی ہی کہیے کہ بعض علماء کی تحریروں اور اختلاف مزاج کی وجہ سے ان کو ایسا موقع مل گیا کہ وہ اس سفینے کو ڈبونے کی فکر میں لگ گئے۔

شاہ محمد اسماعیل کی دہلی سے آخری روانگی سے، کچھ دن پہلے دہلی کے چند علماء نے جامع مسجد دہلی میں حضرت سیّد احمد اور شاہ محمد اسماعیل کے نامور رفیق مولانا عبدالحئی بڈھانوی سے مختلف موضوعات پر سوال وجواب کیے اور ''تحریک حضرت سیّد احمد شہید'' سے وابستہ علماء کے بعض نظریات پر بحث وگفتگو کی، مولانا عبدالحئی نے ان کے جوابات دیے، حالانکہ اس سوال وجواب سے خود معترضین کو نقصان پہنچا تھا اور ان کی جمعیت اور ہم نواؤں کی تعداد مسلسل کم ہونی شروع ہوگئی تھی، جیسا کہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے شاہ مخصوص اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

> ''اس مجلس (مذاکرہ منعقدہ جامع مسجد دہلی) تک سب ہمارے طور پر تھے پھر ان کا جھوٹ سن کر کچے کچّے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے''[1]

مگر اس سے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پر یقین رکھنے والوں کو وہ موقع ہاتھ آ گیا، جس کی وہ برسوں سے تلاش میں تھے۔ انہوں نے اس اختلاف خیال اور اختلاف رائے کو اپنے مذموم مقاصد کی کاربرآری کے لیے استعمال

(۱) ملاحظہ ہو: ''مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان'' ص:۱۰ مولانا زید ابوالحسن فاروقی (دہلی: ۱۹۸۴ء / ۱۴۰۴ھ) لیکن شاہ مخصوص اللہ سے ان کلمات کا انتساب درست نہیں، اس اقتباس اور اس سلسلہ میں شاہ مخصوص اللہ سے منسوب روایات وتحریرات کی کیا حیثیت ہے؟ آئندہ صفحات میں، ان شاء اللہ اس کا تذکرہ آئے گا۔

کرنے کا ارادہ کرلیا، جس میں ایک بڑا مقصد اور نشانہ خانوادۂ حضرت شاہ ولی اللہ سے عام مسلمانوں کے تعلق وعقیدت کو ختم کرنا، تحریک سیّد احمد شہید سے امت میں پیدا دین صحیح سے والہانہ وابستگی کے جذبات کو سرد کرنا، ہندوستان میں نظام اسلام کے احیاء اور جہاد وسرفروشی کے ولولہ کو مٹانا اور سب سے بڑھ کر اس خطرہ کو کم کرنا تھا جو خانوادۂ حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور تحریک سیّد احمد شہید کی وجہ سے غیر ملکی استعمار اور اسلام دشمن طاقتوں کے لیے پیدا ہو گیا تھا۔

اس منصوبہ کی ابتدا حضرت شاہ محمد اسماعیل اور ''تقویۃ الایمان'' کے خلاف فتاویٰ، رسائل اور مختلف تحریرات کی تالیف کی ترغیب اور ان کی اشاعت کے لئے تعاون واہتمام سے ہوئی۔ اگر چہ اس وقت ان تحریرات وفتاویٰ کو علمی حلقوں اور عوام میں نفوذ وقبول حاصل نہیں ہوا اور ان کی طباعت واشاعت پر کسی جوش وجذبہ اور شادمانی کا اظہار بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ جو تالیفات وتحریرات شاہ محمد اسماعیل اور ''تقویۃ الایمان'' وغیرہ کی تردید وتنقید میں لکھی گئی تھیں، وہ اوّل اوّل بہت کم پڑھی گئیں مگر چونکہ یہ کام دینی جذبہ سے اور کسی ضرورت کے لئے نہیں، بلکہ ایک خاص ماحول پیدا کرنے کے لیے ''دست غیب'' کی مدد سے انجام دیا جارہا تھا، اس لیے ان کتابوں کی عدم قبولیت اور بے توجہی کا خیال تو جہ طلب ہی نہیں تھا، اس وقت تو شاید صرف یہ سوال پیش نظر تھا کہ یہ سلسلۂ تفریق ومنافرت کسی بھی طرح عام ہو، آگے بڑھے اور عوام وخواص کسی بھی تدبیر سے اس میں الجھیں اور اپنا دامن پھنسائیں۔ چنانچہ ان کتابوں کی محدود اشاعت اور محدود ترین فروخت اور خریداری کے باوجود ان موضوعات پر تحریر واشاعت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جیسے جیسے اس موضوع کے رسائل وتحریرات کی تعداد بڑھتی گئی، ان میں اختلاف کی شدت اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا گیا۔ اب موضوع بحث صرف شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ''تقویۃ الایمان'' کی تعلیمات ومتعلقات ہی نہیں تھے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر خود حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادگان واخلاف کی تحریرات وتصانیف پر اعتراضات کیے جارہے تھے، پھر یہ سلسلہ اور آگے بڑھا، بات حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہنچی، اور وہ تمام حضرات جنہوں نے بدعات کے خلاف لسانی اور قلمی جہاد فرمایا، اس طوفان وطغیان سے متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ اس موضوع پر لکھے گئے چند رسائل وفتاویٰ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گنتی کے ان افراد کے سوا جو شاہ محمد اسماعیل اور مذکورہ بالا تمام علماء کی (معاذ اللہ)

گمراہی اور بددینی کا پرچار کررہے ہیں، دنیا میں کوئی مسلمان موجود ہی نہیں اور شاید نہ پہلے کبھی تھا—افسوس!

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

اس طوفان تکفیر وتضلیل کے جواب میں، خانوادۂ ولی اللّٰہی سے وابستۂ دامن علماء اور اکثر خادمانِ قرآن وسنت شروع میں خاموش رہے، بعض حضرات نے چند تحریروں کے مختصر جوابات لکھے، مگر عمومی تاثر ''جواب جاہلاں باشد خموشی'' کا تھا، مگر جب محسوس ہوا کہ اس خاموشی کی وجہ سے دین وشریعت کی حرمت پر آنچ آرہی ہے (اور بعض افراد ان خرافات کا سہارا لے کر علوم شریعت کی حقیقت ومقام کی بحث اٹھانے لگے ہیں) اس وقت متعدد ممتاز علماء نے ان رسائل کی تردید کی اور ان کی علمی واستدلالی حیثیت واضح کرنے کے لیے قلم اٹھایا، اور حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا۔

اہل بدعت کا کوئی اعتراض اور کوئی دلیل ایسی باقی نہیں رہی، جس کے جواب میں قرآن وحدیث کے گوہر نہ لٹائے گئے ہوں، اور مغالطہ وکج فکری کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا، جس کو دلائل وبراہین کی روشنی میں آئینہ نہ کردیا ہو۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ بدعات کی تائید میں تحریرات ورسائل کی ترتیب واشاعت دینی خدمت سمجھ کر نہیں، بلکہ کچھ اور مقاصد کے لیے ہورہی تھی، اس لیے ان اعتراضات وتالیفات کے مسکت اور ناقابل تردید جوابات کی تحریر واشاعت کے باوجود، ان پرانے پامال اعتراضات کا، یا ان میں سے بعض کا وقفہ وقفہ سے اعادہ وتکرار، بعض لوگوں یا ان کی تنظیموں کے لیے، ایک ایسی بنیادی ضرورت یا مجبوری بن گیا ہے جس کو ترک کرنا یا اس سے دامن چھڑالینا ان لوگوں کے لئے کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ ہر چند کہ ان اعتراضات کی اشاعت وتبلیغ میں مصروف ہیں مگر ان کے لیے مذکورہ باتوں کو دہراتے رہنے کے علاوہ، کوئی راستہ ہی باقی نہیں رہا۔ اہل علم ان اعتراضات کی حقیقت واضح کرنے کے لیے لاکھ قرآن پاک کی آیات کریمہ، احادیث شریفہ، مفسرین کے اقوال، علمائے محققین کی عبارات، ائمہ محدثین کی تحقیقات اور بزرگان دین کے ارشادات وکلمات پیش کریں، مگر پھر انہی اعتراضات کا اعادہ اور انہی خیالات کی تکرار ہوگی جن کی دلائل وحوالوں کے ذریعے مؤثر تردید ہوچکی ہے۔

اس بحث ومناظرہ اور تردید وتحقیق کے دوران، جو پیروکاران طریقۂ سنت وشریعت اور معاندین شاہ محمد اسماعیل کے درمیان، ایک صدی سے زیادہ مدت تک خوب زور وشور سے جاری رہا ہے (اور ایک حد تک اب بھی جاری ہے) اس میں اگرچہ بال کی کھال نکلی، ایک ایک بحث کے تحت درجنوں مسائل وموضوعات کا

تذکرہ آیا، اور انہی موضوعات و مضامین کو بنیاد بنا کر شاہ محمد اسماعیل کے مخالفین (اور ہمنواؤں کی جانب سے بھی) سیکڑوں کتابیں کتابچے اور ہزاروں فتوے مرتب ہوئے، مگر اس طویل ترین بحث و مباحثہ اور برسہا برس تک ایک دوسرے کی تردید و تغلیط میں مصروف رہنے کے باوجود، اس نکتہ پر سب کا سو فی صد اتفاق تھا کہ ''تقویۃ الایمان'' شاہ محمد اسماعیلؒ کی تالیف ہے۔

جہاں تک راقم سطور کو معلوم ہے ''تقویۃ الایمان'' کی نقلیں اور نسخے عام ہونے کے وقت سے، ۱۳۴۹ھ (یعنی ایک سو سولہ سال[1]) تک، غالباً کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں لکھا کہ ''تقویۃ الایمان'' کا شاہ اسماعیل سے انتساب درست نہیں، یا فلاں وجہ سے مشتبہ ہے۔ پہلی بار ۱۳۴۹ھ میں حکیم عبدالشکور مرزا پوری نے، جو شاہ محمد اسماعیل کے مخالف نہیں، بلکہ مؤید تھے یہ نرالی تحقیق اور اچھوتا خیال پیش کیا کہ اول تو ''تقویۃ الایمان'' شاہ اسماعیل شہید کی تالیف ہی نہیں، اور اگر اس کا شاہ صاحب سے انتساب درست بھی ہو، تو اس کی مختلف طباعتوں کے متن میں اس قدر اختلافات ہیں اور اس میں اس حد تک تغیر ہوا ہے کہ شاہ صاحب سے اس کی نسبت مشتبہ ہوگئی ہے[2]۔ ظاہر ہے کہ حکیم صاحب کا یہ خیال علم و تحقیق سے عاری، متواتر روایات کے خلاف اور تاریخی حقائق سے متصادم تھا، اس لیے حکیم عبدالشکور کی اس رائے کو نہ وابستگان تعلیمات شاہ اسماعیل، علمائے دیوبند و اہلحدیث صاحبان نے لائق توجہ سمجھا، نہ معاندین شاہ اسماعیل اس سے متاثر و متفق ہوئے۔ حکیم عبدالشکور کی اس رائے سے اگرچہ کسی ایک شخص نے بھی اتفاق نہیں کیا تھا، مگر اس تحریر کی اشاعت کے بعد دو اور ممتاز حضرات نے بھی ''تقویۃ الایمان'' کے شاہ اسماعیل شہید سے انتساب پر شبہات ظاہر کیے تھے، مگر ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے پورے اعتراف کے باوجود، راقم سطور کو یہ کہنے میں ذرا بھی تأمل نہیں، کہ ان حضرات کی رائے بھی چنداں لائق التفات نہیں ہے، اور یہ بھی اسی طرح بے اصل روایات و قیاسات پر مبنی ہے، جس طرح حکیم عبدالشکور کی تحریر ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی۔

---

(۱) تقویۃ الایمان رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ سے پہلے کسی وقت مرتب ہوئی، اس وقت سے ۱۳۴۹ھ تک ایک سو سولہ سال ہوتے ہیں۔

(۲) ملاحظہ ہو: ''التحقیق الجدید علی تصانیف الشہید تالیف حکیم عبدالشکور مرزا پوری (مؤلفہ جنوری ۱۹۳۱ء شعبان: ۱۳۴۹ھ) طبع اول مطبع مجیدی کانپور، بلا سنہ۔

حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی نے ''مطرق الحدید علی صاحب التحقیق الجدید'' کے نام سے جواب لکھا، جو پہلی مرتبہ ادارہ اخبار محمدی دہلی کے اہتمام سے، جید برقی پریس دہلی میں جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ (اکتوبر: ۱۹۳۲ھ) کو شائع ہوا۔

ادھر چند سال سے معاندین دعوت اتباع سنت وتعلیمات علمائے خاندان شاہ ولی اللہ نئے سرے سے منظّم ہونے شروع ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے پیام کے خلاف اک تازہ مہم کا آغاز ہوا ہے، جس کے تحت حکیم عبدالشکور اور مذکورہ بالا دونوں حضرات کی اس بے بنیاد بات کو بعض نئے اضافات کے ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش ہو رہی ہے، لیکن اب اپنی پرانی روش تنقید ومناظرہ کو اور قدیم مجادلانہ اسلوب تحریر کو ترک کر کے، ان ہی پرانی باتوں اور پامال بحثوں کو نئے لباس نئے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ:

(الف) ''تقویۃ الایمان'' شاہ محمد اسماعیل کی تالیف نہیں ہے، اور اس کا کوئی ثبوت بھی موجود نہیں کہ شاہ محمد اسماعیل نے ایسی کوئی کتاب لکھی ہو۔

(ب) اگر اس قسم کی کوئی کتاب لکھی بھی گئی تھی، تو وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اس خاندان کے علماء اور اکابر کے خیالات ونظریات کی نمائندہ وترجمان نہیں تھی۔

(ج) تقویۃ الایمان کی تعلیمات وتحریک اور اس کے مضامین کی تائید میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں، خاندان شاہ ولی اللہؒ کے علماء ان سے یکسو اور بے تعلق رہے، بلکہ بعض نے ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے۔

(د) مولانا فضل حق خیر آبادی نے ''تقویۃ الایمان'' کے مندرجات اور شاہ محمد اسماعیل کے نظریات وتعلیمات کے خلاف، اسی زمانہ میں جدوجہد اور تردید وتنقید شروع فرما دی تھی، جب شاہ محمد اسماعیل نے اس سلسلہ کا آغاز کیا اور تقویۃ الایمان لکھی — نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''تقویۃ الایمان'' کی بعض عبارتوں کے متعلق، مولانا خیر آبادی کی شاہ اسماعیل شہید سے خط وکتابت اور بقول بعض، مناظرے بھی ہوئے تھے۔

(ہ) خود حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض تحریریں ''تقویۃ الایمان'' کے مندرجات کے خلاف اور ان کی عملی تردید ہیں، اور اس خاندان کے متعدد علماء کا کئی معاملات میں، سیّد احمد شہید کی تعلیمات اور شاہ اسماعیل کے دعوت وپیام سے مختلف عمل رہا ہے، نیز اس خاندان کے بعض افراد بھی ان معمولات ورسوم کے پابند تھے، جن کی ''تقویۃ الایمان'' وغیرہ سے صاف ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

(و) ''تقویۃ الایمان'' کے موجودہ نسخے محرف ہیں، اصل نسخے اور قدیم اشاعتوں میں وہ مضامین درج نہیں تھے، جو موجودہ طباعتوں میں شامل ہیں۔

یہ سب باتیں کسی ایک جگہ درج نہیں، بلکہ معاندین شاہ محمد اسماعیل کی مختلف تحریرات ومضامین میں بکھری

ہوئی ہیں اور الفاظ کے الٹ پھیر کے ساتھ موقع بموقع دہرائی جاتی رہتی ہیں، کبھی کچھ کہا جاتا ہے کبھی کچھ اور! ان سب کا خلاصہ یہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ الفاظ کے ردوبدل سے قطع نظر، ان اعتراضات وانکشافات کے نفس مضمون کی کیا حیثیت واہمیت ہے؟ کیا خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے ممتاز علماء خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تصنیفات، فتاویٰ اور مکتوبات وغیرہ سے ان باتوں کی کچھ تائید وتصدیق ہوتی ہے؟ نیز ''تحریک سیّد احمد شہیدؒ'' کی حمایت وتردید میں لکھی گئی قدیم ترین تحریرات وفتاویٰ اور متعلقہ تاریخی مآخذ سے، ان اعتراضات وخرافات کی تردید ہورہی ہے یا تائید ـــــ؟ اور کیا معاندین شاہ محمد اسماعیل کی تحریرات ورسائل اور خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے علماء کی تصنیفات اور علمی مآثر کا مطالعہ ایک ہی نتیجہ تک پہنچاتا ہے؟ یا ان کا پیام اور ہے میرا پیام اور!

مگر اس مقصد کے لیے جس مطالعہ اور تفصیلی تحقیقی علمی کام کی ضرورت ہے، اس کا ابھی تک مناسب طریقے سے آغاز بھی نہیں ہوا ہے، جس میں وسائل کے فقدان کے علاوہ ان موضوعات سے متعلق علمی ذخیرہ کی کمیابی بلکہ نایابی کا بھی خاصا دخل ہے، تاہم امید ہے کہ دیر سویر اہل علم وفضل اس پر توجہ فرمائیں گے اور یہ کام کما حقہ سرانجام پائے گا، اسی سمت میں آغاز سفر کے طور پر یہ ناچیز تحریر نذر قارئین ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میری اس تحریر کی حیثیت اس موضوع پر ابتدائی درجہ کی معمولی کوشش سے زیادہ کچھ نہیں ہے، تاہم امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ''تقویۃ الایمان'' اس سے وابستہ پیام دعوت وتوحید وپیام اتباع سنت کے خلاف برپا شورش کی، تاریخی حقیقت وترتیب سمجھنے اور اس سلسلے کے بعض نامعلوم گوشوں اور گم شدہ کڑیوں کی تلاش وبازیافت میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملے گی۔ یہ تحریر درج ذیل ابواب ومضامین پر مشتمل ہوگی۔

(۱) **شاہ محمد اسماعیل کی معروف ترین تالیفات:** ردالاشراک، تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کی تالیف کا پس منظر، ان کے سنین تالیف کی جستجو، ان کے قدیم ترین قلمی نسخوں، پہلی اشاعتوں، نیز ان کے بعض حواشی شرحوں اور ترجموں کا تذکرہ ہے۔

(۲) **''تحریک سیّد احمد شہید'' کی ابتدا، اس کا عروج وارتقاء،** اس تحریک سے شاہ محمد اسماعیل شہید اور خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کے ممتاز افراد اور اکابر وعلماء کی وابستگی، اور برصغیر ہندو پاکستان کے کونہ کونہ، بلکہ جنوب مشرقی ایشیا کے مختلف خطوں اور عالم اسلام کے مختلف ممالک اور گوشوں تک، اس تحریک اور شاہ محمد اسماعیل کے نظریات اور تعلیمات کی مقبولیت وپذیرائی کا کچھ احوال، اور اس انقلاب آفریں جدوجہد کے مبارک اثرات وثمرات کا سرسری جائزہ۔

(۳) تحریک سیّد احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل کی دعوت وتبلیغ کے متعلق، حضرت شاہ عبدالعزیز کی رائے گرامی اور موقف، نیز کیا حضرت شاہ عبدالعزیز ان دونوں کی جدوجہد، مقبولیت اور اثر انگیزی سے ناواقف وبےخبر تھے، یا اس تحریک کے بانی وسرپرست اور ان دونوں حضرات کے سرگرم معاون ومددگار تھے؟

(۴) تقویۃ الایمان اور تحریک سید احمد شہید کے نظریات ومقاصد سے اختلاف کی روداد، اس اختلاف کے عوام کے سامنے سب سے پہلے اعلان واظہار (مجلس مذاکرہ منعقد جامع مسجد دہلی: ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۴ء) شاہ محمد اسماعیل اور ان کی دعوت اخلاص توحید واحیاءِ سنت وشریعت اور امت کے جاہل عوام میں رواج پا جانے والی بدعات کے خلاف جہاد کے وارث وعلمبردار اصحاب، حضرات اکابر علماء دیوبند کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک شان میں گستاخی کا مرتکب کہتے ہیں اور اس درجہ کا کافر کہتے ہیں کہ جو ان کو مسلمان مانے اور ان کے کلام میں تاویل کرے، وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ومرتد ہو جائے گا، نیز کچھ مشرکانہ خیالات اور رسوم وبدعات کو اصل دین وشریعت قرار دے کر، امت میں ایک مستقل فرقہ (بریلوی جماعت) بننے تک اس قضیے کے سفر کی کچھ داستان، جس میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کی اس مقصد کے لیے لمبی جدوجہد اور مسلسل تحریر وتصنیف کے حال کا بھی کچھ ذکر ہوگا، اور اس محنت کے پس منظر میں کارفرما حکمرانوں کی تائید وحمایت اور اس تبلیغ واشاعت کے لیے ''دست غیب'' کے اثرات کا تذکرہ آئے گا، اور ان شاء اللہ کچھ ایسے شواہد واشارات بھی درج ہوں گے، جن کی اس سلسلے میں اقراری بیان کی سی حیثیت ہے۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادگان والا تبار اور اس خاندان کے علماء واصحاب کمال کا عقیدہ وطریقہ کیا تھا؟ شریعت وسنت کا قدم بقدم اتباع یا خود ساختہ بدعات ورسوم کی چاکری! اور اس خاندان کے بعض علماء کی چند تحریروں سے، جو ایسے بعض کاموں کے کرنے، یا ان کو اچھا سمجھنے کا علم ہوتا ہے جو حدیث وسنت سے ثابت نہیں، ان کی واقعی کیا حیثیت ہے___؟ وہ ان میں سے کسی ایک شخص کا ذاتی وقتی عمل تھا، یا اس خاندان کا معمول اور عقیدہ وروایت؟

لیکن اس تحریر میں ''تقویۃ الایمان'' کے قدیم وجدید نسخوں کے لفظی اختلافات کی، ان کے صحیح وغلط اندراجات کی، اور اس میں ترمیم وتحریف کی گفتگو شامل نہیں ہے، کیونکہ اس کا صحیح علم ''تقویۃ الایمان'' کے مختلف

نسخوں کے صحیح تقابلی مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے، جب تک اس قسم کے مطالعہ ومقابلہ کے بعد، متوقع اختلاف نسخ اور ترمیمات کا حرفاً حرفاً تذکرہ نہ کیا جائے اور ''تقویۃ الایمان'' کے معتمد اور قدیم ترین نسخوں کو سامنے رکھ کر نیا محقق نسخہ ترتیب نہ دیدیا جائے، اس بحث پر قطعی فیصلہ ممکن نہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ''تقویۃ الایمان'' کے اکثر معتبر ترین قلمی اور مطبوعہ نسخے راقم سطور کی دسترس میں ہیں، اگر ضرورت محسوس ہوئی اور موقع ملا تو ان شاء اللہ بعد میں یہ خدمت بھی سرانجام دی جائے گی۔ **وللہ الأمر من قبل ومن بعد.**

اس قضیہ کی ترتیب واقعات اور اس کے ضروری تاریخ وسنین، ایک نظر میں

آئندہ صفحات کے مطالعہ سے پہلے ''تقویۃ الایمان'' اور اس کے مباحث سے براہ راست متعلق، اہم ترین واقعوں اور تاریخوں کا ترتیب واندراج ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ اوراق کے مطالعہ کے دوران واقعات کی صحیح صحیح ترتیب وار پوری روداد کا خلاصہ بیک نظر سامنے رہے، اور مختلف مباحث واطلاعات کی تفصیل ومطابقت کے وقت اس سے رجوع کیا جاسکے ـــــ چونکہ ''تقویۃ الایمان'' سے متعلق اکثر واقعات کے بعض سنین، عام دستیاب کتابوں میں بالکل غلط اور خلاف واقعہ درج ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ بعض حضرات کو یہاں درج چند واقعات کے سنین کی صداقت پر شبہ ہو، لہٰذا یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ، راقم سطور نے مختلف مآخذ سے رجوع کر کے حقیقت واقعہ اور اس کی صحیح تاریخ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اب بھی ایک دو جگہوں پر مزید مآخذ اور معتبر ترین اطلاعات کی جستجو باقی ہے، تاہم جو کچھ درج ہوا ہے، وہ اس وقت تک دریافت مستند ترین ذرائع سے لیا گیا ہے، اور مجھے اپنے علم ویقین کی حد تک ان کی واقعیت وصداقت پر شبہ نہیں ـــــ جہاں تک حوالوں اور مآخذ کی بات ہے، یہاں ان کا مفصل تذکرہ غیر ضروری طوالت کے خوف سے قصداً نہیں کیا گیا، اجمالاً یہ اطلاع مناسب ہوگی کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے صاحبزادگان اور خاندان سے متعلق صحیح سنین راقم سطور نے خود اپنے ایک مضمون سے لیے ہیں[1]، سیّد احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک سے متعلق تاریخیں چودھری غلام رسول مہر اور حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں[2] سے اخذ کی گئی ہیں، باقی تمام سنین کے معتبر مآخذ اور تحقیق ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گی۔ **واللہ الموفق وهو حسبي ونعم الوكيل.**

(۱)　''شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی اور اخلاف کرام صحیح نسب نامہ کی جستجو، شاہ ولی اللہ کی زوجات محترمات (شاہ صاحب کی) اولاد کی تفصیل اور ان کی صحیح تاریخ ہائے ولادت ووفات''۔ (سہ ماہی فکر ونظر، اسلام آباد۔ بابت شوال، ذالحجہ ۱۴۰۷ھ/ جولائی-ستمبر ۱۹۸۷ء ص: ۹۳ تا ۱۴۶)

(۲)　سیّد احمد شہیدؒ (طبع اول لاہور) سیرت سیّد احمد شہیدؒ- دو جلدیں (لکھنؤ: ۱۳۹۷ھ طبع ششم)۔

ترتیب واقعات اس طرح ہے:

واقعہ	تاریخ
(۱) ولادت، شاہ محمد اسماعیل بن شاہ عبدالغنی، خلف حضرت شاہ ولی اللہ۔	(۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ/ ۲۹ اپریل ۱۷۷۹ء)
(۲) وفات، شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ۔	(۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ /۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء)
(۳) سیّد احمد شہید کی شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہلی حاضری اور شاہ صاحب سے بیعت۔	۱۲۱۷ھ یا ۱۲۱۸ء مطابق ۱۸۰۳ء
(۴) تالیف ''ردالا شراك'' از شاہ محمد اسماعیل۔	۱۲۱۳ھ مطابق ۹۹-۱۷۹۸ء
(۵) شاہ محمد اسماعیل کی سیّد احمد شہید سے بیعت۔	۱۲۲۷ھ - ۱۸۱۲ء میں کسی وقت
(۶) ''تنویر العینین فی رفع الیدین'' شاہ محمد اسماعیل کی تالیف۔	۱۲۳۰ھ - ۱۸۱۵ء سے پہلے کسی وقت
(۷) وفات حضرت شاہ عبدالقادرؒ	۲۷ رجب ۱۲۳۰ھ - ۶/جون ۱۸۱۵ء
(۸) مولانا فضل حق خیر آبادی کا انگریز حکومت کی ملازمت پر، بحثیت پیشکار ریزیڈنٹ دہلی تقرر	تقریباً ۳۱-۱۲۳۰ھ/ ۱۶-۱۸۱۵ء
(۹) سیّد احمد شہید کی ٹونک سے واپسی اور دہلی میں اصلاح وتربیت کا آغاز۔	رجب، شعبان ۱۲۳۳ھ/ مئی، جون ۱۸۱۸ء
(۱۰) تصنیف تقویۃ الایمان شاہ محمد اسماعیل شہید۔	رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ / جولائی ۱۸۱۸ء سے پہلے کسی وقت
(۱۱) تالیف ''صراط مستقیم'' (مجموعہ تعلیمات سیّد احمد شہید)	رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ/ جولائی ۱۸۱۸ء سے پہلے کسی وقت، غالباً ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں
(۱۲) وفات حضرت شاہ رفیع الدین	۶ شوال ۱۲۳۳ھ/ ۹ اگست ۱۸۱۸ء
(۱۳) شاہ محمد اسماعیل کا حضرت سیّد احمد شہید کے ہمراہ نواح دہلی اور مغربی یوپی کے علاقوں اور اضلاع کا سفر	ذیقعدہ ۱۲۳۳ھ سے جمادالاولیٰ ۱۲۳۴ھ تک اکتوبر ۱۸۱۸ء- مارچ ۱۸۱۹ء
(۱۴) سیّد احمد شہید اور ان کے رفقاء کی دہلی سے رائے بریلی واپسی، لکھنؤ اور مشرقی اضلاع کا سفر۔	جمادی الاخریٰ ۱۲۳۴ھ سے تقریباً شعبان ۱۲۳۵ھ تک/ اپریل ۱۸۱۹ء مئی ۱۸۲۰ء

واقعہ	تاریخ
(۱۵) سیّد احمد شہید کی رائے بریلی سے سفر حج کے لیے روانگی۔	۲۹ شوال ۱۲۳۶ھ/ ۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء
(۱۶) سفر حج میں شاہ محمد اسماعیل کی، سیّد صاحب کے ساتھ رفاقت وشرکت۔	۲۴ صفر ۱۲۳۷ھ/ ۲۰ نومبر ۱۸۲۱ء
(۱۷) کئی مہینے کے سفر کے بعد جدہ کی سرزمین پر نزول۔	۲۲ شعبان ۱۲۳۷ھ/ ۱۵ مئی ۱۸۲۲ء بدھ
(۱۸) شاہ محمد اسماعیل کا سیّد صاحب کے ہمراہ مکہ معظّمہ میں قیام اور عربی میں ”صراط مستقیم“ کا ترجمہ	آخر شعبان ۱۲۳۷ھ سے آخر شوال ۱۲۳۸ھ تک مئی ۱۸۲۲ء تا جولائی ۱۸۲۳ء
(۱۹) سفر حج سے واپسی پر رائے بریلی میں داخلہ۔	آخر شعبان یا یکم رمضان ۱۲۳۹ھ/ اپریل، مئی ۱۸۲۴ء
(۲۰) وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ۔	۷ شوال ۱۲۳۹ھ/ ۶ جون ۱۸۲۴ء
(۲۱) بعض بدعات کی تائید اور بظاہر شاہ اسماعیل کی بعض تعلیمات کی تردید میں، دہلی میں مرتب پہلا فتویٰ اور تحریر۔	ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ/ دسمبر ۱۸۲۴ء
(۲۲) جامع مسجد دہلی میں، دہلی کے چند علماء کی مولانا شاہ عبدالحیؒ سے گفتگو۔	۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۴ء بروز منگل
(۲۳) شاہ محمد اسماعیل کی دہلی سے آخری رخصت اور سفر جہاد کے ارادہ سے روانگی۔	آخر شوال ۱۲۴۰ھ/ جون ۱۸۲۵ء
(۲۴) سیّد احمد شہید کی رائے بریلی سے آخری روانگی اور جہاد کے لیے سفر۔	۷ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ/ ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء
شاہ محمد اسماعیل اس سفر میں رائے بریلی سے ہی سید صاحب کے ساتھ تھے۔	
(۲۶) ”تقویۃ الایمان“ اور شاہ محمد اسماعیل کے خلاف مولانا فضل حق خیرآبادی کی مہم کا آغاز، اور ”تقویۃ الایمان“ کی تردید میں سب سے پہلی تحریر رسالہ ”تقریر اعتراض بر تقویۃ الایمان“ کی تالیف۔	جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ / جنوری، فروری ۱۸۲۶ء

واقعہ	تاریخ
(۲۷) شاہ محمد اسماعیل اور قافلۂ مجاہدین کا شکار پور (سندھ) میں نزول اور پڑاؤ۔	شروع ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/ جولائی ۱۸۲۶ء
(۲۸) مولانا خیرآبادی کے رسالہ ''تقریر اعتراض برتقویۃ الایمان'' کی شاہ اسماعیل کو اطلاع اور شاہ شہید کے قلم سے ایک ہی نشست میں اس کے جواب ''رسالہ یک روزی کی تحریر''	ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/ جولائی، اگست ۱۸۲۶ء
(۲۹) مولانا فضل حق خیرآبادی کی تالیف ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ''، جس میں مولانا شہید کو اس درجہ کا کافر قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص انہیں کافر نہ کہے، ان کے کلام کی تاویل کرے وہ بھی کافر ہے۔ ابطال الطغویٰ اگرچہ علماے دہلی کے ایک فتویٰ کی تردید میں لکھی گئی تھی، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مگر اس میں ضمنی طور پر شاہ محمد اسماعیل کی تالیف رسالہ'' یک روزی'' کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔	غالباً جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ/ جنوری ۱۸۲۷ء
(۳۰) شہادت شاہ محمد اسماعیل وسیّد احمد شہیدؒ (بالاکوٹ)	۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/ ۸ مئی ۱۸۳۱ء
(۳۱) مولانا خیرآبادی کا دہلی میں انگریز حکومت کی ملازمت سے استعفیٰ۔	شعبان ۱۲۴۷ھ/ جنوری ۱۸۳۲ء
(۳۲) شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب کی ہندوستان سے مکہ معظّمہ ہجرت۔	ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ/ دسمبر ۱۸۴۲ء
(۳۳) مولانا فضل حق خیرآبادی کی، نواب واجد علی شاہ والی اودھ کے دربار سے وابستگی، اور ملازمت۔	صفر اور ذی قعدہ ۱۲۶۳ھ/ فروری، اکتوبر ۱۸۴۷ء کے درمیان۔

(۳۴) تحریک شاہ محمد اسماعیل اور ''تقویۃ الایمان'' کے خلاف، رَدّ وہابیت کے عنوان سے، مولوی فضل رسول صاحب بدایونی کی کوششوں کی ابتدا۔	تقریباً ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۵۴ء
(۳۵) ''امتناع النظیر''منسوب بہ مولانا خیر آبادی کی تالیف۔	۱۲۷۰ھ-۱۲۷۳ھ کے درمیان مولانا حیدر علی ٹونکی کی تالیف:''الکلام الفاضل ا لکبیر علیٰ اھل التکفیر'' کی اشاعت کے بعد۔
(۳۶) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	آغاز اپریل، مئی ۱۸۵۷ء/ رمضان ۱۲۷۳ھ
(۳۷) جنگ آزادی میں شرکت کے شبہ میں مولانا خیر آبادی کی گرفتاری۔	تقریباً اکتوبر ۱۸۵۸ء/ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ
(۳۸) مولانا فضل حق خیر آبادی کی وفات جزائر انڈمان (کالا پانی) میں	۲۳/ صفر ۱۲۷۸ھ-۳۰/ اگست ۱۸۶۱ء
(۳۹) وہابیت یا علماء خاندان شاہ ولی اللہ کی تردید میں فاضل بریلوی، مولانا احمد رضا خاں صاحب کی سب سے پہلی تحریر''حل خطاء الخط''	مؤلفہ ۱۲۸۸ھ/ ۷۲-۱۸۷۱ء (یہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی)
(۴۰) فاضل بریلوی کے والد، مولوی نقی علی خاں کی، خاندان حضرت شاہ ولی اللہ سے وابستہ علماء کے خلاف مہم اور تکفیری فتنہ کا آغاز۔	شوال ۱۲۹۰ھ/ نومبر ۱۸۷۳ء
(۴۱) فاضل بریلوی خاں صاحب کی تکفیر بازی اور کچھ مشرکانہ خیالات و بدعات کو دین کا حصہ بنانے کی کوشش، کے نتیجہ میں، ہندوستان کے سنی مسلمانوں میں نئی تقسیم، اور ایک نئے [بریلوی] فرقہ کا نمود وظہور۔	تقریباً ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ھ

شاہ محمد اسماعیل کے مختصر احوال وسوانح

برصغیر ہندو پاکستان کی گزشتہ چار سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اس خطہ میں دعوتِ توحید، احیائے سنت اور ذوق عرفان وسلوک پیدا اور عام کرنے میں، ان خانوادوں اور علمائے کرام کا نمایاں حصہ رہا ہے، جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ منجملہ ان خاندانوں کے ایک خاندان وہ ہے جس کے اجداد غالباً دوسری صدی ہجری میں عرب ممالک سے نکلے اور ایران و افغانستان ہوتے ہوئے، چھٹی صدی ہجری میں کسی وقت ہندوستان پہنچے، اس خانوادہ کے ایک بزرگ بدایوں میں فروکش ہوئے، دوسرے نے رہتک میں رخت سفر کھولا۔ جو شاخ رہتک میں ٹھہری، اس کے قافلہ سالار شیخ شمس الدین مفتی تھے، جو خود بھی صاحب کمال اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کی اولاد کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص فضل وکرم سے نوازا، اس میں پے بہ پے خادمان اسلام، داعیان توحید وسنت، نامور محدثین، برگزیدہ علماء، ممتاز مدرسین اور سربرآوردہ مرشدین ومصلحین پیدا ہوتے رہے۔

بعد میں اس خاندان کے بعض افراد رہتک سے دہلی منتقل ہوئے اور اس سرزمین علم وکمال کو اپنی صلاحیتوں اور خدمات کا محور ومرکز بنایا۔ دہلی جو شاہانِ مغلیہ کی معارف نوازی اور علم پروری کی بدولت رشکِ بغداد وبخارا بنی ہوئی تھی، وہاں کسی نئے عالم کا آ کر اپنے علم وفضل کی داد پالینا، اور اس مرکز علماء میں مرکز قلب ونظر بن جانا، ایک بڑی، بلکہ بہت بڑی بات تھی جو ان کو حاصل ہوئی۔

یہ بزرگ شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم کی اولاد کو جو عروج واقبال ملا اور دنیائے علم ومعرفت اور خدمت قرآن وسنت کی جو سروری وجہانبانی حاصل ہوئی، وہ محتاج بیان نہیں۔ اور ان خادمان علوم نبوت کی محنتوں سے دین وشریعت کی، راہ میں جو چراغاں ہوا، امید ہے کہ اس کی روشنی صدیوں تک امت مسلمہ کے قلوب کو منور وفروزاں رکھے گی۔ اس شاخ میں یکے بعد دیگرے ایسے ایسے منتخب روزگار افراد پیدا ہوئے، جو اپنی خاندانی روایات اور خدمت دین کی شاہراہ کو تابندہ سے تابندہ تر کرتے چلے گئے۔

انہی رجال فضل وصلاح میں ایک نسبتاً متاخر، مگر واشگافِ دعوت توحید اور احیائے سنت کے صاف صاف برملا جدوجہد میں، اپنے تمام اہل خاندان سے ممتاز شخصیت، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی ذات گرامی تھی، جو بلاشبہ "مِنَ الْمُومِنِینَ رِجَالٌ صَدَقُوامَا عھَدُ وا اللّٰه عَلَیهِ" [1] کی مصداق تھی۔

(۱) سورۂ احزاب ۲۳- ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے۔

اگر چہ شاہ محمد اسماعیل کے احول وسوانح پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور حضرت شہید کے شایان شان کوئی سیرت مرتب نہیں ہوئی، مگر اس موضوع پر تحریرات ومؤلفات کی کمیابی کے باوجود، شاہ محمد اسماعیل کا نام، ہزاروں لاکھوں، زندہ وموجود اہل علم وکمال سے زیادہ زندہ، اور ان کا کام اور طریقۂ اصلاح وہدایت آج بھی اسی طرح متعارف ہے، جس طرح ان کی حیات میں تھا۔ ان کی یاد اور محبت کی شمع ایسے دلوں میں ہمیشہ روشن رہے گی جو "عَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّة الخُلفاءِ الرَّاشِدِيْنَ المَهْدِيِّيْنَ" کی صداقت وحقانیت کی راہ پر گامزن اور "مَنْ اَحدَثَ فِي أمْرِ نَاهٰذَامَالَيس مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ" کی ہدایت پر کسی درجہ میں بھی عمل پیرا ہیں، سچ ہے کہ:

راہ الفت میں جو مرتے ہیں فنا ہوتے نہیں
کشتگان عشق کا عمر ابد ہے خوں بہا

مگر چونکہ: "ہر گل کو باغ دہر میں کھٹکا ہے خار کا" اس لیے ایسے لوگوں کی بھی ایک جماعت ہے، جو شاہ اسماعیل شہید کے نام سے بے زار اور ان کی دینی خدمات وتالیفات کے تذکرہ سے بھی ناخوش ہے، مگر اس موقع پر بے ساختہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں، جو شاہ صاحب نے حضرت مجدد الف ثانیؒ پر افتر آت واعتراضات کرنے والوں کے متعلق لکھے تھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

لايُحِبّه اِلّامُومِنٌ تَقِيٌّ وَلا يُبْغِضُه اِلّافَاجِرٌ شَقِيٌّ.

مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت[1]

یہی الفاظ وکلمات شاہ محمد اسماعیل اور ان کے مخالفین کا تذکرہ کرتے ہوئے، بلا تردد دہرائے جاسکتے ہیں۔

ولادت ونسب | شاہ محمد اسماعیل خانوادۂ شاہ عبدالرحیم کے گل سرسبد، شاہ ولی اللہ کے پوتے، شاہ عبدالغنی کے اکلوتے فرزند، نیز شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیزؒ کے مایۂ ناز اور فخر خاندان بھتیجے تھے۔ شاہ عبدالرحیم سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ تک مختصر سلسلہ نسب شاہ ولی اللہ نے "**الامدادفی مآثر الاجداد**" میں درج فرمایا ہے۔ تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں۔[2]

(۱) یہ چار سطری عبارت کا ایک فقرہ ہے، یہ عبارت مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے شاہ ولی اللہ کے رسالہ "ترجمة أحوال الإمام الرباني" کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے، فقرہ کا ترجمہ بھی مولانا ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو: حضرت مجدد کے ناقدین، ص: ۷ نیز کتاب مذکور، ص: ۱۴۰۔

(۲) اس نسب نامہ اور درج بالا تاریخوں کی تحقیق وحوالہ جات کے لیے راقم سطور کا مضمون، مشمولہ سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد۔ جولائی، ستمبر ۱۹۸۷ء/شوال ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ملاحظہ ہو۔

شاہ اسماعیل، اپنی ننیہال (پھلت ضلع مظفر نگر، یوپی) میں ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ-۳۰ اپریل ۱۷۷۹ء کوتولد ہوئے [۱] ابتدائی درسیات سے متوسطات تک تعلیم، والد ماجد یا چچاؤں سے حاصل کی ہوگی، مگر اس کی صراحت نہیں ملی۔ تاہم متوسطات سے آخر تک تمام کتابیں اور جملہ علوم وفنون حضرت شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کیے۔ شاہ عبدالغنی سے فیضان تربیت اور استفادہ کا بہت کم موقع ملا، کیونکہ شاہ اسماعیل صرف دس سال کے تھے کہ شاہ عبدالغنی کی (۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ/۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء) [۲] کو وفات ہوگئی۔ والد کی وفات کے بعد شاہ اسماعیل، شاہ عبدالقادر کی تربیت میں آ گئے تھے۔ شاہ عبدالقادر کی وفات، ۲۷ رجب ۱۲۳۰ھ/ ۶ جون ۱۸۱۵ء [۳] تک ان کی خدمت میں حاضر رہے اور بعد میں شاہ صاحب کی نواسی محترمہ جمیلہ بنت مولوی محمد مصطفیٰ تحیر [۴] سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

تعلیم وصلاحیت صلاحیت واستعداد، ذہانت وفطانت، فہم واستحضار کا خاندانی جوہر شاہ محمد اسماعیل میں بھی پورے طور پر بلکہ بدرجۂ کمال موجود تھا۔ ان خصوصیات کو بے خطا حافظے، بے مثل قوت ادراک، اور نادر الوجود ذکاوت نے خوب سے خوب تر کر دیا تھا۔ نوعمری میں آغاز شباب سے پہلے ذہن کی تیزی، قوت فہم، جودتِ طبع اور علوم وفنون پر گرفت کا یہ عالم تھا، کہ وہ اساتذہ جن کی خدمت میں ایک لحہ کی حاضری، بڑے بڑے اکابر علماء کے لیے سرمایہ فخر ومباہات ہوتی تھی، اس شاگرد پر ناز فرماتے تھے۔ اسی خداداد صلاحیت کی بدولت، مہینوں کی تعلیم ہفتوں میں اور ہفتوں کے اسباق دنوں میں حاصل کیے—اس غیر معمولی صلاحیت وذکاوت کا لازمی نتیجہ شوخی اور زیر درس کتابوں سے ہر وقت چمٹے نہ رہنے کی عادت تھی، جس کی وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال نہ فرماتے کہ سبق کہاں ہے۔ بقول سرسیّد احمد:

> ''بسبب استغنا کے یہ محفوظ نہ رہتا تھا کہ سبق کس جا سے شروع ہوگا، کبھی اس کے مابعد کی عبارت سے شروع کر دیتے تھے۔ شاہ عبدالقادرؒ انتباہ فرماتے تو آپ (شاہ محمد اسماعیل) فرماتے کہ اس کا مطلب آسان سمجھ کر نہیں پڑھا، اور فی الواقع اگر چہ مطلب عقدۂ لاینحل ہوتا، اس طرح اس کی تقریر کرتے کہ موجب حیرت اَعالی واَدانی ہوتا، اور

(۱-۲-۳-۴) اس نسب نامہ اور درج بالا تاریخوں کی تحقیق وحوالہ جات کے لیے راقم سطور کا مضمون، مشمولہ سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد۔ جولائی، ستمبر ۱۹۸۷ء/ شوال ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ملاحظہ ہو۔

کبھی اس کے ماقبل سے آغاز کرتے، جب حضرت اس سے متنبہ فرماتے تو آپ اس میں کچھ شبہ کر دیتے اور وہ شبہ ایسا ہوتا کہ حضرت استاذ کو اس کے رفع کرنے میں بہت متوجہ ہونے کی حاجت ہوتی"[۱]

مگر اس شوخی و تیز رفتاری کے باوصف، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی عبارت تحقیق طلب اور کوئی بحث تشنہ و ناتمام رہ گئی ہو—— خداداد صلاحیت اور چچاؤں کی تعلیم و تربیت سے اہم سے اہم ترین موضوعات اور مشکل سے مشکل مباحث پانی ہو گئے تھے۔ زیر درس کتاب کے اوراق کھلنے کی دیر ہوتی تھی، شاہ محمد اسماعیل کو اس کے سمجھنے اور اس کے مفہوم کو مستحضر کرنے میں دیر نہ ہوتی۔ ادھر ہم سبق طلبہ اور استاد کی زبان سے سبق کے الفاظ وکلمات ادا ہوتے، ادھر شاہ اسماعیل کی صلاحیت اس کو لپک لیتی۔ گویا یہ منظر ہوتا تھا کہ:

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں

شاہ محمد اسماعیل کے ذہن کی پرواز اور طبیعت کی جولانی ایسے شباب پر تھی، کہ کبھی کبھی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کی تقریر و تحقیقات سے بھی پورے طور پر مطمئن نہ ہوتے تھے، اس وقت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان مقامات کا کما حقہ حل کرتے تھے، مگر ایسے اتفاقی واقعات کے علاوہ ہمیشہ یہی معمول تھا کہ زیر درس کتاب کی عبارت فرفر پڑھتے جارہے ہیں، کہیں جھجک ہے، نہ کسی عبارت پر بحث و تقریر کی ضرورت۔

مرتبۂ علم وکمال زمانۂ طالب علمی میں | تعلیم کا یہ نرالا طریقہ، اور نوعمر طالب علم (شاہ محمد اسماعیل) کے بڑی بڑی دقیق فنی کتابوں کو، بغیر تقریر و تحقیق کے رواں دواں پڑھنے کی عادت، ممتاز اصحاب درس اور ماہرین تعلیم کو حیرت میں ڈالے ہوئے تھی، لیکن اگر کبھی کسی عالم یا اہل درس نے شاہ محمد اسماعیل کو ان کی اس "حرکت" اور بے التفاتی سے پڑھنے پر ٹوکا، تو اُن کو شاہ صاحب کی صلاحیت و قابلیت کا اندازہ، اور کہنے والے کو اپنے اعتراض اور تنبیہ پر شرمندگی کا احساس ہوا۔ شاہ محمد اسماعیل کا ایسا ہی ایک واقعہ نامور مدرس اور ماہر فنون عقلیہ، مولانا فضل امام خیر آبادی کے ساتھ پیش آیا تھا، اسی ایک واقعہ کا تذکرہ شاہ شہید کے علمی مقام اور رسائی ذہن کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

مولانا خیر آبادی ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر کی خدمت میں آئے، اس وقت شاہ محمد اسماعیل، شاہ صاحب سے

---

(۱) آثار الصنادید۔ سرسیّد احمد، ص: ۵۵۰ (عکس نسخہ نامی کانپور- دہلی: ۱۹۶۵ء)

فلسفہ کی اہم ترین اور انتہائی مشکل کتاب ''افق المبین'' کا سبق پڑھ رہے تھے اور اپنے معمول کے مطابق بغیر کسی بحث وسوال کے پڑھتے، ورق الٹتے جارہے تھے۔ مولانا خیرآبادی جو منطق وفلسفہ کے ممتاز ترین فاضل تھے، جانتے تھے کہ اس کتاب کے ماہر تجربہ کار پڑھانے والے کو بھی، اس کی شرح وتفہیم کے وقت دانتوں پسینہ آجاتا ہے، اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ چودہ پندرہ سال کا نوعمر لڑکا، اس کتاب کو بغیر کسی بحث وتدقیق کے سمجھ لے۔ اسی لیے مولانا کو غالبًا یہ خیال گزرا کہ، شاہ اسماعیل کا کم سے کم اس کتاب کو یوں بغیر سمجھے پڑھنا، صرف وقت ضائع کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے شاہ اسماعیل کو اُس وقت تنبیہ کی اور ٹوکا، جب شاہ عبدالقادر کسی ضرورت سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا، کیا نتیجہ نکلا، تفصیل مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کی زبانی پیش ہے، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (ولادت ۱۲۳۷ھ) نقل کرتے ہیں:

> ''مفتی (صدرالدین آزردہ) صاحب، مولانا محمد اسماعیل کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ شاہ عبدالقادر سے پڑھتے تھے۔ ایک بار مولانا اسماعیل صاحب ''افق المبین''[1] کا سبق پڑھ رہے تھے، اور اس طرز پر کہ دو، دو، چار، چار، ورق پڑھتے جاتے تھے، کہیں خود پوچھ لیتے تھے، کہیں شاہ صاحب بتا دیتے تھے، ورنہ یونہی پڑھتے جاتے تھے۔
>
> اس زمانہ میں مولوی فضل امام خیرآبادی، صدرامین ہوکر دہلی آئے تھے۔ اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہورہا تھا، وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ دیکھ کر متعجب ہورہے تھے۔ اتفاقاً شاہ صاحب اثنائے سبق میں کسی ضرورت سے اٹھے، تو انہوں نے (مولانا فضل امام) کہا: صاحبزادے! کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو، وہ بپاس ادب چپ ہورہے لیکن شاہ (عبدالقادرؒ) صاحب آگئے انہوں نے سن لیا۔ فرمایا: مولوی صاحب! اس لڑکے سے آپ کچھ پوچھئے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو۔ پہلے تو مولانا فضل امام نے گریز کیا لیکن آخرکار انہوں نے ایک مسئلہ افق المبین کا پوچھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب نے نہایت شائستگی سے جواب دیا۔ پھر انہوں نے اس کو

(۱) ''افق المبین'' تالیف امیر باقر داماد۔ فلسفہ یونان کی آخری درجہ کی اور نہایت مشکل اور دقیق ترین کتابوں میں سے ہے۔

ردکیا، پھرانہوں (شاہ اسماعیل) نے اس کا جواب دیا، اس ردوقدح کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مولوی (فضل امام) صاحب مولانا محمد اسماعیل کی پیچیدہ تقریر کا، غور کر کے جواب دینے لگے، اس وقت خاموش ہوئے [1]

اس سے معلوم ہوا کہ ذہانت وفطانت کا ایسا سیل رواں، سرعت ادراک واحساس اور علم وبصیرت کا اس درجہ نرالا اجتماع، اس وقت بھی نادرو کمیاب تھا، جب صاحبزادگان حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کا فیض جاری اور بہت سے دوسرے علماء وفضلا کی مجالس درس وافادہ زندہ وتابندہ تھیں، اس لیے شاہ محمد اسماعیل کے زمانۂ درس وتعلیم میں ہی، ان کی صلاحیت واستعداد اور ذکاوت وبصیرت کے چرچے عام تھے۔ دورطالب علمی اور آغاز نوجوانی میں یہ عالم تھا کہ دلّی کی علمی مجلسیں، اس طالب علم کے تذکروں سے گرم تھیں، شاہ اسماعیل کے غیر معمولی علم وصلاحیت سے متعلق مشہور روایات کا امتحان لینے کے لیے دہلی کے تجربہ کار استاد اور اہل علم وفن حضرات شاہ اسماعیل سے راہ چلتے اور غیر متوقع موقعوں پر ایسے مشکل نہایت علمی سوالات کرتے تھے، جو ایسے دقیق اور بحث طلب ہوتے تھے کہ ان کے جواب کے لیے، سرسیّد احمد کے الفاظ میں ''روزگار دراز فکر کرنا چاہئے'' [2] ان سوالات کے جوابات متبحر علماء بھی تلاش وجستجو کے بعد ہی دے سکتے تھے، مگر مولانا اسماعیل صاحب ان کا جواب فی البدیہہ، اور ایسے معمولی طریقہ پر دے دیتے تھے، کہ سوالات کرنے والے حیران وششدر رہ جاتے تھے اور ان کو اپنے سوال کرنے پر سُبکی محسوس ہوتی تھی۔ [3]

شاہ محمد اسماعیل، معاصر ومخالف رتذکرہ نگاروں اور اکابر خاندان کی نظر میں

تذکرہ نگاروں کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ، شاہ اسماعیل ۱۶-۱۷ سال کی عمر (۱۰-۱۲۰۹ھ) میں سب متداول علوم کی تعلیم سے فارغ ہوگئے تھے۔ اس کے بعد ۲۲-۲۳ سال تک اپنے چچاؤں کی خدمت میں حاضر، اور ہمہ وقت ان کے دریائے فضل وکمال کے جرعہ نوش رہے۔ جس شخص کی نوعمری اور زمانہ تعلیم میں یہ کیفیت ہو کہ وہ، شاہ عبدالقادر کے روبرو مجلس درس میں، مولانا فضل امام خیر

(۱) دہلی اور اس کے اطراف (سفرنامہ) مولانا حکیم عبدالحئی حسنی رائے بریلوی، ص:۱۰۹-۱۱۰ (طبع اوّل، دہلی: ۱۹۵۸ء طبع دوم، دہلی: ۱۹۸۸ء۔

(۲-۳) آثار الصنادید، ص:۵۵۰ (طبع محولہ بالا)

آبادی جیسے ماہر معقولات، تجربہ کار استاد کو خود اپنے علم کے متعلق سوچنے پر مجبور کردے، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کی صحبتوں میں، برسہا برس شبانہ روز حاضری کے بعد اس کے علوِ مرتبت اور روز افزوں کمالات کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

اسی ندرت وامتیاز نے ان کو اپنے سب اہل خاندان، بزرگوں اور معاصرین کی آنکھوں کا تارا اور محبوب بنا دیا تھا، یہاں تک کہ شاہ اسماعیل شہید کے تمام عمر کے بعض ساتھی، اور بے تکلف رفقائے درس بھی، ان کے ایسے ہی مداح وقصیدہ خواں ہیں، جیسے عام افراد کسی بڑے ممتاز مایۂ ناز عالم اور ارباب فقر ومعرفت کے معتقد وحلقہ بگوش ہوتے ہیں—اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ وہ ایسے افراد بھی جو شاہ اسماعیل شہیدؒ کے سخت ناقد ومخالف تھے اور ہمیشہ شاہ صاحب کے نظریات وتعلیمات کی تردید وتنقید میں مشغول رہے، شاہ اسماعیل کے علمی مرتبہ اور فہم وبصیرت کے معترف تھے۔ شاہ محمد اسماعیل کے متعلق ایسے اعترافات کا خاصا وسیع ذخیرہ ہے، مگر اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہیے، جس کی ان صفحات میں گنجائش نہیں۔ تاہم شاہ صاحب کے ہم عصر مخالفین، قریب العہد تذکرہ نگاروں اور خاندان کے اکابرین، خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہید کے متعلق اقوال وکلمات میں سے، ایک ایک، دو دو اقتباسات، بطور نمونہ ''مشتے از خروارے'' یہاں نقل کیے جاتے ہیں اور ان سب کا حاصل یہی ہے کہ:

عالم میں تم سے لاکھ سہی، تم مگر کہاں

مولوی عبدالقادر چیف، رام پوری کا مشاہدہ اور تبصرہ مولوی عبدالقادر چیف رام پوری، جو بڑے ذی علم، جہاں دیدہ وتجربہ کار ناقد ومبصر شخص تھے، بار بار دلّی آئے گئے شاہ عبدالعزیز ان کے بھائیوں اور اس وقت موجود، خاندان ولی اللّٰہی کے سب اصحاب کو دیکھا، برتا۔ خاندان ولی اللّٰہی کے علاوہ دہلی کے اور سب اصحاب علم وہنر سے ملاقاتیں کیں، ان کی علمی حیثیت و مقام کا اندازہ کیا، جس کے تاثرات ان کے روزنامچہ میں مذکور ہیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ وقائع نگار کی نگاہ تیز اور مشاہدہ غضب کا ہے۔ بہر حال عبدالقادر چیف نے شاہ اسماعیل کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''اکنوں یادگار جد واعمام مولوی محمد اسماعیل است، کہ بجودتِ ذہن وقوت توجیہ بے عدیل است۔ خدا نگہبان او باد''[1]

(۱) یہ فارسی اقتباس وقائع عبدالقادر خاں کے خطی نسخہ کے حوالہ سے، مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فہرست مخطوطات اردو، رضا لائبریری رام پوری۔ ص: ۵۷، ج:۱ (رام پور: ۱۹۶۷ء) نیز رجوع فرمائیے: ''علم وعمل''، ترجمہ وقائع عبدالقادر خاں، مترجم معین الدین افضل گڑھی۔ مع حواشی ایوب قادری مرحوم۔ ص: ۲۴۸، ج:۱

اب دادا اور چچاؤں کی یادگار مولوی محمد اسماعیل ہیں، جو ذہن کی تیزی اور توجیہ کی
صلاحیت میں بے نظیر ہیں ـــ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت و نگہبانی فرمائے۔

یہ مشاہدہ اس وقت کا ہے جب شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز، حیات تھے (رمضان المبارک ۱۲۳۰ھ کا) اور اس زمانہ میں شاہ اسماعیل ہی نہیں، بلکہ شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، مولانا شاہ عبدالحیٔ بڑھانوی وغیرہ سب دہلی میں موجود تھے، اور اپنے اپنے حسب صلاحیت، علمی دینی خدمات میں مشغول تھے مگر مولوی عبدالقادر کی باریک بیں ناقدانہ نگاہ نے، شاہ ولی اللہ اور ان کے جملہ صاحبزادگان کا علم و کمال، صرف شاہ اسماعیل کی ذات میں مجتمع پایا۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے!

ایک اور فاضل معاصر کا خراج تحسین | شاہ محمد اسماعیل شروع رجب ۱۲۳۹ھ (اوائل مارچ ۱۸۲۴ء) میں سفر حج سے واپسی کے وقت پھلواری شریف اترے تھے، وہاں مولانا شہید کا وعظ ہوا، اگلے روز بعض علمی دینی مسائل پر، شاہ شہید کی مولانا شاہ ابوالحسن پھلواروی سے، عام مجلس میں گفتگو ہوئی تھی، اس مجلس میں حاضر شاہ ابوالحسن کے کسی رفیق نے، اس گفتگو کی روداد قلم بند کی ہے ـــ یہ مجلس مذاکرہ ۳؍رجب ۱۲۳۹ھ کو خانقاہ پھلواری میں منعقد ہوئی تھی، اس میں تقریباً چالیس علماء اور اہل ذوق شاہ محمد اسماعیل کے ساتھیوں میں سے تھے۔ نیز پھلواری اور خانقاہِ پھلواری میں موجود علماء نیز طلبہ بھی حاضر تھے ـــ یہ گفتگو اس تحریر کے مرتب، محمد جعفر کے بقول نہایت محبت آمیز، پرلطف دلچسپ اور جملہ خوبیوں سے آراستہ تھی۔ فریقین ایک دوسرے کے دلائل و تقریر پر صدائے مرحبا بلند کر رہے تھے، نیز اس روداد کا مرتب شاہ محمد اسماعیل کا شاگرد ہے نہ مرید، نہ تحریک سید احمد شہید سے کسی طرح وابستہ، اور نہ ہی اس مسلک کا پیرو ہے پھر بھی وہ شاہ شہید کا، ان الفاظ میں تعارف کراتا ہے:

> ''امابعد: ایں تذکرہ ایست مملو از فوائد بسیار، و تبصرہ ایست مشحوں از فوائد بے شمار، در بیان مجلس شریف و سخن کلام لطیف، کہ ہنگام مراجعت صاحب الفضائل احسن الشمائل، جمیل الخصائل، عالی الہمت، وافی العزیمت، حاجی بیت اللہ الصمد، سیّد احمد اعلی اللہ ہمتہ......
> از سفر حجاز ایام تشریف آوری خدمت ایشاں، در قصبہ متبرکہ پھلواری، صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات والبواری۔ فاضل مدقق و محقق، علامۂ دوراں، مخزن خلق جمیل، صاحب قدر جلیل، مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی، برادرزادۂ سرآمد فضلاء، المشتہر الفارغ من البیان،

مصروف الہمۃ نحوالشریعۃ، معین اہل السنّت والجماعت، ناصر الملۃ الحقہ، صاحب التحفۃ الاثناعشریہ، ملاعبدالعزیز الدہلوی......[(۱)]

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ تذکرہ ہے بہت سے فوائد سے پر، اور تبصرہ ہے بے شمار فوائد کا حامل، اس مبارک مجلس اور کلام لطیف کی تحریر میں جو بے شمار خصوصیات کے جامع، عمدہ عادات وبہترین اخلاق والے، عالی ہمت، بے پناہ حوصلہ والے، حاجی بیت اللہ الصمد (حضرت) سیّد احمد (شہید رائے بریلوی) اللہ ان کی ہمت کو اور بلند فرمائے، کی سفر حجاز سے واپسی اور قصبہ بابرکت پھلواری شریف میں (خدائے کریم اس کو آفات وتباہی سے محفوظ رکھے) تشریف آوری کے موقع پر، فاضل باریک بیں محقق علامہ زمان، اخلاق عالیہ کے خزانے، عالی مرتبت، مولوی اسماعیل صاحب دہلوی، جو فاضلوں کے سردار، شہرت وتعارف سے بالاتر، اپنی ہمت (عالیہ) شریعت کی خدمت میں مصروف فرمانے والے، سنت جماعت کے مددگار ملت حقہ کی دستگیری فرمانے والے، تحفہ اثناعشریہ کے مصنف ملا (شاہ) عبدالعزیز دہلوی کے بھتیجے ہیں____''

مباحثہ پھلواری شریف کا ذکر ڈاکٹر قیام الدین احمد نے بھی کیا ہے، مگر وہ بعض روایات کی وجہ سے اس واقعہ کو سفر حج سے پہلے کا خیال کرتے ہیں۔(۲)

ہر چند کہ اس تحریر کا مرتب تحریک سیّد احمد شہید کا مؤید اور شاہ محمد اسماعیل کے اکثر نظریات سے متفق نہیں تھا، مگر منصف مزاج، علم وفضل کا رمز آشنا اور اہل کمال کا قدرداں تھا، اس لیے اختلاف نظریات کے باوجود شاہ شہید کا حقیقی تعارف کرانے میں اس کو تامّل نہیں ہوا، اس کے الفاظ بتارہے ہیں کہ شاہ اسماعیل کس مرتبہ کے عالم تھے اور ہر اک طبقۂ خیال کے علماء میں کس قدر معروف ومقبول تھے۔

مفتی صدرالدین آزردہ کی چشم دید شہادت اور رائے اسی سلسلہ کی ایک اور چشم دید گواہی اس دور

(۱) رسالہ روداد مذاکرہ، مرتبہ محمد جعفر، مکتوبہ بقلم ممنون علی بہاری۔۲۰ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ/مخزونہ ذخیرہ مخطوطات شبلی لائبریری۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یہ روداد فارسی میں بڑے سائز کے چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس اقتباس میں جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں، وہ عبارت ضائع ہوگئی ہے۔

(۲) ہندوستان میں وہابی تحریک۔ طبع اول، ص:۶۹-۶۸، اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۶ء۔ مگران کا یہ خیال صحیح نہیں، وضاحت گزر چکی ہے۔

کے علمی کارواں کے قائد وامیر، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کی ہے۔ مفتی صاحب، شاہ محمد اسحاق کی دہلی سے ہجرت (۱۲۵۸ھ) کے بعد نہ صرف دہلی، بلکہ شمالی ہند کے غالباً سب سے ممتاز عالم، ادیب، محقق اور غیر متنازعہ شخص تھے۔ ہر قسم کے علمی، دینی، ادبی، فقہی موضوعات پر، ان کی رائے ہر مکتبۂ فکر کے علماء اور ہر مجلس کمال میں اہم اور لائق اعتنا سمجھی جاتی تھی۔ مفتی صاحب کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے جس میں ان کا کوئی معاصران کا ہمسر نہیں کہ ان کے ابتداء عہد درس وافادہ سے عصر حاضر تک، تمام تذکرہ نگاران کی مدح وثنا، راست گوئی، حقانیت اور پاکیزگی کردار پر یک زبان اور متفق ہیں، کوئی ایک معتبر تذکرہ نگار بھی ان روایات سے اختلاف نہیں کرتا۔

ان ہی مفتی صدرالدین آزردہ سے، شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان کے متعلق دریافت کیا گیا، تو مفتی صاحب نے ان الفاظ میں اپنی رائے اور شہادت تحریر فرمائی:

> تقویۃ الایمان کو نظر اجمالی سے دیکھا ہے، باعتبار اصول اور اصل مقصد کے بہت خوب ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا، یہ لوگ ان میں سے ہیں کہ جن کے حق میں سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:
>
> وَلْتَكُن مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدعُونَ اِلَى الخَيْرِ وَيأمُرُونَ بِالمَعْرُوفِ وَيَنْهَونَ عَنِ المُنْكَرِ وَأولئِكَ هُمُ المُفْلِحُونَ.(۱)
>
> اور یہ فرمایا:
>
> إنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.(۲)
>
> وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الفَضْلِ العَظِيمِ.(۳)

---

(۱)　''اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے مراد کو''۔ (سورۂ آل عمران:۱۰۴۔ ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

(۲)　''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ (سورۂ بقر:۲۱۸۔ ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

(۳)　''اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔ (سورۂ بقرہ:۱۰۵۔ ترجمہ: حضرت شیخ الہند)

پس جوان کو کافر و گمراہ کہے، وہ آپ گمراہ ہے[1]

مولانا محمد حسین بن یحییٰ ترہُٹی مؤلف ''الیانع الجنی'' کی بے لاگ رائے

تیرہویں صدی ہجری کے بلند پایہ ادیب، محدث اور اسانید پر مشہور کتاب ''الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی'' کے مؤلف مولانا محمد محسن بن یحییٰ ترھٹی[2] نے اپنی کتاب میں شاہ اسماعیل کا بہت بلند اور نہایت وقیع الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔ حالانکہ مولانا زید ابوالحسن کا یہ قول بالکل صحیح اور مطابق واقعہ ہے کہ: ''مولانا ترھٹی اسماعیلیہ مکتب فکر سے نہیں ہیں''[3] بلکہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے آخری دور کے ممتاز شاگرد اور مولانا کے زمانۂ ملازمت لکھنؤ و الور میں سفر و حضر کے رفیق تھے، ترہُٹی کا ہر لحاظ سے مولانا خیرآبادی کے اہم ترین تلامذہ میں شمار کیا جاتا ہے، ان کا شاہ محمد اسماعیل سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا نہ تلمذ و ارادت کا نہ افکار و خیالات کا۔ اس کے باوجود ترہٹی شاہ محمد اسماعیل کا ایسا تعارف کراتے ہیں کہ، ترہٹی کی تحریر میں ایسا شاندار تعارف بہت کم کسی کو نصیب ہوا ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب مولانا خیرآبادی کا شاہ محمد اسماعیل اور ان کے نظریات و تحریک سے اختلافات کا چرچا عام تھا، اور مولانا خیرآبادی کے زمانہ قیام لکھنؤ میں ہی مولانا کے ایک شاگرد نے وہ کتاب لکھی تھی، جو ''امتناع النظیر'' کے نام سے مشہور ہے اور مولانا خیرآبادی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے شاہ اسماعیل اور مولانا خیرآبادی کے درمیان اختلاف کا کوئی پہلو مولانا ترہٹی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ ہوگا، اس مبحث کی تحریرات و تالیفات بھی مؤلف الیانع الجنی کی نظر سے گزری ہوں گی اور مولانا خیرآبادی کے ترہٹی پر احسانات

---

(۱) بعض تحریروں میں مفتی صاحب کے اس فتوئ یا رائے کی استنادی حیثیت پر شبہ ظاہر کیا گیا ہے، اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ تحریر پہلی مرتبہ مفتی صدرالدین آزردہ کی زندگی میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد کثرت سے مختلف مآخذ میں درج کی گئی ہے۔ کم سے کم تیرہ، چودہ کتابوں اور رسالوں میں میری نظر سے گزری ہے۔ تاہم میں نے اسی پہلی اشاعت پر اعتماد کیا ہے۔ ضمناً یہ عرض ہے کہ اس رسالہ و تحریر کے مرتب مولانا محمد حسین فقیر بنتی اور اس کے سب سے پہلے منشی ممتاز علی ناشر مفتی صاحب کے واقف احباب میں تھے۔ رسالہ فضائل عالم باعمل مرتبہ مولانا محمد حسین فقیر بنتی دہلوی۔ (مطبوعہ مجتبائی دہلی، باہتمام نصیب علی) رسالہ فضائل عالم باعمل بعد میں بھی کئی مرتبہ چھپا ہے۔

(۲) تمام تذکرہ نگار اور خود شیخ محمد محسن بھی ترھٹی لکھتے ہیں، مگر محمد ایوب قادری کا خیال ہے کہ صحیح نزھتی (ن۔ز۔ہ۔ت۔ی) مگر اول ہی صحیح ہے۔ بہار کا ایک مشہور خطہ 'ترھٹ' کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان، ص:۱۲ (دہلی ۱۴۰۴ھ)

اور خیرآبادی کے احساسات بھی ترہٹی کے ذہن میں تازہ ومحفوظ ہوں گے۔اس کے باوجود مولانا ترُہٹی شاہ محمد اسماعیل کے ثناخواں،اوران کے تعارف وتذکرہ کے حریص ہیں۔مولانا ترُہٹی لکھتے ہیں:

ومنهم: ابن اخيه اسماعيل ابن عبدالغنى،كان من أذكىٰ النَّاس بأيّامه، وكان أشدّهم فى دين اللّٰه وأحفظهم للسنة، يغضبُ لها ويندبُ إليها،ويشنّع على البدع وأهلها.

من مُصنّفاته:كتابُ"الصّراط المستقيم" فى التصوّف، "والإيضاح" فى بيان حقيقة السنّة والبدعة مشهوران، يرغبُ النّاس فيهما،و" مُختصر فى أصول الفقه" و"تنوير العينين" انفرد فيهابمسائل عن جمهورأصحابه، وأتبعه عليهاأناس من المشرق، ومن بنجالة وغيرها،أكثرعدداً من حصى البطحاء.

وله كتابٌ آخر فى التوحيد والإشراك، فيه أمورفى حلاوة التّوحيد والعسل وأخرى فى مرارة الحنظل ،فمن قائل انهادست فيه، وقائل إنه تعمدها، واللّٰه تعالىٰ عالم بالسرّاء، ولكلِّ امرئٍ مانوى.

استشهد فى الغزوة المشهورة حين هجم عليهم العدوّ وكفرة السك وخذلهم من كانوا فى دارهم، ونكثوا بيعة إمامهم حتّى صاروا مع العدوّ، يداً واحدة وأعانوهم على دماء المسلمين، وربما سفكوهاواللّٰه اعلم.(۱)

(۱) اليانع الجنى فى أسانيدالشيخ عبدالغنىؒ ،ص:۱۰۹-۱۱۰(مؤلفہ رجب ۱۲۸۰ھ۔مدینہ منورہ)طبع اول بتصحیح ونگرانی مؤلف۔(صدیقی بریلی ۱۲۸۷ھ)،ص:۷۶،طبع دوم(دیوبند ۱۳۴۹ھ)،طبع دوم کاایک عمدہ عکس مدینہ منورہ سے چھپاہے۔

مولانا ترہٹی نے''اليانع الجنى''میں اپنے استاذ مولانا فضل حق خیرآبادی کا بھی تعارف کرایاہے مگر یہ تعارف بہت مختصر ہےاور صرف درج ذیل کلمات پر مشتمل ہے:

شيخنا العلامة النّحريرالّذى لم ترالعيون مثله،أعنى أبا العلاء فضل الحق العمرى الخيرآبادى.أحذق النظار والأصولين فى زمانه، والشّاعر الأديب العربى المفلق فى أوانه.(ص:۱۰۸)

ان کلمات کا ان الفاظ سے موازنہ کیجئے جواوپرشاہ محمد اسماعیل کی شان میں گزرے ہیں، تومعلوم ہوتاہے کہ مولانا شہیداور مولانا خیرآبادی کے مقام اورعلم ومرتبہ میں کیافرق وامتیازتھا۔اگرچہ دونوں ایک استاد کے شاگرداورایک درس گاہ کے متعلم تھےمگر خدمت دین احیاءِشریعت اورمعاشرت وملازمت کے لحاظ سے ان کا مقام ومذاق اوران کا خاندان ومقام اور——''اليانع الجنى''میں مولانا خیرآبادی کادوموقعوں پراورذکر ہے،مگردونوں جگہ ضمناًصرف نام درج ہے،کوئی کلمۂ تعارف وتحسین درج نہیں۔

اور منجملہ تلامذہ شاہ عبدالعزیز کے، ان کے بھتیجے شاہ اسماعیل بن عبدالغنی ہیں، جو اپنے زمانہ کے ذہین ترین انسانوں میں سے تھے۔ دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے اور سنتوں کے بے حد حفاظت (پابندی اور عمل) کرنے والے تھے۔ اسی کی وجہ سے غصہ کرتے تھے اور اسی کی دعوت دیتے تھے، بدعات اور اہل بدعت کو نہایت بُرا سمجھتے اور کہتے تھے۔ ان کی تالیفات میں سے صراط مستقیم ہے۔ تصوف میں، اور ایضاح (الحق الصریح) سنت اور بدعت کی حقیقت (واضح کرنے) میں بہت مشہور ہیں۔ لوگوں کو ان دونوں کتابوں سے نہایت انسیت اور وابستگی ہے، اور ایک مختصر ہے اصول فقہ میں، اور تنویرالعینین ہے، جس میں شاہ اسماعیل نے اپنے سلسلے کے جمہور علماء سے الگ رائے اختیار کی ہے (مگر) مؤلف کا، ان مسائل میں مشرقی علاقے اور بنگال وغیرہ میں بے شمار لوگوں نے اتباع کیا ہے، اور ان کی پیروی کرنے والوں کی تعداد حد شمار سے کہیں زائد ہے۔

نیز شاہ محمد اسماعیل کی ایک اور کتاب ہے توحید اور شرک کے بیان میں، اس میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن میں توحید نامی (عمدہ) شیریں کھجور [۱] اور شہد کی سی شیرینی ہے، اور کچھ ایسی کہ ان میں اندرائن کی کڑواہٹ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ (مؤخرالذکر) باتیں اس میں (بعد میں) ملائی گئی ہیں، اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ باتیں (مصنف نے جان بوجھ کر) لکھی ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل صاحب ایک مشہور لڑائی میں شہید کردئے گئے تھے، جب ان پر ان کے دشمنوں، کافر سکھوں نے حملہ کیا اور بعض ان لوگوں نے جنہوں نے (شاہ اسماعیل) کے ساتھ بدعہدی کی، ان کو نقصان پہنچایا اور اپنے امام کی بیعت توڑ دی، یہاں تک کہ وہ اپنے اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے، ان کے دست راست بن گئے، اور مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے ان کی مدد کی اور شاید کچھ خود بھی بہایا اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

(۱) ایک نہایت عمدہ شیریں کھجور کا نام توحید ہے، جو مٹھاس میں شہد کی طرح ضرب المثل ہے۔

شاہ اسماعیل شہید کے ایک معروف مخالف مولوی قلندر علی زبیری پانی پتی کی رائے

شاہ محمد اسماعیل کے کمال علم کے وہ اصحاب بھی معترف تھے، جو خود شاہ اسماعیل شہید کے سخت مخالف ان کی تحریرات و نظریات کے شدید ترین ناقد تھے۔ منجملہ ان افراد کے مولوی قلندر علی زبیری پانی پتی بھی تھے، [۱] مولوی زبیری، مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد اور شاہ اسماعیل شہید کی تردید وتغلیط میں، اپنے استاذ کے قدم بہ قدم تھے، لیکن اس کے باوجود وہ شاہ اسماعیل شہید کی علمی صلاحیت کے معترف ہیں، کئی موقعوں پر اس کا اظہار کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

ولاارتاب أنّ المولوی إسماعیل الدّھلوی کان حافظاً عالماً عاملاً کان له' حظّ من العلم و نصیبٌ من الفھم [۲]

اور بلا شک مولوی اسماعیل دہلوی حافظ قرآن و عالم باعمل تھے، ان کو علم سے بہرہ (وافر) اور فہم و سمجھ کا ایک حصہ حاصل تھا۔

ایک موقع پر اپنے استاد مولانا خیر آبادی کی رائے کی صاف تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

وأناأیضاً لاأکفّر ھذاالمولوی العالم الحافظ الحاج، بھذاالخطاء الفکری والخلل النّظری، لایقول ھذا الرّجل بوقوع نظیر نبینا لیلزم علیه مایلزم، بل یقول بالإمکان فقط [۳]

---

(۱) مولوی قلندر علی زبیری کے حالات بہت کم دستیاب ہیں، ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ تھا جس کا بڑا حصہ چند سال پہلے ردی میں بکا ہے۔ اس ذخیرہ کی کچھ کتابیں جس میں مولوی قلندر علی کی بعض تحریرات کا طبعی (جو غالباً مولانا خیر آبادی کی تالیف ہے) میری نظر سے گزرا ہے۔ اس رسالہ نیز مولوی قلندر علی کی بعض تحریروں کے فوٹو اسٹیٹ بعض اصل میرے پاس محفوظ ہیں۔

(۲) ''تنزیل التنذیر فی نظیر البشیر والنذیر''، مولوی قلندر علی زبیری، ص:۱۸۴ (مطبع بید بیاس جموں، باہتمام پنڈت شنکر ناتھ ۱۲۸۲ھ) دونوں عبارتوں کا ترجمہ مولوی زبیری کا ہے۔ البتہ پہلے اقتباس کے ترجمہ میں قوسین میں جو لفظ درج ہے، وہ محرر سطور کا ہے۔

(۳) کتاب مذکور، ص:۱۸۵۔ اس کتاب ''تنزیل التنذیر'' کی وجہ سے چند سال پہلے پہلی مرتبہ یہ کہا گیا ہے کہ: ''مولانا فضل حق خیر آبادی نے بحالت اسیری انڈمان جاتے ہوئے، اپنے شاگرد مولانا قلندر علی زبیری کو خاص طور پر یہ نصیحت کی کہ میں ''تقویۃ الایمان'' کا بالاستیعاب رد نہیں کر سکا۔ اس لیے یہ کام سرانجام دینا'' حرف آغاز برطبع جدید ''باغی ہندوستان'' از جناب عبدالحکیم شرف قادری، ص:۳۸ (لاہور: رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ) ہمیں اس قول کی صداقت اور مولانا خیر آبادی سے منسوب اس وصیت میں شبہ ہے۔ تفصیل آئندہ کسی موقعے پر آئے گی۔

نیز میں مولوی اسماعیل وحافظ وحاجی کی، بسبب اس خطا فکری کے تکفیر نہیں کرتا ہوں،
یہ شخص فقط امکان نظیر خاتم الانبیاء کا قائل ہے، اس کے وقوع کا قائل نہیں کہ اس کی تکفیر
کی جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ، مولانا قلندر علی زبیری صاحب نے ان دونوں عبارتوں میں شاہ شہید کے لیے صرف ''مولوی'' کا لفظ لکھنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ پہلے اقتباس میں ''**کان حافظاً عالماً عاملاً**'' اور دوسرے اقتباس میں ''**العالم الحافظ الحاج**'' الفاظ تحریر فرمائے، اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت شہید کی کس درجہ منزلت اور دینی عظمت تھی۔

مولانا فضل امام خیر آبادی کا اعتراف کمال اور کلمہ حق

مولانا فضل حق خیر آبادی کے دو ممتاز شاگردوں کی رائے کے بعد، مناسب ہے کہ مولانا خیر آبادی کے استاد اور والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی کے وہ الفاظ نقل کر دئے جائیں، جس میں مولانا فضل امام نے شاہ اسماعیل کے فضل وکمال کا عمدہ اعتراف کیا ہے اور مولانا فضل حق کی شاہ اسماعیل سے مخالفت پر صاف تنبیہ اور ناگواری ظاہر کی ہے —— مولانا فضل امام (متوفی ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) کے ایک شاگرد، مولوی محمد ابراہیم لاہوری نقل کرتے ہیں کہ:

> **ذُکریوم کُنتُ فِی حضرت مشفقی واُستادی مولائی سیّدی سندی مولانافضل امام رحمة اللّٰہ علیہ. وکان تذکرة فی بحث الّذی فی مولانا الشّھید، ومولائی فضل حق غفراللّٰہ ذنوبھما،و سترعیوبھما فقال استاذی:لاینبغی لولدی وقرة عینی فضل حق، أن یّبحث مع الّذی، ھو إمام محقق عصرہٖ،ومدقق دھرہ، وھو صادقٌ فی دعواہ.** (۱)
>
> ایک دن کا واقعہ ہے جب میں اپنے مشفق اور استاذ اپنے آقا سردار اور سند، مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر تھا وہاں اس بحث کا تذکرہ ہوا، جو شاہ (محمد اسماعیل) شہید اور مولانا فضل حق (اللہ تعالیٰ ان دونوں کے گناہوں کو معاف کرے، اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے) کے درمیان تھی۔ اس وقت میرے استاد (مولانا فضل امام)

(۱) منجی المو ٔمنین ،مؤلفہ قاضی حسین، ساکن اچرا، ص:۱۴۳۔ (مطبع جلوۂ نور، لاہور: ۱۲۸۳ھ) منجی المومنین۔ (مطبع صدیقی لاہور ۱۳۰۰ھ) میں یہ الفاظ ص: ۱۴۷-۱۴۸ پر درج ہیں، مگر اس میں مولوی ابراہیم کو ساکن بھٹنڈہ انہی کے قلم سے نقل کیا ہے۔

نے فرمایا، میرے بیٹے نور چشم! (فضل حق) کے لئے مناسب نہیں تھا کہ اس شخص کے ساتھ بحث (واختلاف) کرے، جو اپنے زمانہ کے محققین کا امام، اور اپنے عہد کا (ذہین اور) فاضل ترین شخص ہے، اور وہ شخص (شاہ محمد اسماعیل) اپنے دعوے میں سچا ہے۔

شاہ محمد یعقوب، برادر شاہ محمد اسحاق کے تأثرات ومشاہدات مذکورہ اعتراضات ان لوگوں کے تھے، جنہوں نے شاہ محمد اسماعیل سے ملاقاتیں کیں، ان کے متعلق ان کے قریبی لوگوں اور رفقاء سے جانا سنا۔ لیکن وہ حضرات شاہ اسماعیل کی نسبت کیا کہتے تھے، جنہوں نے زمانہ طفولیت، تعلیم واصلاح وتربیت تک شاہ شہید کو دیکھا، ان کے شب وروز کی مصروفیات کا مشاہدہ کیا، ان کے ظاہر وباطن کو پرکھا۔ شاہ شہید کی زندگی کے تمام نشیب وفراز ان کی نگاہ میں رہے۔ ایسے قریبی اور باخبر اشخاص کی رائے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ معتبر اور لائق اعتماد ہوتی ہے۔ شاہ شہید کے معاملہ میں ایسے قریبی افراد، اور ہمہ وقت ان کے قول وعمل پر نظر رکھنے والے اصحاب، کی رائے صاف بتارہی ہے کہ شاہ اسماعیل کی زندگی میں قول وعمل کی یکسانیت، نیز دعوت دین کی جدوجہد اور اپنے ذاتی کردار میں، ہمیشہ پوری پوری ہم آہنگی رہی۔ کبھی کبھی عمل قول سے بڑھ تو گیا ہے، لیکن شاید ایسا کبھی نہیں ہوا کہ، شاہ شہید کے عمل کو قول سے شرمندہ ہونا پڑا ہو۔

شاہ محمد اسماعیل نے اپنے لئے اس کٹھن اور دشوار گزار راستہ کا سفر طے کیا تھا، جس پر چلنا اور ثابت قدم رہنا ہر ایک کا نصیب نہیں۔ شاہ شہید نے آسائشوں اور عزت ومنصب کے دنیاوی تمام طور وطریقوں کو ترک کر کے، احیائے دین متین کی پرعزم جدوجہد شروع فرمائی تھی۔ وہ اس کوشش میں کس قدر مخلص تھے اور اس راہ میں خود کو قربان کرنے کے لئے کس درجہ تیار رہتے تھے، اس کا اندازہ ان کے معاصرین ورفقاء کے لیے بھی آسان نہیں تھا۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کا پیام پہنچانے کے لئے، شاہ شہید ایسے جرأت مندانہ اقدام بے خوف وخطر کر گزرتے تھے، کہ جس کا ارادہ کرتے ہوئے اچھے اچھے حوصلہ مند افراد کا پتہ پانی ہوتا تھا، اور ایسی ایسی جگہوں پر بے تکلف چلے جاتے اور حکم الٰہی کی منادی کر آتے تھے، جہاں قدم رکھنا سوالزامات کو دعوت دینا اور مورد طعن بننا تھا، ایسے ہی ایک موقع پر، جب شاہ شہید تبلیغ دین کی ایک مہم پر تشریف لے گئے تھے، شاہ محمد یعقوب حفاظت کے خیال سے شاہ شہید کے پیچھے پیچھے خاموشی سے چلے، شاہ شہید کہاں گئے تھے اس پر شاہ یعقوب نے کیا کہا، اور شاہ محمد اسماعیل نے کیا جواب دیا، یہ سب باتیں خود شاہ یعقوب نے نقل فرمائی ہیں۔ حاجی منیر خاں خانپوری نقل کرتے ہیں کہ شاہ محمد یقوب فرماتے تھے کہ:

''مولوی اسماعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ، اس خاندان (خاندان شاہ ولی اللہ) میں کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے وعظوں کی وجہ سے دلی کے شہدے اور بدمعاش یہاں تک دشمن ہوگئے تھے کہ، ان کے قتل کی فکر میں تھے۔ اس لئے ہم لوگ (شاہ محمد یعقوب وغیرہ اہل خاندان) ان کی حفاظت کیا کرتے تھے۔''

شاہ محمد یعقوب کا یہ ارشاد کہ! ''شاہ اسماعیل جیسا عالی ہمت اس خاندان میں پیدا نہیں ہوا'' محض عقیدت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ یہ شاہ محمد یعقوب کا تمام عمر کا مشاہدہ اور ایک بصیرت افروز تجربہ پر مبنی تھا۔ اس تجربے نے شاہ محمد یعقوب کو یہاں تک متاثر کیا کہ شاہ محمد یعقوب کو خود شاہ صاحب کے الفاظ میں ''تمام عمر شاہ محمد اسماعیل سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔''

قصہ کیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے شاہ محمد یعقوب کو غیر معمولی شرمندگی کا احساس ہوا۔ تفصیل خود شاہ محمد یعقوب کے الفاظ میں قلم بند ہے، فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ وہ (شاہ محمد اسماعیل) عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازے میں کو چل دیے، جو قلعہ کی جانب ہے۔ میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ میں اس وقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا، اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا میں ایک خاص ضرورت سے جا رہا ہوں تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ۔ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چل دیے۔ میں بھی ذرا فاصلہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا، اس کا نام موتی تھا، مولانا اس (کے) مکان پر پہنچے اور آواز دی۔ تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا میں فقیر ہوں۔ وہ لونڈی یہ سن کر چلی گئی اور جا کر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ رنڈی نے کچھ پیسے دئے اور کہا کہ جا کر دیدے—— وہ لڑکی پیسے لے کر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا میں ایک صدا کہا کرتا ہوں، بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں۔ تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے—— اس نے جا کر کہہ دیا۔ رنڈی نے کہا اچھا بلا لے۔ وہ بلا کر لے گئی۔ مولانا جا کر صحن میں رومال بچھا کر

بیٹھ گئے اور آپ نے سورۂ والتین، [ثُمَّ رَدَدْنَاه أَسْفَلَ سَافِلِينَ] تک
تلاوت فرمائی، میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جا کر مولانا کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ مولانا نے اس
قدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی، کہ گویا جنت دوزخ کا مشاہدہ کرادیا۔ اس رنڈی کے یہاں
بہت سی اور رنڈیاں بھی تھیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے۔ ان پر اس (تقریر)
کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا، اور انہوں نے ڈھولک
ستار وغیرہ توڑنے شروع کر دیے، اور ''موتی'' اور اس کے علاوہ اور کئی رنڈیاں تائب
ہوگئیں۔ اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحب اٹھ کر چل دیے میں بھی پیچھے چل دیا۔''

یہ پورا واقعہ اگر چہ شاہ محمد یعقوب کے روبرو گزرا تھا، مگر شاہ یعقوب نے جو صرف حفاظت کے خیال سے شاہ محمد اسماعیل کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، خود کو ظاہر نہیں کیا اور نہ اس درمیان کچھ کہا، مگر جب واپسی کے وقت شاہ محمد اسماعیل جامع مسجد پہنچے تو مولانا محمد یعقوب سامنے آئے اور شاہ شہید سے کہا:

''میاں اسماعیل! تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے، اور تم ایسے خاندان کے
ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں، مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کرلیا ہے، اتنی ذلت
ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف
دیکھا اور کھڑے ہوگئے اور مجھ سے فرمایا، کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا؟''

اس کے بعد شاہ محمد اسماعیل نے جو کچھ ارشاد کیا، وہ شاہ محمد یعقوب کے اس سوال کا جواب تو ہے ہی، خادمانِ دین وشریعت کے لیے ایک مہمیز ایک اصول اور عملی زندگی کے لیے نشان راہ بھی ہے، کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خود کو فنا اور قربان کر دینے والے کون ہوتے ہیں، کیسے ہوتے ہیں، اور ان کے کیا نظریات، کیا اصول ہونے چاہئیں، اور وہ ذاتی عزت وذلت کے جذبات سے کتنا بلند، اور حقیر سے حقیر شخص اور غلیظ سے غلیظ جگہ پر کلمہ حق اور دین کا پیام پہنچانے کے کس قدر حریص اور آرزومند ہوتے ہیں —— شاہ شہید کے ان کلمات میں مضمر مذکورہ پیام کے ساتھ، وہ بصیرت افروز جواب ملاحظہ ہو۔ شاہ محمد اسماعیل نے فرمایا:

(مولانا!) آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں! یہ تو کچھ بھی نہیں، میں تو اس روز سمجھوں
گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے، جس روز دلی کے شُہدے میرا منھ کالا کر کے اور گدھے
پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں نکالیں گے، اور میں کہتا ہوں گا: قال الله كذا

وقال الرّسول ﷺ كذا۔

مولانا محمد یعقوب کہتے ہیں کہ:

"یہ سن کر میری یہ حالت ہوئی کہ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا، اور زبان بند ہو گئی، اور اس کے بعد کبھی مجھے ان (شاہ محمد اسماعیل) سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی"(۱)

ایمان وعزیمت سے بھرپور ایسا جواب، اور خطرناک مقامات پر بے خوف وخطر پہنچ کر، احکام شریعت کی تعلیم وتلقین، شاہ محمد اسماعیل کی زندگی کا پہلا واقعہ اور نادر معمول نہیں تھا، بلکہ اس قسم کے واقعات ان کی مجاہدانہ زندگی کا ایک حصہ، اور احیاء اسلام کی جدوجہد کا متواتر عمل تھے، جو روزمرہ پیش آتے تھے—— شاہ شہید اس واقعہ میں پیش آئے حالات سے، نازک تر موقعوں پر بھی اسی قدر سرگرم ومتحرک رہے، جس قدر اس وقت جب شاہ محمد یعقوب ان کے پیچھے گئے تھے۔ وہ کوششیں اور واقعات سیکڑوں، ہزاروں لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت وفلاح ہوئے اور اس واقعہ نے شاہ محمد یعقوب کے لیے نصیحت وبصیرت کے دفتر کھول دیے اور یہ کہنے پر مجبور کیا کہ:

"شاہ محمد اسماعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا"

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے گراں مایہ ارشادات | شاہ محمد یعقوب، نیز خاندان ولی اللّٰہی میں شاہ محمد اسماعیل کے معاصر، ہم عصر وہم عہد اصحاب کی متفقہ رائے، اور قدیم وجدید تمام مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی جملہ تحریرات سے، کہیں زیادہ وقیع، وہ گرانمایہ ارشادات وکلمات ہیں، جو سرخیل کاروان ولی اللّٰہی، حضرت شاہ عبدالعزیز نے شاہ محمد اسماعیل کے متعلق ارشاد فرمائے تھے۔

شاہ عبدالعزیز کے علوشان اور مقام ومرتبہ سے معمولی واقف اشخاص بھی، اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں، کہ شاہ صاحب کے قلم فیض رقم سے تحریر ایک کلمۂ توثیق وتحسین، ہزار کلمات اعتراف سے زیادہ قیمتی، اور اس عہد سے عصر حاضر تک یکساں قابل توقیر، وہ عالی اور بلندترین شہادت ہے، جس سے بہتر

(۱) یہ اور درج بالا اقتباسات ایک ہی روایت کے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ارواح ثلاثہ، ص: ۱۶۹-۱۷۰ (طبع تھانہ بھون بلا سنہ) اشاعت جدید۔ یہ واقعہ شاہ محمد یعقوب کے حوالہ سے کچھ اضافات وجزوی تفصیلات کے ساتھ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی، ص: ۱۴۵ (صوفی کمپنی، پنڈی بہاؤالدین۔ طبع دوم بلا سنہ)

اعتراف کمال کی سند، نہ اس دور میں موجود وممکن تھی، نہ اس کے بعد آج تک کسی اور شہادت وسند کو یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔

شاہ محمد اسماعیل کے متعلق، شاہ عبدالعزیز سے زبانی، اور تحریری کمال علم وصلاحیت اور کمال اعتماد، دونوں طرح کی متعدد روایتیں اور شہادتیں موجود ومنقول ہیں۔ ذیل میں صرف ایک ملفوظ اور ایک تحریر کا اقتباس درج کیا جاتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ، آپ کی ذات بابرکات کو، حق تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون میں کامل اور وحید زماں فرمایا ہے، لیکن آپ کے شاگردوں میں ایسا کوئی نہیں ہے، جو آپ کی طرح علوم وفنون کا جامع اور ہر ہر موضوع پر فرد فرید ہو—— حضرت شاہ صاحب نے یہ تبصرہ وتذکرہ سن کر ارشاد فرمایا، کہ میرا علم وکمال موضوعات کی ترتیب سے مختلف شاگردوں میں تقسیم ہو گیا ہے، کسی کو حدیث کے فن اور متعلقات میں کمال نصیب ہوا، کوئی تفسیر کا ماہر ہے، کوئی ادب میں کامل ہے، کسی کو اور علوم سے بہرۂ وافر ملا ہے، کوئی کسی فن میں کامل ہے، کوئی کسی اور مبحث پر فخر اقران وامثال ہے، اور ان مضامین کے حوالہ سے، اپنے منتخب بعض شاگردوں کے نام ذکر فرمائے کہ مولوی عبدالحیٔ علم تفسیر میں، مولوی رشید الدین دہلوی ادب اور تحریر وانشاء مضامین میں، مرزا حسن علی محدث حدیث ورجال میں میرے قائم مقام ہیں، شاہ محمد اسحاق فقہ میں میری نمائندگی کرتے ہیں۔ اگر یہ تمام علماء ایک جگہ موجود ہوں تو گویا میں موجود ہوں۔

کسی حاضر باش نے عرض کیا کہ آپ نے شاہ محمد اسماعیل کے متعلق کچھ نہیں فرمایا؟ ارشاد ہوا کہ:

> ''اورا در ہیچ وکدامی علم خاص نمی کنم، کسے کہ علم عالم شباب من دیدہ باشد، البتہ داند کہ در ہر علم نمونہ آں مولوی اسماعیل اند[1]''
>
> ان کو میں کسی ایک علم میں مہارت کے لیے خاص نہیں کرتا، بلکہ جس شخص نے میری جوانی اور عالم شباب کے علم کا مشاہدہ کیا ہے، وہ یقیناً جانتا ہے کہ مولوی محمد اسماعیل، میرے اُس وقت کے تمام علوم میں مہارت وکمال کا نمونہ ہیں۔

(۱) ''منظورۃُالسّعداء فی أحوال الغزاۃ والشّھداء'' مولوی سید محمد جعفر نقوی بستوی نسخہ خطی، ص:۶۲ جلد اول (مخزونہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نقل نسخہ ٹونک)

اس مجلس اور مذاکرہ کی تفصیل ''ملا رمضانی'' (حضرت شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ سے ملحق مسجد کے مؤذن) یوں بیان کرتے ہیں:

''روزے مردم چند پیش حضرت مولانا ممدوح عرض نمودند، کہ: حق سبحانہ، آنچہ علم وفضل بآنجناب عطا نمودہ، حیرت است کہ ہیچ کدام از تلامذہ آنجناب کسے بایں مرتبہ نرسید۔''

ایک دن چند افراد نے حضرت (شاہ عبدالعزیز) کی خدمت میں عرض کیا، کہ حق تعالیٰ نے جناب والا کو جو علم وفضل عطا فرمایا ہے، تعجب ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کوئی اس مرتبہ کو نہیں پہنچا۔

''در جواب شاہ فرمودند کہ: ایں چنیں نیست، الحمدللہ کہ از شاگردان، من ہر یکے بہ یک یک فضائل من رسیدہ است، مولوی عبدالحیٔ در علم تفسیر نمونۂ من، مولوی رشیدالدین خاں در تحریر جواب سائلاں وعلم کلام یادگار علم من اند، ومرزا حسن علی در علم حدیث ویادداشت اسمائے رجال نشان علم من، ومولوی محمد اسحاق در علم فقہ بامن ہمراز۔ الحمدللہ اگر ہمہ ایں کساں یک جاں شوند گویا من موجودام''[1]

جواب میں ارشاد ہوا یہ بات نہیں ہے، بلکہ الحمدللہ! میرے شاگردوں میں سے ہر ایک میرے ایک ایک کمال کا نمونہ ہے، مولوی عبدالحیٔ علم تفسیر میں میری مثال ہیں، مولوی رشیدالدین سوالات کے جوابات لکھنے اور علم کلام میں میری یاد تازہ کرتے ہیں، مرزا حسن علی علم حدیث میں میرے قدم بقدم ہیں، اللہ کے فضل وکرم سے اگر یہ سب افراد ایک جگہ جمع ہوں تو (اس محفل میں) گویا میں خود موجود ہوں۔

اس کے بعد کسی نے گزارش کی کہ:

''در حق مولوی محمد اسماعیل ہیچ ارشاد نہ شد''[2]

''آپ نے مولوی محمد اسماعیل کے متعلق کچھ ارشاد نہیں فرمایا''

اس کے جواب میں وہ کلمات فرمائے جو اوپر گزرے کہ، مولوی محمد اسماعیل ہر علم وفن میں میری جوانی کے تازہ علم کا نمونہ ہیں۔

(۱) منظورة السّعداء فی أحوال الغزاة والشّهداء. مولوی سید محمد جعفر نقوی بستوی۔ نسخہ خطی، ص:۶۲ جلد اول (مخزونہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، نقل نسخۂ ٹونک)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک اور ارشاد گرامی | حضرت شاہ عبدالعزیز کا جو ارشاد اوپر نقل ہوا، ہے وہ کسی وقتی تاثر پر مبنی نہیں تھا، بلکہ شاہ صاحب کا بہت جانچا پرکھا فیصلہ، غیر متزلزل رائے اور قول محکم تھا۔ جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید قوت و استقامت پیدا ہوتی گئی، اور شاہ عبدالعزیز بلا تردد ارشاد و تحریر فرمانے لگے کہ:

''ایشاں در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و منطق و غیرہ از فقیر کمتر نیستند''

اگر میرا فرمایا ہوا مستند اور امت کے عوام و خواص کے لیے، ہر پہلو سے معتبر اور لائق اعتماد ہے، تو ان دونوں (شاہ محمد اسماعیل و شاہ عبدالحیٔ) کی تقریر و تحریر بھی، اسی قدر مستند اور دین و شریعت کی کسوٹی پر کسی ہوئی ہے، اور اس میں کسی طرح کی کوئی ملاوٹ اور کھوٹ نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی اس تحریر کے ذریعہ سے، شاہ محمد اسماعیل اور شاہ عبدالحیٔ کی ایسی پرزور تحسین و توثیق فرمائی ہے، اور ان کے علوم و تفقہ کو اس درجہ اعتماد و اعتبار بخشا ہے کہ کسی بڑے کی زبان یا قلم سے، اپنے خورد یا شاگرد کے لیے اس سے بہتر الفاظ معدوم نہیں تو کمیاب ضرور ہیں —— اس تحریر کا ایک ایک لفظ ''تحریک سیّد احمد شہید'' اور تعلیمات و مؤلفات شاہ محمد اسماعیل پر، شاہ عبدالعزیز کے انشراح کی علامت، اور اس مبحث پر ان کے موقف و خیالات کا آئینہ ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی یہ تحریر اس وقت لکھی گئی تھی، جب ''تحریک سیّد احمد شہید'' کا پیام اور تعلیمات و نظریات شاہ اسماعیل کی خوشبو، پورے ملک کو معطر کیے ہوئے تھی اور ملک کے اس کونہ سے اس کونہ تک ان کا چرچا و تذکرہ عام تھا —— اگر اس تحریک کا کوئی پہلو، اور شاہ اسماعیل کی دعوت توحید و اتباع سنت کا کوئی عنوان، شاہ عبدالعزیز کی نظر میں غیر مفید یا ناپسندیدہ ہوتا، تو وہ یقیناً بلا تامل اس کا اظہار کرتے، اور ان حضرات کو ایسا گرانمایہ پروانہ خوشنودی ہرگز عطا نہ فرماتے، جو ان حضرات کی ایک ایک تحریر اور قول و عمل پر، شاہ عبدالعزیز کے غیر معمولی اعتماد کا ترجمان ہے۔

شاہ عبدالعزیز اپنی اس تحریر میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ، حق تعالیٰ نے ان دونوں کو جو کمالات اور مراتب عالیہ عطا فرمائے ہیں، وہ ہر اک کا نصیب نہیں، مجھ سے اس کا شایان شان شکر بھی ادا نہیں ہوسکتا، اور اس سے بھی بڑھ کر ایک بڑی، بہت بڑی بات یہ رقم فرما دی ہے کہ: ان دونوں کے لیے دعا کرنا نجات اخروی کا سبب ہے۔ یعنی وہ دونوں اللہ کے ایسے مقبول و برگزیدہ بندے ہیں کہ، ان کے لیے دعا خود حضور الٰہ میں پسند ہے اور اس دعا

کی وجہ سے (امید ہے کہ) خود دعا کرنے والے اشخاص کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمایا جائے گا۔ فَجَزاہ اللّٰہ عَنّاوعن الإسلام والمسلمین،أحسن الجزاء،وخیرالجزاء،ورحمہ اللّٰہ رحمۃ الأبرارالصّالحین ...... و یرحمُ اللّٰہ عبداً قال آمینا.

حضرت شاہ عبدالعزیز کے اس مکتوب والاشان، یا فرمان واجب الاذعان کی تحریر کی تقریب یہ ہوئی تھی کہ، لکھنؤ اوراس کے اطراف کے چند علماء نے، دریا کے سفر کے راستوں کی مشکلات اورزندہ وسلامت واپس نہ آنے کے موہوم اندیشے کی وجہ سے، ہندوستانی مسلمانوں پر فریضۂ حج کے ساقط وکالعدم ہونے کی مہم چلارکھی تھی۔ان تحریرات کی وجہ سے بہت سے مسلمان جن پر حج فرض تھا، اوروہ اس مقدس فریضہ کوسرانجام دینا بھی چاہتے تھے، حج کی سعادت وبرکات سے محروم چلے آرہے تھے— ''تحریک سیّداحمد شہید'' کے علماء کواس کی خبر ہوئی توانہوں نے اس غلط خیال کی برملا تردید کی، اہل استطاعت پر حج فرض ہونے اوراس کی بلاتاخیر ادائیگی کی ضرورت واہمیت پر مفصل فتوے لکھے، اوردلائل سے اس کی حقیقت کوواضح فرمایا۔حضرت شاہ عبدالعزیز کے ایک متوسل نے دونوں قسم کی تحریریں، مسئلہ کی صحیح تحقیق اورمحاکمہ کے لیے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں ارسال کیں۔شاہ صاحب نے شاہ محمد اسماعیل اورمولانا عبدالحیٔ کے لکھے ہوئے جوابات کی پرزورتائیدفرمائی، اورلکھ دیا کہ یہی جوابات دین کی ترازو پر پورے اترتے ہیں، شریعت اوراصول فقہ کے مطابق ہیں— دوسرے لوگوں کی تحریریں جس میں حج کی فرضیت ساقط ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے لکھنے والوں کا کیا حال ہے، تحریرفرماتے ہیں کہ، یہ اہل فتویٰ:

بجز دو چہار فتاوائے معروفہ کہ سند آنہا پیش واقفان ایں فن ظاہر وباہر، نہ دیدہ اند، غرض کہ از ادراک کتب دینیہ معتبرہ، کہ مدار دین متین برآں، بہرۂ وافی نمی دارند۔ واز تحصیل علم فقہ واصول ذخیرۂ وافی نیندختہ اند، ومحض صرف اوقات در تحصیل منطق نمودہ اند، و درستی آنہم بمواجہ ناقدانِ فنِ مذکور محال ومشکل است۔

''دریں صورت سندآں اقوال قبیحہ، شان ساقط از پائے اعتبار تصورتواں کرد، وبراحکام آنہا عمل نمودن سراسر ضلالت وبطالت پیمودن است۔ ازیں عقائد شنیعہ حق سبحانہ تعالیٰ جمیع مؤمنین راماموں ومحفوظ دارد، وتوفیق طاعت خود روزی کُند''

پہلے جواب کے مضامین سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ، ان صاحبان نے دوچار معروف عام مروج مجموعۂ کتب فتاویٰ کے علاوہ، جس کی علمی حیثیت اس فن کے واقفین پر آشکارا ہے (یعنی بہت کمزور ہے) کچھ نہیں دیکھا (پڑھا) ہے۔ یہ لوگ دین کی معتبر کتابوں پر، جن پر دین کا مدار ہے، مہارت ودسترس نہیں رکھتے۔ انہوں نے علم فقہ اور اصول (شریعت) کی تعلیم اور واقفیت کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ہے، اور اپنا وقت صرف منطق پڑھنے میں خرچ کیا ہے، اور اس کی درستی بھی ماہرین فن کے روبرو، مشکل اور اعتراضات کا سبب ہے۔

اس صورت میں ان کے کمزور اور بے حقیقت (گھٹیا) اقوال کو پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھنا چاہئے، نیز ان کے لکھے (اور بتائے) ہوئے پر عمل کرنا سراسر گمراہی اور باطل کے راستہ پر چلنا ہے۔ ان برے عقائد سے حق سبحانہ وتعالیٰ سب مسلمانوں کو محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے، اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) منشی خیرالدین، حضرت شاہ عبدالعزیز کے خاص متوسلین اور مکتوب الیہ اصحاب میں سے تھے۔ ان کا خاندان منشی امین الدین سے تعلق تھا۔ منشی امین الدین بنگال کے خاندان شیوخ کے چشم وچراغ نہایت ذہین اور زیرک اور اقبال مند نوجوان تھے۔ سیّد صاحب کی تشریف بری سے کلکتہ سے دس بارہ سال پہلے سے کلکتہ میں کمپنی کے وکیل تھے۔ کمپنی کی پوری عمل داری (خلیج بنگال سے دریائے ستلج تک) کے سرکاری مقدمات میں وہی پیروکار تھے۔ مزید معلومات کے لیے سیرت سیّد احمد شہید، ص:۳۱۲۔ ج:۱ (لکھنؤ: ۱۳۹۶ھ)
اگرچہ کوئی شہادت میسر نہیں آئی مگر قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ، یہ منشی نعیم الدین کے حقیقی اور منشی امین الدین کے رشتے کے بھائی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے ایک گرامی نامہ سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے، کہ منشی امین الدین لاولد تھے، اس لیے انہوں نے منشی نعیم الدین کو اپنا وارث اور جانشین مقرر کردیا تھا۔

(۲) نقل مجموعہ تحریرات ومکتوبات وفتاویٰ خانوادۂ ولی اللٰہی، مرتبہ خلیل اللہ کریم اللہ ڈار، کشمیری (ابتدا تالیف ۱۲۴۰ھ) میں شامل ہے۔ ص:۴۷،۴۶، ۴۷۵ (فوٹو اسٹیٹ مملوکہ راقم سطور) پتہ کی عبارت میں، حافظ عزیز الدین مرادآبادی نے مزید یہ الفاظ بھی لکھے ہیں: منشی نعیم الدین صاحب برادر منشی خیرالدین صاحب (اکمل البیان ص:۸۸۲) مگر زیر نظر خطی نسخہ میں، یہ الفاظ موجود نہیں، ممکن ہے یہاں سہو کاتب ہو، اور صحیح وہی ہو جو حافظ عزیز الدین صاحب نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

یہ تمام اقتباسات شاہ عبدالعزیز کے ایک گرامی نامے سے ماخوذ ہیں۔ یہ والا نامہ دہلی سے روانہ ہوا تھا، اور اس وقت کے معمول کے مطابق اس کے لفافہ پر اس کا پتہ اس طرح لکھا گیا ہے:

''انشاءاللہ تعالیٰ! لفافہ ہذا در بلدہ لکھنؤ در سرائے عالی خاں رسیدہ، بمطالعہ سامی منشی خیر الدین(۱) صاحب، مجمع محاسن ومناقب، سلمہ اللہ تعالیٰ درآید''(۲)

سفر حج پر روانگی کے وقت حضرت سیّد صاحب کلکتہ میں منشی امین الدین کی خریدی ہوئی کوٹھی اور باغ میں اترے تھے۔ وہیں قیام فرمایا تھا، ان کی سیّد صاحب سے سفر حج سے پہلے سے خط وکتابت تھی۔

منشی امین الدین نعیم الدین اور خیر الدین، تینوں کی، حضرت شاہ عبدالعزیز سے قریبی روابط اور مراسلت رہتی تھی۔ تینوں کا معمول تھا کہ ہر اہم معاملہ میں شاہ صاحب سے رجوع کرتے تھے، اور جواب پاتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے نام تینوں کے مراسلات وجوابات (مجموعہ مرتبہ کریم اللہ بن خلیل ڈار میں) محفوظ ہیں۔ منشی نعیم الدین جو پہلے سے شاہ عبدالعزیز سے بیعت تھے، کلکتہ میں سیّد احمد شہیدؒ سے بھی بیعت ہوگئے۔ بعد میں شاہ صاحب کو اس کی اطلاع دی تو شاہ صاحب نے تحریر فرمایا کہ:

''وآں صاحب کہ با سید احمد صاحب بیعت نمودہ اند وتوجہ گرفتہ اند، اصلاً محل تردد نیست کہ سید صاحب نزد فقیر ہم صاحب ایں منصب واقف ایں مشرب اند، وبارہا با فقیر نشست وبرخواست کردہ اند، وبیعت ہم نمودہ اند۔ بیعت ایشاں گویا تکرار بیعت بافقیر است''(۱)	اور آں مکرم نے کہ سید احمد صاحب سے بیعت کی ہے اور توجہ لی ہے اس میں فکر وپریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، کیوں کہ سید صاحب میری رائے میں اس منصب کے لائق اور اس طریقہ سے واقف ہیں اور انہوں نے بہت مرتبہ میرے پاس اٹھے بیٹھے ہیں اور مجھ سے بیعت تک بھی کی ہے، ان سے بیعت ہونا، مجھ سے ہی گویا دوبارہ بیعت ہونے جیسا ہے۔

چونکہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز کے دینی فقہی آثار، ''تحریک سید احمد شہید'' اور شاہ محمد اسماعیل کی تعلیمات وتالیفات کے ضمن میں، اس خط کی خاص اہمیت ہے، اس لئے یہ مکتوب گرامی اپنے زمانۂ تحریر سے عصر حاضر تک مختلف مآخذ میں متواتر درج ہوا ہے۔ کہیں مکمل کہیں نا تمام، مگر ذیل کے لئے نقل کیا جارہا ہے، کہ اس خط کا مکمل ترین متن ہے، جس کی صحت وترتیب اور بعض جزوی ترمیمات واضافات کے لئے، اس مکتوب کی قدیم ترین دستیاب خطی نقل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ خط یہ ہے:(۲)

(۱) مجموعہ مذکور، ص:۴۹۰ (۲) ایضاً

منشی صاحب عالی مراتب مجمع محاسن ومناقب
سلمہ اللہ تعالیٰ

ازفقیر عبدالعزیز بعد ابلاغ سلام مسنون ودعوات خیر مقرون، مکشوف خاطر دوستی ذخائر باد، رقیمہ کریمہ ایشاں دو دو قطعہ استفتا، درمقدمہ استفسار فرضیت حج بر باشندگان ہندوستاں، واختلاف نمودن بعض کساں کہ اوشاں بر عدم فرضیت حج بر ہندوستانیاں قائل اند، مضمون سوالات واحد وجوابات جداگانہ۔

یکے دستخطی دانایان غریب، ساکنان نواحے وجوار خطہ شریف، دوئمی مہری شیخ الاسلام مولوی عبدالحئی صاحب، بہ تصحیح حجۃ الاسلام مولوی محمد اسماعیل صاحب زادھما اللّٰہ علماً و فضلاً و کمالا. وصول فرصت شمول نمودہ، وبر مضامین مندرجہ آنہا اطلاع گردید۔

محاسن ومناقب کے جامع، عالی مرتبہ منشی صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

فقیر عبدالعزیز کی جانب سے سلام مسنون پہنچے۔ دعائے خیر کے بعد، محبت ومراسم کے جذبات سے پر، آپ کی طبیعت پر واضح ہو کہ آپ کا نامہ کرامت نشاں، دو عدد فتووں کے ساتھ پہنچا، جس میں ہندوستان کے رہنے والوں پر حج کے فرض ہونے، اور اس حکم سے بعض اشخاص کے اختلاف کا ذکر ہے، جو ہندوستانیوں پر، حج فرض نہ ہونے کے قائل اور معترف ہیں۔ دونوں سوالات کا مضمون ایک ہے، لیکن جوابات الگ الگ (نقطۂ نظر کے) ترجمان ہیں۔

ایک جواب پر کسی گمنام عالم کے دستخط ہیں جو خطہ شریف کے قرب وجوار کے رہنے والے ہیں۔ دوسرے (جواب) پر مہر شیخ الاسلام مولانا عبدالحئی صاحب کی ہے۔ اور اس (جواب) کی تصحیح وتائید، حجۃ الاسلام مولانا محمد اسماعیل نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے علم وفضل وکمال میں اضافہ فرمائے۔ یہ دونوں جوابات، فرحت بخش گرامی نامے کے ساتھ ملے اور ان کے مضامین پر اطلاع ہوئی۔

ومضمون جواب ثانی نوشتہ، تاج المفسرین فخر المحدثین، سرآمد علمائے محققین، مولویین موصوفین، مطابق وموافق احادیث قویہ، وکتب اصول معتبرہ فقہ است، چنانچہ مقابل وٖمہر ودستخط شاں، تصحیحا مہر خود نیز ثبت کردہ شد، ملاحظہ باید فرمود تا کہ اطمینان کلی خواہد گردید۔

اور دوسرا جواب جو تاج المفسرین اور فخر المحدثین اور علمائے عہد میں ممتاز و سربلند محققین موصوفین (شاہ عبدالحئی وشاہ محمد اسماعیل) کا لکھا ہوا ہے، صحیح وقوی احادیث اصول اور فقہ کی بنیادی معتبر کتابوں کے مطابق ہے، اس لیے ان دونوں کے دستخط اور مہر کے برابر میں، تصدیق (واعتماد) کے لیے، میں نے اپنی مہر بھی ثبت کردی ہے، ملاحظہ فرمالیں تا کہ پوری طرح اطمینان ہوجائے۔

وفرستادن استفتائے مذکورہ نزد فقیر، درصورت بودن ومہر دستخط برخورداران ممدوحین، احتیاج نداشت، چرا کہ ایشاں درعلم تفسیر وحدیث وفقہ، واصول فقہ ومنطق وغیرہم ازفقیر کمتر نیستند، ودستخط شاں گویا مہر ودستخط فقیر است۔

ان دونوں لائق تعریف عزیزوں (مولانا شاہ عبدالحی وشاہ محمد اسماعیل) کی مہر اور دستخط کے بعد، اس فتوے کو میرے پاس بھیجنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی، کیونکہ (یہ دونوں) علم تفسیر وحدیث، فقہ، واصول فقہ منطق معقولات وغیرہ میں، مجھ سے کم نہیں ہیں، ان کے مہر اور دستخط گویا میری مہر اور دستخط ہیں۔

وعنایت باری عزاسمہ کہ شامل حال مولویین وموصوفین است،شکر ایں نعمت عظمیٰ ادا کردن نمی توانم،حق جل وعلا، زیادہ تر ازیں بمراتب علیا فائز گرداند، وبرائے اشخاصان مبین اصل شریعت،جمیع مومناں را ہمیں دعا بجناب الٰہی خواستن، موجب نجات اخروی است۔

اللہ تعالیٰ کی جو عنایت (وکرم) ان دونوں کے شامل حال ہے، مجھ سے اس عظیم ترین نعمت کا (جیسا ہونا چاہیے) شکر بھی ادا نہیں ہوسکتا۔حق جل مجدہ ان دونوں کو اس سے (بھی) بلند تر مقام پر فائز فرمائے، اوران کو تمام لوگوں کے لیے دین وشریعت سے آگاہ کرنے والا بنائے۔تمام مسلمانوں کو ان کے حق میں یہی دعا کرنی چاہیے۔اور یہ (دعا کرنا،خود دعا کرنے والوں کے لیے) آخرت میں نجات کا ذریعہ اور سبب ہوگی۔

مخلص من! مولویین ممدوحین را یکے از علمائے ربانی تصور دہ،اشکالے کہ افتتاح آں محال باشد روبروئے ایشاں پیش خواہند کرد،انشاءاللہ تعالیٰ! ہمہ شکوک وخلجان طبیعت دفع خواہد گردید۔

میرے مخلص! مذکورہ (دونوں) علماء کو علماء ربانیین میں سمجھ کر، ہر وہ شبہ اور اعتراض جس کا حل قریب قریب ناممکن ہو،ان کے سامنے پیش کرنا چاہئیں، ان شاء اللہ تعالیٰ تمام اعتراضات وشبہات دور ہوجائیں گے۔

عنایت فرمائے من! اگرچہ ایں چنیں کلمات را بظاہر تعریف وتوصیف خود تصور تواں برد، لاکن اظہار امر حق ہم بر واقفاں واجب والزام است، لہٰذا چشم پوشی از حق مناسب نداشتم۔

میرے عنایت فرما! اگرچہ اس قسم کے (الفاظ و) کلمات کو، بظاہر اپنی تعریف ومدح سرائی خیال کیا جاسکتا ہے، لیکن حق کا ظاہر کرنا واقف لوگوں پر ضروری اور واجب ہے، اس لیے سچائی سے چشم پوشی میں نے مناسب نہیں سمجھی۔

---

(۱) یہ خط جیسا کہ گزرا متعدد مآخذ میں نقل ہوا ہے، یہاں بنیادی طور پر اس کی اساس مندرجہ مجموعہ تحریرات وفتاویٰ خانوادۂ ولی اللّٰہی، مرتبہ کریم اللہ بن خلیل اللہ ڈار، (ابتداء ترتیب ۱۲۴۰ھ) پر ہے،مخطوطہ ص:۴۷۴-۴۷۵۔
مطبوعہ مآخذ میں سیرت سیّد احمد شہیدؒ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی مدظلہ،ص:۲۴۹-۲۵۴۴۱۔ ج:۱ (طبع ششم لکھنؤ:۱۳۹۷ھ)
نیز اکمل البیان حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی ص:۸۷۹-۸۸۰ (لاہور:۱۳۸۴ھ) سے بطور خاص استفادہ ہوا ہے۔

(۲) رسالہ ہدایت ص:۶۳ ،مولانا مرزا حفیظ اللہ بیگ مراد آبادی ،مطبوعہ مطبع احتشامیہ مراد آباد۔محرم الحرام ۱۳۰۹ھ مطابق اگست ۱۸۹۱ء اکمل البیان،ص:۸۸۲-۸۸۳

وہردواستفتاء بہ لف قیمہ ہذابرسند، ازرسیدس مطلع باید فرمود، ایں وقت بسبب ضعف طبیعت بہمیں قدرا کتفا گردید۔ وَالإجمالُ عندکم مغن عن التفصیل واللّٰہ یقول الحقّ ویھدی السَّبیل، والسَّلام علیکُم وَبارکَ اللّٰہ فِی مَعَاشِکُم وَمعادکُم.	اور دونوں سوالات اس خط کے ساتھ منسلک پہنچیں گے، ان کے پہنچنے سے مطلع فرمانا چاہیے۔ اس وقت طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے اسی پر اکتفاء کیا گیا، آپ کے لیے اجمال تفصیل کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ حق ہی فرماتا ہے اور ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ والسلام علیکم!
مکرر آں کہ انتظار باید کشید کہ اشخاصان معلوم، درعرصہ قریب فتوائے معافی صوم و صلوٰۃ برائے ہندوستانیاں خواہند نوشت، بدلیل ایں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم درہند برائے معافی زکوٰۃ بدرجۂ اولیٰ فقط[1]	مکرر یہ ہے کہ، انتظار کرنا چاہئے کہ یہ لوگ (جنہوں نے حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ دیا ہے) جلد ہی ہندوستانیوں کے لیے نماز اور روزہ کی معافی کا حکم نامہ لکھیں گے۔ دلیل یہ ہوگی کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان میں تشریف فرما نہیں ہوئے، یہی دلیل زکوٰۃ کی معافی کے لئے اور زیادہ استعمال ہوگی۔ فقط

یہ خط سیّد احمد شہید کے آخری سفر لکھنؤ یا آغاز سفر حج (اواخر ۱۲۳۷ھ) کے وقت تحریر فرمایا گیا تھا۔ اس کی اصل، جس پر حضرت شاہ عبدالعزیز کی مہر ثبت تھی ۱۳۰۹ھ تک، مولانا تراب الدین علی لکھنوی کے پاس موجود تھا، مولانا امیر حسن (سہسوانی) نے وہیں دیکھا تھا حافظ عزیز الدین نے جستجو کی تو ان کو اس کی متعدد (نئی پرانی) نقلیں دستیاب ہوئیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”اس خط کی نقل دیوان شمس الدین صاحب، دیوان ریاست جبل پور کی بیاض میں موجود ہے، اور وہاں سے بواسطہ مولوی کریم بخش صاحب، ساکن جوہری بازار جے پور، جناب مولوی امیر احمد صاحب مرحوم سہسوانی کے پاس پہنچا اور یہی خط بے کم وکاست منشی امجد صاحب مہتمم محکمہ مناصب واقع ریاست بھوپال کے پاس بھی موجود ملا اور بعض روسائے بریلی کی بیاض میں بھی اس خط کی نقل ملی۔ مولانا امیر حسن مرحوم نقل فرماتے تھے کہ یہ اصل خط مولانا تراب الدین علی لکھنوی کے پاس موجود تھا، ہم نے بچشم خود دیکھا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم“ (۲)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی محولہ بالا تحریر میں، شاہ محمد اسماعیل (اور ان کے ممتاز ترین رفیق کار مولانا شاہ عبدالحیٔ) کے فضل و کمال، رسوخ فی العلم، شان تفقہ اور دین و شریعت کی صحیح صحیح ترجمانی کا، ایسے بلند اور وقیع الفاظ میں ذکر آیا ہے، جو ان حضرات کی علمی دینی خدمات کے اعتراف، اور خانوادۂ حضرت شاہ ولی اللہؒ میں ان کے مقام و مرتبہ کی تعیین کے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

ردالاشراک اور تقویۃ الایمان، تفصیلی تعارف بارہویں تیرہویں صدی ہجری میں، اہل علم و کمال کے عام معمول و مذاق کے مطابق، شاہ محمد اسماعیل کی علمی صلاحیت، ذہانت و ذکاوت فہم و فراست، بلند نگاہی اور رفعت پرواز کا واحد مصرف یہ ہونا چاہیے تھا کہ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ہمہ تن درس و تعلیم میں غرق ہوجاتے۔ اپنا ایک الگ حلقۂ درس سجاتے، اور اس کی وسعت و ترقی کے لیے شبانہ روز سرگرداں رہتے۔ اور اپنے فاضل اوقات درسیات، یا مختلف دینی معقولی کتابوں پر حواشی اور منہیات لکھنے میں صرف فرماتے، اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ اگر شاہ شہیدؒ اس وادی میں سرگرم سفر ہوتے، تو خاندان ولی اللّٰہی میں شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد وہی مرجع خلائق بنتے، انہی کے علوم و کمالات کا چراغ جلتا، انہی کے نام کا ڈنکا بجتا، اور مشرق سے مغرب تک ان ہی کے درس کی خصوصیات و امتیازات کا ذکر ہوتا، مگر نہیں!

شاہ اسماعیل جو جوہر عالی لے کر آئے تھے، اور قدرت کو ان سے جو کام لینا تھا، وہ اس سے بہت بلند اور بہت مختلف تھا، یہ کام تھا احیائے دین اور شریعت اور اتباع سنت کے ذوق کو عام فرمانے، اور گھر گھر تک پہنچانے کا۔ اسی لیے شاہ صاحب نے درس و تالیف کو اپنا مقصد حیات، یا اپنے اوقات کا ایسا مصرف نہیں سمجھا، جس کے لیے تمام اوقات کی قربانی ضروری ہوتی، اور اس خدمت سے فارغ و یکسو ہوکر کسی اور کام میں مشغول ہونا دشوار ہوجاتا۔

نیز اگر شاہ اسماعیل چاہتے، تو ان کے لیے دنیاوی ترقیات، اعزازات و مناصب اور مال و دولت سے سرفرازی کے دروازے بھی کھلے ہوئے تھے۔ اس منزل پر بھی ان کو مختلف راستوں سے خوش آمدید کہا جاسکتا تھا، ان کی خواہش ملازمت کو دربار مغلیہ کے وابستگان، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے گماشتے، اپنے لیے اعزاز اور قبول عام کی سند خیال کرتے، اور بلا تأمل ان کو بہتر سے بہتر تنخواہ اور اعلی سے اعلیٰ منصب کی پیشکش کرتے۔ اور اس کے لیے شاہ شہید کی ذاتی خصوصیت و کمال کے علاوہ، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان سے، قریب ترین رشتہ و نسبت، سفارش کی ایسی دستاویز ثابت ہوتی کہ، اس سے بہتر سفارش نہ سرکاری دربار میں متوقع تھی،

نہ عوامی حلقوں میں، مگر شاہ محمد اسماعیل ان حقیر مفادات اور دولت ومنصب کے خزف ریزوں کو، کب خاطر میں لانے والے تھے۔ شاہ شہید کی زندگی کا مقصد اس سے فزوں تر تھا، کہ جاہ ومنصب کے کھلونے اور دولت واعزاز کی کشش، ان کی راہ میں رکاوٹ اور اصل مقصد کی جدوجہد سے مانع بن سکتی۔ شاہ شہید جیسے اولوالعزم افراد، ایسے موقعوں پر ہمیشہ زبان حال سے یہی کہتے رہے ہیں کہ:

برو ایں دام بر مرغ دگرنہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

شاہ محمد اسماعیل نے ظاہری ترقیات واعزازات، وقتی دولت وشہرت اور حقیر مفادات سے یکسر آنکھیں موند کر، وہ راہ اختیار فرمائی جو وقت کا اہم ترین فریضہ اور انبیاء علیہم السلام کا ورثہ تھی۔ گویا:

رفت زاں را ہے کہ پیغمبر گزشت!

شاہ صاحب کا فیصلہ نہایت مبارک فیصلہ تھا، اس میں توفیق الٰہی، قرآن وسنت کی غیر معمولی وسیع واقفیت، اور اتباع سنت کے اعلیٰ ترین ذوق کے علاوہ، ان معلومات اور روزمرہ کے مشاہدہ کا بھی خاص دخل تھا، جس سے شاہ شہید کو ہمہ وقت سابقہ رہا۔

شاہ شہیدؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزرا تھا، یہاں کے حالات کا وہ بچشم خود مطالعہ کررہے تھے، اور دیکھ رہے تھے کہ دہلی اولیائے کرام کا مسکن، خانقاہوں کا شہر اور علم وکمال کا مرجع ہے، یہاں ایسے ایسے مدرسے اور دارالعلوم آباد ہیں، جن کا فیضان گنگ وجمن کے علاقہ سے، دریائے نیل تک جاری ہے۔ ایسے ایسے عالی مرتبت مشائخ یہاں تشریف فرما ہیں، کہ ان کا وجود ایک پورے عہد کے لیے باعث فخر، اور سرمایۂ زینت ہے۔ ایک ایک خانقاہ میں پانچ پانچ سو فقراء تربیت باطن کے لیے مقیم، اور ایک ایک مدرسہ میں ہزاروں ہزار طلبہ تعلیم واستفادہ کے لیے حاضر رہتے ہیں۔ یہاں کے علماء ومرشدین دنیا کے مرکز نگاہ اور عقیدت کا مرجع ہیں، ان کے ارشادات اور تحریریں ہر جگہ سند اور منتہائے علم سمجھی جاتی ہیں، مگر اس سب کے باوجود شہر کے عوام کی علمی دینی، اخلاقی حالت زبوں، اور عام کیفیات ناقابل تذکرہ وبیان ہیں۔

اسی دہلی کا جہاں بیسیوں مدرسے آباد ہیں اور خانقاہیں طالبین وذاکرین سے بھری ہوئی ہیں حال یہ ہے کہ گویا یہاں شیطانی لشکروں نے اپنے خیمے گاڑ دیے ہیں، اور عصیان وطغیان کے نمائندوں نے اپنے تمام ترکش یہیں خالی کردئے ہیں۔ عقائد واعمال کی کونسی خرابی ہے، جو یہاں موجود نہیں، فسق وفجور کی وہ کونسی صورت وکیفیت ہے، جس پر یہاں عمل نہیں۔ دین ودیانت مفقود، ایمان واخلاق کم یاب اور اتباع وشریعت وسنت متاع گم شدہ ہے

اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ:

''مصطفےٰ نایاب ارزاں بولہب''

دین وشریعت کے مٹانے کی، اس کی ہیئت بدلنے کی، اور اس کی حقیقت کو نگاہوں سے مستور کر دینے کی، ہر جانب سے برملا آوازیں آ رہی ہیں۔ عوام کی اکثریت توحید کے تقاضوں سے بے خبر، اتباع سنت کے سرور سے ناآشنا، اور دین کی بنیادی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔ بدطینت صوفیاء، گم کردہ راہ علماء جذب و اشراقیت کے ماہر، متصوفین، طرح طرح کے جال بچھائے امت کو راہ سے بے راہ کرنے کی، ہر ممکن کوشش عمل میں لا رہے ہیں۔ دین کا نام اور اس پر عمل چند رسومات وظواہر تک محدود ہے، قرآن وشریعت کے استخفاف کی روش عام ہے، ہر روز ایک نیا طریقہ ایجاد ہوتا ہے، اور قانون شریعت سے الگ نئے نئے مسائل ومعتقدات گڑھے جاتے ہیں۔ ان خرافات کی وجہ سے شریعت کے اصول وضوابط کی پہچان مشکل، اور ان پر کار بند رہنا گویا ناممکن ہوتا ہے۔ حقیقتاً تعلیمات اسلام اس حد تک غبار آلود ہو گئی ہیں، جیسے:

بوعلی اندر غبار ناقہ گم

شریعت وسنت پر عمل، معاشرہ میں مذاق اور جگ ہنسائی کا موجب ہے۔ بزرگان دین کے بعض طور طریقوں نے، تصوف وصوفیا کے چند اعمال واشغال نے، وحی الٰہی اور منصوص احکام کی جگہ لے لی ہے۔ ان کی ایک ایک بات واجب العمل ہے، ان کے یہاں کی ایک ایک روایت ایک ایک طریقہ کا وقت مقررہ پر اعادہ گویا فرض عین اور ناقابل ترک وترمیم ہے۔

بعض بڑے مشہور بزرگوں اور اولیاء کے متعلق (معاذ اللہ، معاذ اللہ) ایسے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے جیسے وہ نظام قدرت میں دخیل وشریک اور اپنے افعال وخدمات میں (خاکم بدہن) قادر مطلق اور خود مختار ہیں، ''**یفعلُ مایشاءُ ویحکم مایُرید**'' گویا ان ہی کی صفت ہے۔ ہر ایک مصیبت اور ضرورت کے وقت ان سے مدد طلب کی جاتی ہے، ہر حاجت کے وقت ان کو یاد کیا جاتا ہے، ان کے نام لے لے کر فریاد ہوتی ہے، ان کے حضور استغاثہ پیش ہوتا ہے، ان کے نام کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اور ان کے مزارات کو بیت اللہ کی طرح مقصود سمجھ کر (سیکڑوں ہزاروں میل دور سے) ان کی طرف منہ کر کے صف بستہ کھڑے ہو کر، بآواز بلند منقبت وسلام پڑھے جاتے ہیں، ان کے مزارات کو کعبۂ حاجات ومراد سمجھتے ہوئے، اپنے اپنے علاقوں سے ان کی جانب رخ کر کے گیارہ قدم آگے بڑھ کر فریاد کی جاتی ہے، انہی فاسد عقیدوں کی وجہ سے ان بزرگوں کے آثار وتبرکات سے، ان

کے مزارات ومقابر سے ایسا تعلق ایسی عقیدت اور ایسا ارتباط ہے، کہ اس کا دسواں حصہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے، قرآن پاک اور مساجد وعبادات سے نہیں ہے۔

بعض بزرگوں اور مشائخ وصوفیاء کے نام پر (امام باڑوں کی طرح) مستقل عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان کے طواف کئے جاتے ہیں، وہاں منتیں مانگی جاتی ہیں، سجدے ہوتے ہیں، غرض ہر وہ کام جو اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خاص ہے، عبادت وفریاد کی وہ تمام کیفیتیں جو صرف ذات واجب الوجود کا حق ہیں، ان بزرگوں کے نام پر عام ہیں، اور ان حرکات شنیعہ پر شرمندگی اور گناہ کا احساس تک نہیں ہے۔

مزید آفت یہ ہے کہ مسلمانوں کے عوام وخواص، خصوصاً امراء اور متوسط طبقہ کے افراد، دربار مغلیہ کے اثرات کی وجہ سے، اکثر معاملوں میں ان طور وطریقوں کے عادی ہوگئے ہیں، جو اسلامی تعلیمات کے منافی اور سراسر ہندوانہ رسوم کی نقل و پاسداری پر مبنی ہیں ــــ بیواؤں کا نکاح نہیں کرتے، بلکہ اس کو قابل نفرت سمجھتے ہیں، کمسنی کی شادی کو عیب وگناہ جانتے ہیں، قریب کے عزیز رشتہ داروں میں نکاح اور ازدواج کے تعلقات ناپسند اور متروک ہیں، ہندوؤں کے لباس اور معاشرت کی نقالی، لائق فخر اور باعث اعزاز خیال کی جاتی ہے، ہندوؤں کے تہواروں کو اپنے خاص مذہبی دنوں کی طرح مناتے ہیں، ان پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں، بدقسمتی سے ان کی برائی اور ان کے شعار کفر ہونے کا خیال تک دل سے محو ہوگیا ہے۔

ایک طرف یہ سب ہو رہا تھا دوسری طرف ''مرے پہ سو درے'' کے مصداق، اس سے سوا کچھ حرکتیں اور بھی تھیں، جس میں پورا شمالی ہندوستان خصوصاً دہلی اور اس کے نواح سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے تھے، ہر طرف عیاشی بدکاری وبدکرداری کا دور دورہ تھا، ہر گلی کوچہ رقص وموسیقی اور چنگ ورباب کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اور ہر شخص:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کی علمی تصویر بنا ہوا نشاط وسرور میں گم اور ہوس رانی میں مصروف تھا۔ ایک ایک محلّہ، ایک ایک بستی شبستان عشرت اور شرافت واخلاق کا ماتم کدہ بنی ہوئی تھی، شیطانی ذہنوں نے فسق وفجور کے لیے ایسے ایسے راستے تلاش کئے تھے، اور اس میں ایسی ایسی نت نئی ایجادات کی تھیں کہ شاید شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہوا اور کہتا ہو کہ:

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یہ تو دہلی کا حال اور وہاں کے معاشرہ کی وہ تصویر تھی، جو ہر وقت شاہ محمد اسماعیل کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی، ان کو اس کے لیے کسی تصدیق وتحقیق کی ضرورت نہیں تھی، نیز ملک کے روز افزوں بگاڑ اور پورے

برصغیر میں بکھرے ہوئے، مسلمانوں کے اعتقادات، معاشرت واخلاق کا احوال جاننے کے لیے بھی، ان کے پاس ایسے معتبر مستند وسیع ذرائع تھے، کہ اس سے بہتر اور وسیع تر ذرائع کا، اس دور میں تصور مشکل تھا۔ یہ ذرائع تھے طلبا کے وہ قافلے، ارباب سلوک ومعرفت کی وہ جماعتیں، برصغیر میں پھیلے ہوئے علماء کے وہ نمائندے، اور وہ مکتوبات جو روزانہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادرانِ والاشیم کی خدمت میں آتے تھے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ طلبۂ علوم اسلامیہ کے تازہ گروہ، طالبانِ سلوک کے نئے ہجوم اور اہل سیاست واقتدار کے نمائندے ان تینوں حضرات کی خدمت میں نہ پہنچتے ہوں۔ نیز ان تینوں بھائیوں کے تلامذہ، متوسلین و متعلقین کے تقریباً روزانہ موصول ہونے والے خطوط کا سلسلہ الگ تھا، ان خطوط کے لکھنے والے اپنے اپنے علاقہ کے ممتاز علماء اور واقف احوال اشخاص ہوتے تھے، ان خطوط سے جو کچھ معلوم ہوتا ہوگا، اور جن ناگفتہ بہ حالات کی اطلاع ملتی ہوگی، شاہ محمد اسماعیل اس سے ہر وقت باخبر رہتے ہوں گے، ان کے بیدار وحسّاس قلب پر، یقیناً اس کا اثر ہوتا ہوگا۔ مسلمانوں میں ادھر سے ادھر تک پھیلی ہوئی بداعتقادی، بدعملی اور اخلاق وکردار کی پستی پر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہوگا۔

بہرحال ہمہ وقت ان روابط کی وجہ سے، شاہ شہید برصغیر ہند وپاکستان کی مجموعی کیفیات واحوال سے اچھی طرح واقف تھے۔ دہلی اور نواح کے مسلمانوں کا حال خود دیکھ رہے تھے، دہلی کے اہم ترین دینی حلقوں، اصلاحی مراکز، مدارس اور خانقاہوں سے براہ راست آشنا تھے، ان کی خدمات اور فوائد واثرات بھی ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، اور وہ خوب جانتے تھے کہ، متضاد کیفیات پر مشتمل یہ دو الگ الگ دھارے ہیں، جو ایک دوسرے سے مخالف سمت میں بہہ رہے ہیں۔ وہ مشرق میں ہے تو یہ مغرب میں، دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ وتعلق نہیں۔ اہل مدارس وخانقاہ حال وقال کی مجلسوں میں گم ہیں اور عوام فسق وفجور اور شرک وبدعات میں مگن، نہ علماء اور اہل معرفت کو عوام کی پرواہے، نہ عوام کو ان علماء ومرشدین کی ضرورت، وہ ان سے بے تعلق ہیں یہ ان سے بے نیاز!

یہ صورت حال ایسی نہیں تھی کہ دردمند مسلمانوں اور اہل علم وصلاح کو اس کا صدمہ اور اس کی اصلاح کی فکر نہ ہو، اس کا بھی ذکر وتذکرہ ہوتا رہتا ہوگا، کہ اس فساد وبگاڑ کی صحیح وجہ کیا ہے، اس ضلالت وگمراہی کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اس کے بند کرنے کی کیا صورت ہے؟ اور اس کے ذریعہ پیدا بدعملی کا ازالہ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ نیز وہ کون سی صورتیں وتدبیریں ہیں، جن پر عمل کر کے مسلمان ایک مرتبہ پھر کامیاب وکامراں ہوسکتے ہیں، اور اتباع شریعت کی لذت اور ایمان ویقین کی حلاوت محسوس کر سکتے ہیں۔

(۱) تذکرہ، ص: ۲۷۰ (ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۶۸ء)

مذکورہ بالا پہلوؤں اور مباحث پر دینی محفلوں، خانقاہوں اور مدارس میں یقیناً بار بار غور وفکر ہوا ہوگا، مختلف تدبیریں اور تجویزیں سامنے آئی ہوں گی اور بے شمار منصوبے اور ارادے زیر گفتگو آئے ہوں گے مگر قانون فطرت ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ افراد کبھی کامیاب نہیں ہوتے، جو تخیلات کی وادی کے اسیر اور لفظی موشگافیوں کے دلدادہ ہوں۔ کامیابی صرف ان لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو اپنے ارادہ کو، متواتر محنت و جدو جہد سے عمل کی اور عمل کو دوام و استقلال کی دولت سے مزین و مالا مال کر سکتے ہوں۔ نیز ایسے موقعوں پر جب دریا کی طغیانی شباب پر ہو، اس کی تند و تیز موجوں سے شہر اور بستیاں تہ و بالا ہو رہی ہوں، اس وقت ہر اک تیراک کا حوصلہ اور ہر غوطہ زن کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ ان موجوں سے جا ٹکرائے اور ان حالات میں جب اچھے اچھے حوصلہ مندوں کا پتہ پانی ہو رہا ہو دریا میں کود پڑے، اور اپنے عزم و ہمت سے اس طوفان کا رخ پھیر دے۔

شاہ محمد اسماعیل کا شمار ایسے ہی نادرۂ روزگار افراد میں کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ایسے سخت ترین حالات اور نہایت نامساعد ماحول میں کلمۂ حق کہنے کی جرأت کی، جب اس قسم کی کسی بات کو سر بازار تو کجا، ذاتی محفلوں میں بھی کہنا آسان نہیں تھا۔ لیکن شاہ شہید نے اپنے عزم خداداد کی بدولت اس کلمۂ حق کو، ہر کوچہ و بازار تک اس بلند آہنگی اور دلیل و برہان کے ساتھ پہنچایا، کہ یہ کلمہ جو ایک عرصہ تک نامانوس صدا سمجھا جاتا رہا، لوگوں کے دل کی دھڑکن اور مقصد حیات بن گیا — مولانا ابوالکلام آزاد نے خوب لکھا ہے کہ:

> ''دعوت و اصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے گئے تھے، اب اس سلطان وقت و اسکندر عزم کی بدولت، شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا، اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ اب بر سر بازار کہی جارہی اور ہو رہی تھیں، اور خون شہادت کے چھینٹے حرف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر، صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے۔''(۱)

اس مرض کا سبب اور اس کا علاج شاہ محمد اسماعیل کی نظر میں شاہ محمد اسماعیل کی نظر اس گراوٹ اور بگاڑ کے حقیقی اسباب تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے صحیح صحیح اندازہ کر لیا تھا کہ اصل بیماری کیا ہے، اس کی ابتداء

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ ص:۱۳۳، ج:۵ (لکھنؤ: ۱۴۰۴ھ)

کہاں سے ہوئی ہے، اوراس کا مناسب علاج کس طرح کیا جاسکتا ہے۔شاہ صاحب نے اس مرض کی وجوہات کو سمجھ کر علاج کا وہ طریقہ منتخب فرمایا جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ، بنی نوع انسان کو ملا تھا۔ یہی طریقہ امت محمدیہ کی خصوصیت وامتیاز ہے۔علماء ائمہ ہدیٰ اور مصلحین نے کبھی بھی اس طریقہ کو، اس علاج کو اور ذریعہ اصلاح کو فراموش نہیں ہونے دیا، کیونکہ سب جانتے تھے کہ ملت اسلامیہ کو جب بھی دین و دنیا کی فلاح، عزت وسربلندی اور کامیابی وکامرانی حاصل ہوگی، اسی راستہ سے اسی طریقہ سے ہوگی جو دین کے تقاضوں کی تعمیل اوراتباع سنت کی واضح اور روشن شاہراہ سے گزر رہاہے، جس دینی اصلاحی طریقہ کا اس راہ سے گزر نہیں، وہ اسلامی نہیں، اور جو طریقہ اسلامی نہیں، وہ ورثۂ محمدی نہیں، اور جو ورثۂ محمدی نہیں اس سے امت مسلمہ کا کچھ واسطہ وتعلق نہیں ــــ لہٰذا ان طریقوں کے ذریعہ کامیابی کی امید بھی فضول اور سراب کی مدد سے منزل مقصود کی تلاش کے مترادف ہے۔اس لیے کوئی ذی ہوش مسلمان ان راستوں سے خیر اور صلاح وفلاح کی امید نہیں کرسکتا۔

انسانی زندگی پر توحید اور شرک کے اچھے برے اثرات شاہ محمد اسماعیل نے اس مسلمہ حقیقت کا بھی خوب ادراک فرمالیا تھا، اوراس کے نفاذ وعلاج کی تدبیر بھی ان کے ذہن ثاقب نے دریافت ومرتب فرمالی تھی کہ، مسلمانوں کے تمام فساد وبگاڑ کا مرکز ان کی دینی تعلیمات سے ناواقفیت، عقائد کی اصلاح اور توحید وشرک کی حدود کی نشاندہی سے بے خبری ان کی حفاظت کی فکر اوران کی نگرانی واحتیاط سے یکسر بے تعلقی ہے۔ یہ مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ملت اسلامیہ کی ترقی وتنزل، عروج وزوال کا بنیادی رشتہ، حق تعالیٰ کی ذات عالی سے تعلق، توحید کے مطالبات اوراس کے تقاضوں سے کما حقہ واقفیت، اس کی ادائیگی کی تدبیر اوراس کے حدود کی چابکدستی کے ساتھ حفاظت وصیانت سے جڑا ہوا ہے ــــ حق تعالیٰ کی ذات عالی پر جس قدر گہرا اور پختہ یقین ہوگا، اس کے وحدہ لاشریک ہونے کا خیال، جس قدر مضبوطی کے ساتھ دل میں جما ہوگا، اور حدیث قدسی "أنا أغنى الشُّركاء عن الشّرك" کی صداقت دل میں جس قدر راسخ ہوگی، اس کے تقاضوں اور مطالبات پر جس قدر عمل ہوگا، اسی تناسب سے دین وعمل کا درخت سرسبز ہوگا اوراس کے فوائد واثرات حاصل ہوں گے، اتباع شریعت وسنت کی توفیق عطا ہوگی اوراسی کے بقدر دنیا وآخرت میں ترقی اور عزت وسربلندی عطا فرمائی جائے گی۔ اور جوں جوں عقیدہ توحید کمزور ہوگا، اس کے مطالبات پر عمل کا خیال دل سے نکلتا جائے گا، اسی رفتار سے دین کی صحیح سمجھ ختم ہوتی رہے گی، اور جب جب بھی شرک کے خفیف سے خفیف اثرات زندگی میں داخل، اور عبادات کے طور طریقوں میں شامل ہوں گے، اس کے ارتکاب کے ساتھ ہی فرائض وواجبات سے غفلت اور طریقۂ سنت سے دوری

ہوتی چلی جائے گی۔ اور جوں جوں یہ آلودگی بڑھے گی، اخلاقی، معاشرتی خرابیاں عام ہو جائیں گی۔ کیونکہ:

> ''اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ، تائید و نصرت رضا و محبت اور غلبہ و عزت کا جو مؤکد وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ، ایمانی صفات و خصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدۂ توحید کی بنا پر ہے''[1]

جب عقیدۂ صحیحہ رخصت ہوا، ایمانی خصوصیات ترک ہوئیں حق تعالیٰ شانہٗ کے منزہ اور شرک سے بری ہونے کے عقیدہ میں، بال برابر بھی رخنہ پڑا تو رحمت الٰہی کا دروازہ بند، نصرت و غلبہ کی نوید کالعدم، اور ترقی و جہانبانی کا خیال بے معنی ہو گیا۔ مگر بدقسمتی سے اُس وقت، شاہ محمد اسماعیل کے ابتدائی دور میں، مسلمانوں کی اکثریت توحید کی حقیقت سے نا آشنا، اعمال پر اس کے کھلے چھپے اثرات سے ناواقف، اور اپنی زندگی کے بہت سے معمولات میں، شرک کی در پردہ مداخلت سے بے خبر تھی۔ مشرکانہ طور طریقے زندگی کا حصہ بن گئے تھے، مختلف بزرگوں اور ان کے مزارات و مقابر کے، نظام قدرت میں دخیل اور بذات خود مؤثر ہونے کا خیال دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ ان بزرگوں کے نام پر اور ان کے مزارات و مقابر پر، وہ تمام اعمال بلا خوف و خطر کیے جاتے تھے، جو صرف ذات وحدہٗ لاشریک کے لیے خاص اور اسی کے شایان شان ہیں ــــ اس لیے سب سے پہلی اور اہم ترین دینی خدمت یہ تھی کہ اسلامی عقائد میں توحید کی بنیادی اہمیت، اور اس کی نزاکت کو نہایت واشگاف الفاظ میں بیان کیا جائے اور توحید خالص کے متعلق عقیدہ و عمل کی معمولی سے معمولی کمزوری و بے احتیاطی اور غفلت کے، دائمی وسیع نقصانات، نیز دنیا و آخرت میں اس کے خراب نتائج و اثرات سے، علی الاعلان واقف کرایا جائے۔ نیز ہر ایسی تحریک اور تحریر و تقریر کی مسلسل پرزور تردید کی جائے، اور اس کا غلط اور مردود ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا جائے، جس سے توحید کی حرمت پر آنچ آتی ہو، غیر اللہ کو معبود،

---

(۱) میں احمد بلا میم اور عرب بلا عین ہوں۔ احمد میں سے میم نکال دیا جائے تو احد باقی رہ جاتا ہے اور عرب میں سے عین حذف کر دیں تو رب رہ جائے گا۔ گویا (نقل کفر، کفر نہ باشد) یہ کہا گیا کہ دراصل میں ہی احد اور رب ہوں، یعنی (معاذ اللہ معاذ اللہ) ذات حق جل شانہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں دنیا میں آ گئی ہے، یا آپ کی ذات مبارک میں حلول کر گئی ہے۔ یہ کفریہ ملحدانہ اور یہ جاہلانہ گستاخانہ فقرہ، صوفیاء کی مجلسوں میں عام تھا اور بدقسمتی کی انتہا ہے کہ اس کو صحیح سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ ایسا عقیدہ تو کجا ایسا ایک لمحہ کا خیال اور تصدیق بھی، دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ) چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما!

مسجود، قاضی الحاجات اور سمیع وبصیر سمجھنے کی بدرا ہی کو سہارا ملتا ہو، کیونکہ توحید کا عقیدہ تمام عقائد کی اساس اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مشترک بنیادی اصول ہے، اسی کے اتباع میں شاہ اسماعیل نے بھی سب سے پہلے توحید کی حقیقت پہچاننے کی، اوراس کے متعلقات کی پوری پوری حفاظت وصیانت کی دعوت دی، اور بڑی حد تک اس کا حق ادا کر دیا۔

منصب نبوت کی بے احترامی توحید اور اس کے متعلقات کے بعد دوسرا اہم ترین عقیدہ، حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقام ومرتبہ کی حقیقی پہچان، ان کے پیام ودعوت کی صحیح پذیرائی، ان کے احکام کی اتباع اوران کی بلاکم وکاست ادائیگی ہے۔ جس کے لیے اب واحد ذریعہ فخر الرسل، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تقلید، اور آپ کے ارشادات عالیہ کی پوری پوری پیروی ہے۔ اس یقین وعقیدہ کے بغیر نہ عقیدۂ توحید قبول ہے، نہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تقلید کارگر، مگر اس دور میں جب اللہ کی وحدانیت پر یقین اور توحید کا بنیادی سبق ہی فراموش تھا، انبیاء علیہم السلام سے متعلق عقیدہ وخیالات کس طرح صحیح ودرست رہ سکتے تھے؟ چنانچہ اس ضمن میں بھی افراط وتفریط کی روش عام تھی۔

ایک جانب تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو گویا خدا کا ظل، نظام قدرت میں دخیل، بلکہ حق تعالیٰ کا (نقل کفر کفر نہ باشد) جسمانی وجود اور نمونہ خیال کرتے تھے، اور خود حضرت سید الانبیاء علیہم السلام کی شان عالی میں (جو اس روئے زمین پر، شرک سے سب سے زیادہ منزہ، اور توحید کے سب سے بلند، اعلی وبزرگ ترین پیغمبر تھے) ایسی جرأت ایسی گستاخی کی جاتی تھی، کہ اس سے شدید تر کوئی گستاخی، کوئی اذیت نہیں ہوسکتی اور اس سے خراب کوئی طریقہ ایسا نہیں کہ جس کے ذریعہ منصب نبوت کی حرمت وطہارت کو (خاکم بدھن) پامال وداغدار کیا جاسکے۔ کسی احمق کے گھڑے ہوئے الفاظ ''انا احمد بلامیم وعرب بلاعین''[۱] کو ایک مسلمہ نظریہ اور عقیدہ کے طور پر قبول کرلیا گیا تھا۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے افراد، خانقاہوں اور علماء وصلحا سے وابستہ اشخاص، اس بے تکے فقرے کو دلیل کے طور پر، اپنی تحریرات ومجالس میں لکھتے اور نقل کرتے تھے، حالانکہ ان بے ہودہ فقروں کا من گھڑت، بے اصل وبے حقیقت ہونا خود ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے مگر:

إذا كان الطّباع طباع سوء
فلا أدب يفيد ولاأديب

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلمات خصوصاً سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں، اور بحیثیت مجموعی جملہ انبیاء علیہم السلام کی جناب میں، ان کے نام لیواؤں، پیروکاروں، خصوصاً مسلمانوں کی زبان سے صادر و سرزد ہونے والی گستاخی کی، سب سے بڑی مثال ہے۔ اعاذنا اللہ

ایک طرف تو یہ غلو اور انتہا پسندی، دوسری جانب قرآن پاک کے واضح سے واضح احکام، اور احادیث نبوی کی صاف و بے غبار تعلیمات و تہدیدات کو، اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دینا اور جانتے بوجھتے اپنے تمام اعمال و معاشرت میں، ان کو یکسر فراموش و نظر انداز کرنا، زندگی کے اصول اور معمولات میں شامل ہو گیا تھا—— اس بے اعتدالی اور افراط و تفریط کا لازمی اثر، قدم قدم پر بدعات و رسوم کی فراوانی فحش و بدکاری کی کثرت، ہندوانہ طور طریقوں، اور مشرکانہ عادات و اطوار سے محبت و شغف، اور خود ساختہ رسوم و اعمال کو صحیح اسلامی تعلیمات و فرائض و عبادات سے، کہیں زیادہ اہم، احکام الٰہی سے زیادہ قابل تسلیم اور لائق عمل سمجھ لینا تھا۔

بدعات کا اہتمام اور سنت سے احتراز مزاج و معمول یہ بن گیا تھا کہ فرض نمازیں متواتر ترک ہوں تو ہوں، کوئی پروا نہیں، مگر فلاں پیر کے مزار پر وقت مقررہ پر حاضری و فاتحہ ترک نہ ہو—— رمضان المبارک بغیر روزہ رکھے گزر جائیں، تو کچھ حرج نہیں، مگر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کسی صورت میں چھوٹنے نہ پائے—— زکوٰۃ کی ادائیگی سے مسلسل غفلت ہوتی رہے، مگر فلاں فلاں بزرگ کی نذر و نیاز میں دیر نہ ہو۔ قرآن کریم کی سخت وعیدوں کا، جہنم کے شدائد کا تذکرہ، تقریباً ناقابل التفات ٹھہرا تھا، مگر بعض اور مشہور بزرگوں پیروں، فقیروں کی ناراضگی کا خوف، ہر وقت پر مسلط رہتا تھا۔ یہ بیماری اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ بدکار و پیشہ ور عورتوں تک نے، اپنی حرام کاری اور بدکاری کے مختلف مراحل، اور مختلف مصیبتوں کے پیش آنے کے موقع پر متعدد پیروں، فقیروں کی نذریں ماننے، ان کے نام کی قربانی کرنے اور ان سے استغاثہ و فریاد کا طریقہ اپنایا ہوا تھا، ان کے ننگ انسانیت اعمال کے موقع پر ادا کی جانے والی نذروں، اور مختلف کاموں کے لیے کچھ اصول و ضوابط مرتب کئے گئے تھے، جس کیلئے شریعت مطہرہ، کتب فقہ و فتاویٰ کی تعبیرات، جیسے الفاظ جان بوجھ کر وضع کیے گئے تھے، جس کا مقصد احکام ربانی، ائمہ دین ہدیٰ کی تذلیل و تنقیص کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی باتیں کئی معاملات ایسے تھے، جو ملت اسلامیہ کی حد سے گزری ہوئی، اعتقادی و عملی خرابی کے گواہ تھے۔

درخت کو گھن لگ چکا تھا، بات شاخوں سے گزر کر جڑوں تک آ پہنچی تھی، اندیشہ تھا کہ اگر اس چمن کو ایمان

---

(۱) یہ ایک حدیث پاک کا فقرہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحیح راستہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابی عمل پیرا ہیں۔

وعمل کی پرجوش دعوت، اتباع سنت کی مایہ، اور اخلاص وکردار کی خوبیوں سے فوراً سینچانہ گیا، تو اس کا قائم وموجود رہنا سخت مشکل ہے ــــ اس کام کے لیے کئی راستوں سے مسلسل اور طویل جدوجہد درکار تھی، جو یہ تھے۔

ملت اسلامیہ کی اصلاح وتربیت کے تین طریقے یا راستے اوّل: تحریر وتالیف کے ذریعہ توحید میں زیادہ سے زیادہ صلابت وپختگی کی مسلسل غیر مختتم اہمیت کا اظہار واعلان! نیز اس کے مطالبات اور تقاضوں کی، قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے غیر مبہم ارشادات کی روشنی میں، ایسی صاف تصویر کشی کی کہ کسی بھی ایسے سمجھدار اور منصف مزاج شخص کو، جو قرآن شریف اور احادیث شریفہ کی صداقت پر یقین رکھتا ہو، کچھ شبہ باقی نہ رہے۔ اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات میں، شرک کی معمولی سے معمولی اور ہلکی سے ہلکی آمیزش کے شدید نقصانات، اور ایمان ویقین پر اس کے اثرات بد کی ایسی واضح ودلنشیں انداز میں تفصیل وتشریح کی جائے کہ، معمولی تعلیم ولیاقت کے افراد بھی اس کو خوب سمجھ لیں، اور اس کی مدد سے اپنے عقیدہ اور نظریات کا گہرائی سے جائزہ لے کر، صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں اور راہ حق کے مسافر بن سکیں۔

شاہ محمد اسماعیل جانتے تھے کہ، جب تک امت کے سامنے اس کا بھولا ہوا سبق، از سر نو تازہ نہیں کیا جائے گا، اور اس کو قرآنی احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات، جن پر دین کی عمارت استوار ہے، اور جن کے ذریعہ امت کی صلاح وہدایت اور گمراہی وبدعت کا فیصلہ ہوتا ہے، بلا جھجک صاف صاف دہرایا نہیں جائے گا، امت کی اصلاح کی توقع فضول ہے ــــ شاہ شہیدؒ نے شاید اسی جذبہ، اسی خیال کے تحت سب سے پہلے ایسی تحریرات وکتابیں تالیف فرمائیں، جو اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی صحیح صحیح ترجمان ہوں، اور ان کے ذریعہ نہ صرف دین کی اصل بنیادی باتیں، اور معلومات تازہ ہوں، بلکہ ان پر عمل کی پرجوش تحریک بھی پیدا ہو۔ ایسی تحریک جو سدا بہار ہو، اور ایسی جاندار وبااثر جو کسی حادثہ اور لیل ونہار کی گردشوں کی وجہ سے پژمردہ وکمزور نہ پڑے۔ شاہ شہیدؒ کی اصلاحی تالیفات ''ردالاشراک'' اور ''تقویۃ الایمان''، اسی جذبہ کی ترجمان ہیں، جو آج تک قدم قدم پر دعوت عمل دے رہی ہیں۔

دوم: تبلیغ وتلقین اور وعظ وتقریر کے ذریعہ اس دعوت کو خود جدوجہد کر کے، عوام کے کانوں تک پہنچانا، ان کے ایک ایک حلقے، ایک ایک مجمع میں، ہر ایک جلسہ ونشست میں، ہر کوچہ وبازار میں، تمام مسجدوں کے منبروں سے اور تمام عوامی اجتماعات خاص میلوں ٹھیلوں، اور ایسی جگہوں پر بیٹھ کر ایسی آواز لگانا کہ سننے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ، یہی حق کی ندا ہے، یہی کلمہ خیر ہے، اور اسی میں نجات وفلاح ہے۔

ان کے ماحول میں مروج جملہ بدمعاملگیوں، بداخلاقیوں اور شریعت ومنہاج کے خلاف رائج معاملات کا، اسلام اور قرآن وسنت کے خلاف، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقاصد بعثت کے منافی ہونا، ایسے بے غبار دلائل سے دلنشیں کرادیا جائے کہ ان پر ہدایت وگمراہی، طریقۂ دین وشریعت اور راستۂ کفر وظلمت، خود بخود عیاں ہوجائے۔ اس کو پڑھ کر اور سن کر گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، کہ ایک راستہ وہ ہے جس کے بارے میں "مَاأنَاعَلیہِ وَأصْحَابِي"[1] ارشاد فرمایا گیا ہے، اور ایک راستہ وہ ہے جو سیدھا خدا کے دشمنوں کی تقلید، اور جہنم کے گڑھوں تک لے جاتا ہے ــــ ان راستوں کی شناخت میں، قرآن وسنت کے جن دلائل کی ضرورت ہو، عقائد وکلام کے، جن استدلات اور اقتباسات کا موقع آئے، ان کا بھی پوری خوش اسلوبی اور وضاحت وتفصیل کے ساتھ تذکرہ ہو۔ ایسا تذکرہ کہ مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائیں، کہ حق یہی ہے جو کہا جارہا ہے۔ ہم جس راہ کی پیروی کررہے ہیں، وہ ظلمت کی راہ اور سنت وشریعت کا متوازی طریقہ ہے۔

حقیقی طریقہ یہ ہے کہ حضرت شاہ محمد اسماعیل نے اس عظیم خدمت کو بھی ایسے حسن وخوبی اور بے خوفی وبے جگری کے ساتھ سرانجام فرمایا کہ بڑے سے بڑے حوصلہ مندوں اور شیر دلوں کو اس کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ شاہ شہید نے اپنے مواعظ کے ذریعہ لاکھوں کروڑوں افراد کو شریعت کی راہ دکھلائی۔ اتباع سنت کا ذوق پیدا کیا اور زندگی کو صرف حق تعالیٰ اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں بسر کرنے کی طاقتور امنگ بیدار فرمائی۔

سوم: ایسے افراد اور رجال کی جستجو اور تربیت وتیاری، جو خدمت اسلام اور احیائے دین متین کے لیے خود کو قربان کرنے کے لیے، ہمہ وقت تیار ہوں اور ان کی نجی زندگی میں ان کی سیرت وکردار میں، قدم بقدم اتباع شریعت کا احساس، اور سنت کی پیروی کا جذبہ ایسا مستحکم، ایسا راسخ اور شدید تر ہوجائے کہ دنیا کی کوئی آفت، ان کی جان ومال، اولاد وخاندان پر پڑنے والی کوئی بڑی سے بڑی مصیبت، اور سخت سے سخت حوادث اور امتحانات ان کو اس راہ سے سرمو منحرف نہ کرسکیں، کوئی بڑی سے بڑی مشکل ان کی راہ میں روڑا اور ان کی جدوجہد میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ یہ افراد اللہ کی وحدانیت کے تصور میں غرق، اور توحید کے مطالبات تقاضوں، جدوجہد میں مخمور وسرشار ہوں۔ اتباع سنت ان کا شیوہ، اور تعلیم قرآن وسنت ان کا مقصد حیات ہو۔ یہ اپنے ارادوں میں ایسے پختہ اور اپنے نصب العین کے ایسے وفادار ہوں، کہ کسی وقت کسی حال میں بھی ان کا قدم راہ سے بے راہ نہ ہو، اور کوئی

لالچ، کوئی آفت، کوئی مصیبت وافتاد ان کو اپنے مقصد سے غافل ولا پرواہ نہ کر سکے، بلکہ ہر مصیبت سے ان کا عزم تازہ، اور ہر مشکل ان کی کوششوں کو فزوں سے فزوں تر کرنے والی ہو، شاہ محمد اسماعیل اس پہلو سے بھی نہایت کامیاب وبامراد ہوئے۔ ان کو ایسے ایسے افراد اور ایسے مخلص ومستعد، ذی استعداد افراد ملے کہ ان میں سے ہر ایک علم وعمل کا پہاڑ، جہد وکوشش میں بے مثال، اور مصیبت وآفات میں اتباع سنت کے رسوخ میں نادر روزگار تھا۔

شاہ محمد اسماعیل نے ائمہ ھدیٰ اور رہنمایان امت کے ان اصولوں پر عمل کرتے ہوئے، ان تینوں طریقوں، تینوں راستوں پر بیک وقت پوری پوری توجہ مبذول فرمائی ـــ سب سے پہلا کام مسلمانوں کے مرض کی صحیح تعین وتشخیص، اس کے اسباب کا گہرا مطالعہ، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں، اس کے مؤثر دیرپا علاج کی دیرپا تدبیر تھی۔ اس کے لیے شاہ شہید تصنیف وتحریر کی وادی میں سرگرم سفر ہوئے، اور ناقابل تردید دلائل، صحیح ترین احادیث شریفہ اور آیات مبارکہ کے ذریعہ، ایسا عمدہ اور بہترین مرقع تیار فرمایا، جس میں اصلاح وتذکیر بھی تھی، دعوت وتبلیغ بھی، اور انذار وتہدید بھی ان ہی گلدستوں کا نام یا مرقع ''ردالاشراک'' اور ''تقویۃ الایمان'' ہے۔

ردالاشراک کی تالیف ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاہ محمد اسماعیل کے دل میں، امت کی بے راہ روی کا غم نوعمری سے موجزن تھا، اور یقیناً انہوں نے زمانۂ طالب علمی سے، یا اس کے فوراً بعد، اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر اور اس کے ازالہ، اور اصلاح کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں ہوں گی، اور ممکن ہے کہ علمی طور پر اس کے لئے کچھ کیا بھی ہو، مگر اس کا کوئی ریکارڈ اور شہادت دستیاب نہیں۔ تاہم شاہ محمد اسماعیل کی اس سلسلے کی سب سے پہلی تحریری کاوش ردالاشراک ہے۔

''ردالاشراک'' شاہ محمد اسماعیل کی اس وقت تک دریافت تالیفات میں، سب سے پہلی تالیف کہی جا سکتی ہے۔ اس کی صرف یہی اولیت واہمیت نہیں ہے کہ، اس کے ذریعہ شاہ محمد اسماعیل کا معانی آفریں، اسرار کشا اور گوہر بار قلم رواں ہوا، اور دنیائے اسلام کے علمی ذخیرہ میں ایک نئے خزانے کا اضافہ ہوا، حقائق ومعارف کی نئی منزلوں کا سراغ ملا۔ بلکہ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ مختصر سی تالیف، ہندوستانی ملت اسلامیہ کی دینی علمی تاریخ کی، ان کے دینی اصلاحی سفر کی، اور برصغیر کے مسلمانوں کو شرک وبدعات کے ظلمت کدہ میں قرآن وسنت کے پر بہار گلزاروں کی جانب، رہنمائی کرنے والی، اس عہد کی اور اس کے بعد کے زمانوں کی سب سے بہتر، سب سے مؤثر اور معرکہ آرا کتاب ہے ـــ یہی کتاب تھی جس نے ظلمت کدہ ہند میں سب سے پہلے اور بلاخوف خطر نعرۂ توحید بلند کیا اور یہ آواز لگائی کہ:

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

یہی کتاب تحریک سیّد احمد شہید کے لیے نشان راہ بنی۔ یہی کتاب دعوت توحید، دعوت اتباع سنت اور ترک بدعات و رسوم پر اپنے عہد کی اہم دستاویز ہے۔ اسی کتاب کے مطالب نے وسعت اختیار کی، تو وہ ''تقویۃ الایمان'' کی صورت میں رونما ہوئے، اور اسی کتاب کے پیام نے تحریک کی صورت بدلی، تو وہ تحریک سیّد احمد شہید کے قالب میں جلوہ گر ہوئی۔ یہی پیغام جب عمل کی دولت سے معطر و مشکبار ہوا، تو اس سے اعلاء کلمۃ اللہ کا دھارا پھوٹا، اسی سے مسلمانوں کو حیات نو کی نوید ملی، اسی کے ذریعہ برصغیر کے مسلمانوں کا اسلام سے وہ رابطہ استوار ہوا، اور دین وایمان کا وہ رشتہ جو عرصہ سے کمزور ہو رہا تھا، اور اس کے خفیف سے آثار باقی رہ گئے تھے، دوبارہ تازہ و استوار ہوا۔ اسی کی مدد سے علماء کو، ایک مرتبہ پھر احادیث کے گنجینہ سے گوہر تلاش کرنے کا سبق ملا، اسی نے اتباع سنت کی جوت جگائی، اسی نے ''مَنْ أحْدَثَ فِي دِيْنِنا هٰذا فَهُوَ رَدٌّ'' کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، اسی کے ذریعہ اپنی زندگی کو خدا کی راہ میں جیتے جی قربان کر دینے کا حوصلہ ملا۔

غرض اس مختصر سی کتاب نے برصغیر کی ملت اسلامیہ کی، بے شمار پہلوؤں سے مدد و رہنمائی فرمائی۔ قدیم دور کے چند ممتاز علماء کی بعض تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے: لَمْ يَسْبِقْ مِثلهٗ یہی بات، یہی کلمات بلاتردد ''ردالاشراک'' کے متعلق بھی کہے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی تالیف کے بعد سے ''ردالاشراک'' کی تالیف تک، ''ردالاشراک'' پہلی کتاب ہے، جس نے مسلمانوں کو اسلام صحیح کی طرف لوٹ آنے کی، توحید پر استقامت کی، سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی، اور ہر خلاف سنت چیز کو، ہر ایک رسم کو، ہر بدعت کو ترک کر دینے نہایت طاقتور اور صاف دعوت دی۔ اگر چہ اس سے پہلے سو سال میں، اس موضوع پر دو تین کتابیں اور بھی لکھی گئی تھیں، مگر ان کا آہنگ ایسا بلند، ان کی دعوت ایسی مدلل، اور ان کی تاثیر ایسی عالم میں آشکار نہیں ہوئی۔

''ردالاشراک'' اگرچہ دیکھنے میں ایک مختصر سی کتاب ہے، مگر اس میں ایک جہان معنی آباد ہے۔ قرآن پاک کی آیات سے، حق تعالیٰ شانہ کے بے مثل و بے مثال ہونے کو دلائل اور خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ احادیث نبویہ سے بھی ایسا حسن استدلال ہے، جس کی نظیر مشکل ہے۔ شرک کے اثرات کا مختلف حیثیتوں سے اظہار، اتباع سنت

(۱) ملاحظہ ہو: ''ردالإشراك'' مرتبہ محمد عزیز شمس (لاہور: ۱۴۰۴ھ) نیز الإدراك لتخريج أحاديث ردّالإشراك، نواب صدیق حسن خاں مشمولہ، قطب الثمر لعقيدة اهل الاثر (مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۰ھ)

(۲) شاہ محمد اسماعیل شہید، مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی (لکھنؤ ۱۹۷۷ء)

کے ضروری اور لازم ہونے اور بدعات سے دوری اور حفاظت کے واجب ہونے کو، اور ان دونوں کی مختلف قسموں کو احادیث شریفہ کی روشنی میں، گویا آئینہ کر دیا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی مثال، اس پر بلا تردد صادق آتی ہے۔ اختصار کے باوجود اس بحث وعقیدہ کے اکثر گوشوں کی جامع ہے۔ مؤلف کے قلم کی تیز رفتاری، مباحث کی جلد جلد تبدیلی اور احادیث ودلائل کی کثرت کے باوجود، احتیاط اور دل جمعی کی کیفیت ذرا متاثر نہیں ہوتی۔ قاری اطمینان کی اسی کیفیت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، جو ایک مفصل جامع بحث پڑھنے کے بعد ہوتی ہے، جس سے ذہن کے دریچے کشادہ، اور قلب ودماغ مسرور ومطمئن نظر آتے ہیں۔

اس قطعہ تاریخ کی اہمیت ومعنویت، اور اس کے ذریعہ "ردالاشراک" کے سن تالیف، ۱۲۱۳ھ کا تعین

"ردالاشراک" عربی میں ہے اور اس کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے:

"اعلم أنّ الإشراك ...الّذى أنزل الكتب الالٰهية لإبطاله وبعث الأنبياء لمحقه...ليس مقصوراً على أن يعتقدأحد أنّ معبو ده مماثل للربّ تبارك وتعالىٰ فى وجوب الوجود، أوإحاطة العلم بجميع الكائنات،أوالخالقيةلأصول العوالم،كالسّماء والأرض، أوالتّصرّف فى جميع الممكنات"

یہ آغاز نسخۂ لکھنؤ اور "الادراک"[1] کے مطابق ہے، مگر "ردالاشراک" کی اور خطی نسخوں کے باب الاجتناب کی "الاشراک" سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس کے اختتام پر یہ الفاظ درج ہیں:

"قال المؤلّف: هذه أبواب من التزيين، قدنهى النّبى صلى الله عليه وسلم عنها، وأبواب أخرمنه تركنا هامخافة التّطويل"

اگر چہ ہر دو جانب سے موجودہ مباحث مکمل ہیں، مگر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا ابھی کچھ اور ارادہ تھا، مگر ان کو اس کا موقعہ نہ ملا، جس کی وجہ سے آخری مباحث، خصوصاً بالکل آخری صفحات وسطور نامکمل ہیں اگر مؤلف نے ان ہی سطور پر، جو متعارف نسخوں کی آخری سطور ہیں، اپنی کتاب ختم فرمادی تھی، تو اس میں ایسے الفاظ یا اشارات ضروری تھے، جو عام طور پر آخر کتاب میں مصنّفین کا معمول ہوتے ہیں، اور ان سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ، یہاں کتاب ختم ہو رہی ہے۔ ان الفاظ کی عدم موجودگی کے باوجود، اگر چہ کتاب کا ہر باب اپنی اپنی جگہ اطمینان بخش،

قلب کشا، اور پر اثر ہے، مگر اس سوال کی گنجائش باقی ہے کہ، کیا کتاب پورے طور پر مکمل ہوگئی تھی یا تشنۂ تکمیل رہی؟

"ردالاشراک" کا شاہ محمد اسماعیل کا نوشتہ، قطعہ تاریخ "ردالاشراک" کب لکھی گئی، میری ناچیز معلومات کے مطابق کسی مؤرخ و تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا، مگر اس کے ایک قلمی نسخہ کے آخر میں، جو بظاہر مؤلف کی حیات کا لکھا ہوا قدیم ترین دستیاب نسخہ ہے، فارسی کے یہ چار شعر درج ہیں، جو خود مؤلف "ردالاشراک" یعنی شاہ محمد اسماعیل کی یادگار ہیں۔

گوید ایں بندۂ ضعیف و رذیل　　نام او ہست عاجز اسماعیل
ایں احادیث چند جمع شدہ　　کہ ازاں اصل شرک قمع شدہ
طرفہ تر آنکہ ایں حدیث نبی　　شد مؤید بقول رب قوی
آنچہ تقدیم اولاً کردم　　رداشراک مجملاً کردم[۲]

ترجمہ:

یہ ضعیف و ذلیل بندہ جس کا نام محمد اسماعیل ہے، کہتا ہے کہ میں نے چند یہ احادیث جمع کی ہیں، جن کے ذریعہ شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ ان احادیث کی قادر مطلق کے ارشادات سے تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہہ دیا ہے (ان کے ذریعہ) رداشراک پر مختصر روشنی پڑتی ہے۔

مذکورہ بالا اشعار متعدد مضامین و تحریرات میں، بار بار نقل ہوئے ہیں، مگر کسی بھی ناقل نے ان کی معنویت پر کچھ توجہ نہیں فرمائی۔ سوچنے کی بات تھی کہ "ردالاشراک" کا اول سے آخر تک، ایک ایک حرف عربی میں ہے، اور اس کا موضوع قرآن و حدیث کے حوالہ سے ردشرک و بدعات ہے، اور اس تالیف کا فارسی زبان و ادب سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔ اس کے باوصف "ردالاشراک" کا مصنف، اپنی اس عربی کتاب میں فارسی میں کچھ لکھتا ہے، تو ضرورت تھی کہ اس کو توجہ سے پڑھا جاتا۔ ایسے موقعوں پر ایسے مندرجات، اگر مؤلف کتاب کے علاوہ، کسی اور کے بھی ہوتے　تو ان کے مفہوم کو بھی نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہوتا، اور جب مصنف اپنی روش سے ہٹ کر اور مصنّفین کے عام معمول و طریقے کے خلاف، حدیث و عقائد کی عربی میں لکھی ہوئی کتاب پر، فارسی شعر لکھ رہا ہے تو اس کی غیر معمولی اہمیت تھی۔ یقیناً اس پیرائے میں مصنف کتاب کے کسی ایسے پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے، جس کا کتاب میں تذکرہ نہیں آیا ـــ اگر ان اشعار کا مقصد کتاب کے علمی افادی پہلو، یا اس کی

خصوصیات وامتیازات کے متعلق کچھ کہنا ہوتا، تو کم ازکم مصنف خود اس کی زحمت نہ فرماتے۔ نیز ایسی صورت میں ان اشعار کا عربی میں ہونا زیادہ بہتر تھا، مگر زیر نظر اشعار اس سے قطعاً مختلف ہیں، اور اس تالیف کے کسی ایسے پہلو کی جانب اشارہ کررہے ہیں، جس کی عربی شعر میں روایت نہیں ہے۔

دراصل یہ اشعار ردالاشراک کا قطعہ تاریخ ہیں، ان کے ذریعہ حضرت مصنف نے اپنی اس تاریخ ساز تالیف کا سنہ تالیف، محفوظ ومنضبط فرمایا ہے، جو ۱۲۱۳ھ (۹۸-۱۷۹۷ء) ہے۔ یہ ۱۲۱۳ھ اس قطعہ تاریخ کے پہلے شعر، نیز بعض اور فقروں اور مختلف ترتیبات سے بھی نکل رہا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک اتفاق نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ وفقرات خوب سوچ سمجھ کر ایک لڑی میں پروئے گئے ہیں، اور ان کا مقصد ردالاشراک کے سنہ تالیف کی وضاحت کرنا ہے۔ ان اشعار سے ''ردالاشراک'' کا سنہ تالیف معلوم ہونے کے علاوہ، شاہ شہید کے علم وکمال اور ان کی خداد قابلیت وصلاحیت کا ایک اور پہلو بھی ضمناً نمایاں ہورہا ہے، وہ یہ کہ شاہ محمد اسماعیل کو معقولات ومنقولات میں، غیر معمولی فضیلت وکمال کے ساتھ، تاریخ گوئی میں بھی استادانہ مہارت حاصل تھی۔ شاہ شہید نے ان سادہ سے فقروں مصرعوں میں، اسی مہارت وکمال کی جلوہ گری فرمائی ہے، اور اس کے مختلف گوشوں اور الفاظ کو اس طرح مرتب فرمادیا ہے، کہ ان کے ذریعہ سے معمولی غوروفکر سے ردالاشراک کا سنہ تالیف ۱۲۱۳ھ اخذ کیا جاسکے۔ میری ناچیز تلاش وجستجو کے مطابق یہ ۱۲۱۳ھ اس قطعہ تاریخ اور اشعار کے پہلوؤں سے تین طرح سے برآمد ہوتا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

الف: اس ضمن میں پہلا شعر تو اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے غوروفکر کی بھی چنداں ضرورت نہیں، صرف اعداد کی معمولی واقفیت اس عقدہ کی گرہ کشائی کے لیے کافی ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرعہ کے کل اعداد دوہزار انہتّر (۲۰۶۹) ہوتے ہیں، اور دوسرے مصرعہ کے کل عدد آٹھ سو چھپّن (۸۵۶) ہیں، یہ مؤخر الذکر عدد، پہلے عدد میں سے نکال دیجئے تو بارہ سو تیرہ باقی رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ سنہ تالیف ہے، جس کی طرف مؤلف ''ردالاشراک'' اشارہ کررہے ہیں۔

تفصیل گوشوارہ اسطرح ہے۔

گوید	ایں	بندۂ	ضعیف	ورذیل	
۴۰	۶۱	۶۲	۹۶۰	۹۴۶	=۲۰۶۹ کل عدد

(۱) یہاں بھی ایک سونو [۱۰۹، ملفوظی اعداد] مراد لئے گئے ہیں

نام او	ہست	عاجز	اسماعیل	
۹۸	۴۶۵	۸۱	۲۱۲	=۸۵۶ خارج کئے

باقی رہے ۱۲۱۳ھ

شاہ محمد اسماعیل نے اس قطعہ تاریخ کی آخری شعر ''آنچہ تقدیم اولاً کردم'' میں، غالباً اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

ب: نیز چوتھے شعر کے آخری مصرعہ ''رد الاشراک مجملاً کردم'' کے کل اعداد گیارہ سو چار (۱۱۰۴) کے ساتھ اگر اسی شعر کے پہلے مصرعہ کے سب سے پہلے لفظ ''آں چہ'' کے اعداد آں چہ میں دونوں مراد لے لیے جائیں، اس کے مجموعی اعداد ایک سو نو (۱۰۹) عدد رد اشراک مجملاً کردم کے مجموعی اعداد کے ساتھ شامل کر لیے جائیں۔ تو اس کے مجموعہ سے بھی ۱۲۱۳ھ نکلتا ہے۔ ترتیب اعداد یہ ہے:

آں چہ	رد	اشراک	مجملاً	کردم	
۱۰۹	۲۰۴	۵۲۲	۱۱۴	۲۶۴	=۱۲۱۳

ج: اس قطعۂ تاریخ کے آخری تینوں شعروں (دوسرے، تیسرے چوتھے) کے مصرعوں کے اعداد میں، بظاہر کوئی مطابقت یا تناسب نہیں ہے، نہ صرف تینوں شعروں، بلکہ ہر شعر کے پہلے دوسرے مصرعہ کے اعداد میں بھی یکسانیت نہیں ہے، مگر اس اختلاف اعداد میں بھی ایک ہنر پوشیدہ ہے۔ اس اختلاف کے ذریعہ بھی فن تاریخ گوئی کی ایک اور صنعت کا اظہار ہوا ہے۔ جو یہ ہے کہ اگر تینوں اشعار کے پہلے دوسرے مصرعہ کے اعداد میں جو تفاوت ہے، اس کو یکجا کر لیا جائے تو اس کا مجموعہ بھی ۱۲۱۳ھ ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

پہلا شعر:

ایں	احادیث	چند	جمع	شدہ	
۶۱	۵۲۴	۵۷	۱۱۳	۳۰۹	=۱۰۶۴

کہ ازاں[1] اصل شرک قمع شدہ

(۱) اس آخری پہلو یا صنعت کی جانب مکرمی شاہد نوحی مظفرنگری نے (جو نوح ناروی کے شاگردوں میں تھے) میری رہنمائی کی، ان کا ممنون و شکرگزار ہوں۔ جزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء.

(۲) حکیم غلام محی الدین طبیب میرٹھی کے ذخیرہ کی بعض خصوصیات کا، مولانا امتیاز علی عرشی نے اپنے ایک مضمون میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ''مقالات عرشی'' (جلد اوّل، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور)۔

۲۵	۱۰۹	۱۲۱	۵۲۰	۲۱۰	۳۰۹	=۱۲۹۴
					فرق	۲۳۰

دوسرا شعر:

طرفہ	تر	آں کہ	ایں	حدیث	نبی	
۲۸۹	۶۰۰	۷۶	۶۱	۵۲۴	۶۲	=۱۶۱۵
شد	موئید	بقول	رب	قوی		
۳۰۴	۶۱	۳۸	۲۰۲	۱۱۶		=۸۲۱
						فرق ۷۹۴

تیسرا شعر:

آں چہ	تقدیم	اولاً	کردم	
۵۹	۵۵۴	۳۸	۳۶۴	=۹۱۵
رد	اشراک	مجملاً	کردم	=۱۱۰۴ فرق ۱۸۹

اب تینوں اشعار کے اس تفاوت کو یکجا کر لیجیے، نتیجہ حاضر ہے:

۲۳۰ + ۷۹۴ + ۱۸۹ = ۱۲۱۳ھ (۱)

اس تجزیہ کے بعد اس میں کچھ شک نہیں رہ جاتا، کہ رد الاشراک ۱۲۱۳ھ/ ۹۸-۱۷۹۷ء کی تالیف ہے۔ اس وقت شاہ محمد اسماعیل کی عمر صرف انیس ۱۹ بیس ۲۰ سال کی تھی، (ولادت: ۱۱۹۳ھ) گویا نوعمری میں ہی شاہ محمد اسماعیل شہید کی نگاہ ایسی بلند، فکر ایسی صائب، مشاہدہ ایسا غضب کا تھا، کہ انہوں نے اسی وقت مسلمانوں کے مرض کا صحیح ادراک فرما لیا تھا، اور ان کے علاج وشفا کی واحد تدبیر اور اس گراوٹ اور پستی سے نکلنے کی تیر بہ ہدف تدبیر اور صراط مستقیم بھی منتخب فرمادی تھی، کہ جس پر چل کر وہ اپنی کشتی کو کنارے لگا سکتے تھے اور اپنی منزل آسان و درست کر سکتے تھے۔ شاہ شہید کی یہی خوبی اور یہی دقت نظر ہے، جس نے ان کو اپنے عہد اپنے معاصرین اور متاخر دور کا امام وپیشوا بنا دیا ہے۔ و ذلك فضل الله.

(۱) تذکرہ شاہ محمد اسماعیل، از مولانا نسیم احمد فریدیؒ ص: ۳۵ (لکھنؤ: ۱۹۷۷ء)

(۲) فہرست نسخہائے خطی عربی ندوۃ العلماء، مرتبہ ادارہ تحقیقات فارسی ایران، ص: ۳۲۵ (دہلی: ۱۴۰۶ھ)

''ردالاشراک'' کے خطی نسخے ''ردالاشراک'' تحریک سیّد احمد شہید کے زمانہ میں اگرچہ نہایت مقبول ومتعارف تھی اور بہت کثرت سے اس کی نقلیں کی جاتی تھیں، مگر اس کی تالیف پر تقریباً دوسو سال گزر جانے، نیز ۱۸۵۷ء و ۱۹۴۷ء وغیرہ کے حادثوں میں، علمی ذخیروں کی بڑی تعداد میں بربادی کی وجہ سے، اس کے موجودہ خطی نسخوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ جن قلمی نسخوں کا مجھے علم ہے ان کا کسی قدر تعارف حاضر ہے:

۱- نسخہ میرٹھ مکتوبہ در حیات مؤلف یہ نسخہ میرٹھ کے ایک مدرسہ میں مولانا نسیم احمد فریدی کے ملاحظہ سے گزرا تھا، مولانا نے اس کا مختصر سا تعارف کرایا ہے۔ مولانا کی اطلاع کے مطابق یہ نسخہ ''ردالاشراک'' کا قدیم ترین نسخہ ہے، جو غالباً مؤلف کی حیات کا لکھا ہوا ہے اور میرٹھ کے مشہور طبیب حکیم غلام محی الدین کے کتب خانہ کی چند باقی ماندہ کتابوں میں سے ہے۔ حکیم غلام محی الدین کا کتب خانہ اس عہد میں اپنی وسعت اور بعض خصوصیات میں ممتاز تھا۔[۲] مولانا فریدی نے لکھا ہے کہ:

مجھے میرٹھ کے ایک قدیم مدرسہ اسلامیہ کے کتب خانہ میں، اس کا ایک قلمی نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

''ردالاشراک فی علم الحدیث تالیف مولوی محمد اسماعیل برادرزادہ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم دہلوی المحدث، از کتب خانہ حکیم غلام محی الدین طبیب ساکن میرٹھ''

اس پر حکیم صاحب مذکور کی مہر بھی ہے، جس میں غالباً ۱۲۴۳ھ کندہ ہے[۱]۔ میری معلومات کے مطابق یہ نسخہ ہنوز موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض تنازعات کی بنا پر یہ ذخیرہ بند پڑا ہے، اس لیے میرے لئے اس سے براہ راست رجوع ممکن نہ ہوسکا۔ اسی نسخہ پر وہ اشعار درج ہیں، جو ردالاشراک کے سن تالیف کے گواہ اور شاہ اسماعیل کی ایک نادر شعری یادگار ہیں۔

۲- نسخہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ مدرسہ ''صولتیہ'' کے کتب خانہ میں ''ردالاشراک'' کا خط نسخ میں لکھا ہوا، ایک صاف ستھرا نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ''حسن''؟ نے کتابت کیا ہے مگر کاتب نے اپنی نسبت یا کسی تعارفی لاحقے

---

(۱) ندوۃ کے مذکورہ بالا نسخوں کی ورق گردانی کا بھی بفضلہٖ تعالیٰ مجھے موقع ملا ہے اول الذکر کے شروع وآخر صفحات کا عکس ہمارے ذخیرہ میں ہے ان دونوں نسخوں کا فہرست نسخہائے خطی عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء ادارہ تحقیقات فارسی ایران (دہلی ۱۴۰۶ھ) میں ذکر ہے۔ نیز جناب محمد شمس نے بھی مقدمۂ ردالاشراک، ص:۱ (لاہور: ۱۴۰۴ھ) میں اس کا تعارف کرایا ہے۔

(۲) مقدمہ ردالاشراک، محمد عزیز شمس، ص:۴ (لاہور ۱۴۰۴ھ) (۳) کتاب مذکور، ص:۵

(۴) حوالہ مذکور

کا ذکر نہیں کیا، اوراس پر سن کتابت بھی نہیں ہے۔ تاہم قلم کاغذ سے تقریباً اواخر تیرہویں صدی ہجری کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ نسخہ راقم سطور نے دیکھا ہے۔

۳- نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی، علامہ شبلی لائبریری میں ردالاشراک کے دو نسخے موجود ہیں۔(۲) ایک نستعلیق خط میں تیس صفحات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ ۱۲۷۰ھ میں عبدالعلی ساکن............؟ کے قلم سے نقل ہوا ہے۔ آخر میں تحریر ہے:

> "تمّت هذه الرِّسالة بيدالضعيف الرّاجى رحمة الله عبدالعلى غفرالله له ولوالديه وأحسن إليهاوإليه،ضحوة يوم الخميس، ثالث وعشرين من محرم، سنة ألف ومائتين وسبعين من الهجرة النبوية ،صلى الله عليه وسلم فى مقام موضع.....؟
> وقد انستخ من النّسخة الممسوخة التى كان لدى الفاضل الجليل،حاجى الحرمين الشَّريفين،مولوى عبدالباسط،جائسى زيدمجدهم"

۴- نسخہ دوم ندوۃ العلماء لکھنؤ یہ نسخہ بھی خط نستعلیق میں ہے، اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے شروع میں حضرت مؤلف سے منسوب، ایک مختصر تمہید یا آغاز تالیف بھی شامل ہے، جو عموماً اور نسخوں میں نہیں ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ نسخہ آخر سے ناتمام ہے۔ اس لیے اس کے کاتب اور سن کتابت کا علم نہیں ہوتا۔ موجودہ حالت میں اس کے اٹھارہ صفحات ہیں۔(۱)

۵- نسخہ راندیر مدرسہ حسینیہ راندیر کے کتب خانہ میں بھی "ردالاشراک" کا ایک نسخہ موجود ہے، یہ نسخہ رواں نستعلیق میں کتابت ہوا ہے، اور تقریباً تیرہویں صدی کا مخطوطہ معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک سفر کے دوران راندیر حاضر ہوا، مگر وقت کی کمی کی وجہ سے اس نسخہ کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا، اطمینان سے دیکھنے اور تعارف قلم بند کرنے کا موقع نہیں ملا، اور مجھے اس میں بھی معمولی سا شک ہے کہ یہ نسخہ مدرسہ حسینیہ راندیر میں دیکھا تھا یا جامع تعلیم الدین ڈابھیل میں۔ غالب گمان یہی ہے کہ اول الذکر ذخیرے میں ہے۔

۶- نسخہ دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور دیال سنگھ کی لائبریری میں بھی اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ خط نستعلیق میں کتابت شدہ، یہ نسخہ ۵ محرم الحرام ۱۲۵۷ھ/ ۲۸ فروری ۱۸۴۱ء میں مکمل ہوا تھا۔ یہ نسخہ

(۱-۲-۳) حوالے ترتیب وار اس طرح ہیں: شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان، ص: ۹-۱۴، ۲۱، ۵۷، ۶۴

دریافت نسخوں میں دو وجہوں سے ممتاز ہے، جن نسخوں میں سن کتابت درج ہے، ان میں سب سے پرانا ہے۔ اور اس میں جناب محمد عزیر شمس کی اطلاع کے مطابق، تصحیف و تحریفات بھی کم ہیں۔[۲]

۷- نسخہ خدا بخش، پٹنہ خدا بخش لائبریری کا نسخہ اگرچہ بظاہر مکمل ہے، مگر نہایت غلط بلکہ مسخ شدہ ہے۔ عزیر شمس صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے اغلاط سے پُر اور ایسا گمراہ کن کوئی اور نسخہ نہیں دیکھا۔ اس پر بھی سن کتابت درج نہیں۔[۳]

۸- نسخہ گھوسی اعظم گڑھ ایک اور نسخہ مولانا ظفر احمد ندوی (گھوسی، اعظم گڑھ) کے ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے۔ عزیر شمس صاحب نے اس کا مجملاً تذکرہ کیا ہے۔[۴]

۹- نسخہ جامعہ ہمدرد، دہلی جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے نذیریہ کلیکشن کی دستی فہرست میں، ایک خطی نسخہ ''تقویۃ الایمان مترجم'' کے نام سے درج ہے، یہ نسخہ ۱۲۶۳ھ کا مکتوبہ اور ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم سطور نے لائبریری میں ایک سے زائد موقعوں پر اس نسخہ کو تلاش کیا مگر افسوس ہے اپنی جگہ پر نہیں ملا۔ اس لیے اس سے براہ راست استفادہ نہ ہوسکا، تاہم میرا خیال ہے کہ یہ تقویۃ الایمان مترجم نہیں ہے، کیونکہ ''تقویۃ الایمان'' کے حامل متن عربی کے ترجمہ کا کوئی تُک نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ ردالاشراک مترجم ہو؟

۱۰- ردالاشراک کا ایک جعلی اور محرف نسخہ مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے اپنی تالیف ''شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان'' میں اس پر خاص زور دیا ہے کہ، تحریک سیّد احمد شہید یا شاہ محمد اسماعیل کا پیام صلاح و فلاح دراصل شیخ محمد عبدالوہاب نجدی کی تحریکی اصلاحی جدوجہد کی توسیع، اور شاہ محمد اسماعیل کی تالیف ''تقویۃ الایمان'' شیخ محمد عبدالوہاب کی کتاب ''ردالاشراک'' کا چربہ ہے۔ مولانا زید نے اپنے اس خیال کی تائید کے لیے ردالاشراک (اپنے ذاتی ذخیروں میں موجود) کے ایک قلمی نسخہ کے حوالہ سے، جس پر کاتب کا نام ہے نہ سن کتابت درج ہے۔ تقویۃ الایمان اور ردالاشراک کے ابواب، عنوانات اور مباحث میں یکسانیت تلاش کرنے کی کوشش ہے اور دونوں کے اقتباسات و مندرجات کے ذریعہ یہ بتانا چاہا ہے کہ تقویۃ الایمان، جزوی ترمیم کے بعد

(۱-۲) حوالے ترتیب وار اس طرح ہیں: شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان، ص:۹-۱۴، ۲۱، ۵۷، ۶۴

(۳) نزہۃ الخواطر، اتحاف النبلاء، الیانع الجنی وغیرہ۔

(۴) شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان، ص:۴۶ (طبع دوم دہلی ۱۴۰۴ھ)

(۵) تذکرہ شاہ محمد اسماعیل، ص:۳۳-۳۴ (لکھنؤ ۱۹۷۷ء)

ردالاشراک سے اخذ کی گئی۔ مولانا نے اپنے اس خیال کو بار بار دہرایا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''اب مولانا اسماعیل دہلوی کا ظہور ہوا، وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بھتیجے تھے۔ ان کا میلان محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف ہوا، اور نجدی کا رسالہ ردالاشراک ان کی نظر سے گزرا، اور انہوں نے تقویۃ الایمان لکھی''[۱]

''مجھ کو تقویۃ الایمان میں وہابیت کے اثرات نظر آئے، لہٰذا میں نے مختصر طور پر محمد بن عبدالوہاب کے حالات کا مطالعہ کیا، اور ان کے رسالہ ''ردالاشراک'' کا دقیق نظر سے مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ مولانا اسماعیل نے جو کچھ اس رسالہ میں لکھا ہے، نجدی ردالاشراک سے لیا ہے''[۲]

''محمد بن عبدالوہاب کا یہ مختصر رسالہ ۱۲۲۱ھ میں تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچ گیا تھا، چنانچہ ہندوستان میں بھی پہونچا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی حیات میں دہلی پہنچا اور مولانا اسماعیل نے جزوی ردوبدل کے ساتھ تقویۃ الایمان کے نام سے مشہور کیا''[۳]

مولانا زید نے اور بھی کئی موقعوں پر نجدی، کے رسالہ ردالاشراک اور تقویۃ الایمان کی مطابقت و یکسانیت کا، ذکر کیا ہے۔ ایک موقعہ پر رقم ہے:

''نجدی نے اپنے رسالہ کے شروع میں لکھا ہے، کہ یہ رسالہ دو ابواب پر مرتب ہے، پہلا باب رد شرک میں اور دوسرا رد بدعت میں! اب ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا اسماعیل تقویۃ الایمان کے شروع میں لکھتے ہیں، اس میں دو باب ٹھہرائے گئے، حالانکہ موجود ایک ہی باب ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ ۷ محرم ۱۲۲۱ھ کو جو رسالہ مکہ مکرمہ بھیجا ہے، اس میں ایک ہی باب ہے، مولانا اسماعیل نے نجدی کے رسالہ ردالاشراک کو ہر وجہ سے اپنایا ہے''[۱]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب نے جو کچھ کہا، مولانا اسماعیل نے بھی وہی کہہ دیا''[۲]

اس نسخہ کے متعلق مولانا زید ابوالحسن کی غلط فہمی، چند پہلو مولانا زید نے شاہ محمد اسماعیل اور

(۱) الفرقان، مولانا نسیم احمد فریدیؒ نمبر: حاشیہ، ص:۱۸۴

تقویۃ الایمان کی، شیخ محمد بن عبدالوہاب سے مطابقت اور شاہ شہید کا مقلد شیخ نجد ہونا، اپنے اسی نسخۂ ردالاشراک کی بنیاد پر ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے مگر یہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز حقیقت ہے کہ مولانا زید ''ردالاشراک'' کے نام سے جس تالیف کا تذکرہ کررہے ہیں، اس کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیفات اوران کی تحریک کی تائید میں مرتب، تالیفات سے دور کا بھی کچھ واسطہ و تعلق نہیں ہے، اور خود مولانا زید بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں، کہ ردالاشراک شاہ محمد اسماعیل کی تالیف ہے، کیونکہ ایسے متعدد اہم آخذ، جن میں ''ردالاشراک'' کی تالیف شاہ محمد اسماعیل کی تالیف ہونے کی صراحت ہے، مولانا زید کے پیش نظر رہے ہیں[۳] خصوصاً مولانا نسیم احمد فریدی کی تالیف ''تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہید'' کا مولانا زید نے کئی جگہوں پر حوالہ دیا ہے، اوراسی کے حوالہ سے شاہ محمد اسماعیل کی تالیفات کی فہرست نقل کی ہے،[۴] مگر مولانا زید اس فہرست میں ردالاشراک کا تذکرہ نظر انداز فرما گئے ہیں، جب کہ مولانا فریدی نے صاف لکھا ہے:

''اس کتاب (تقویۃ الایمان) کا متن ردالاشراک ہے، جس میں آیات قرآنی اوراحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں''[۵]

دوسری بات یہ ہے کہ ردالاشراک نامی کوئی تحریر یا رسالہ، شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیفات میں درج نہیں ہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جملہ تالیفات ورسائل یکجا کرکے بارہ جلدوں میں شائع کردیے گئے ہیں، اس میں پوری ایک جلد توحید وعقائد کے موضوع پر ہے، لیکن اس جلد میں ردالاشراک نامی کوئی تحریر شامل نہیں ہے۔

مولانا زید کی اس انکشاف نما اطلاع کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مجموعۂ تالیفات سے رجوع فرمایا، اور ایک ایک رسالہ کی عبارات کا، مولانا زید کی نقل کی ہوئی عبارتوں سے مقابلہ کیا، تو معلوم ہوا کہ مولانا زید کی نقل کی ہوئی عبارات کا، شیخ محمد بن عبدالوہاب سے انتساب صحیح

(۱) سیف الجبار، مولوی فضل رسول بدایونی ص:۹۴ (انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ ۱۲۸۷ھ)

(۲) مثلاً احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی الکوکبة الشهابیه فی کفریات ابی الوهابیة، مؤلفہ ۱۳۱۲ھ ص:۵۹-۶۰ بار دوم (مطبع اہل سنت و جماعت بریلی: جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ)

(۳) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقهاء المحدثین ص:۸۰ (نظامی کانپور:۱۲۹۰ھ)

(۴) ملاحظہ ہو سلسلة العسجد، ص:۶۷ (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ) اس میں، ص:۶۷ پر الإدراك کا ذکر ہے، ص:۸۸ پر۔ قطف الثمر کا، اور ص:۸۶ پر تقویۃ الایمان کے خطی نسخہ کا، ردالاشراک کا اس پوری فہرست میں کہیں تذکرہ نہیں۔

نہیں۔ حضرت مولانا نعمانی نے تحریر فرمایا ہے:

''شیخ محمد بن عبدالوہاب کی مختلف موضوعات پر، چھوٹی بڑی تمام تصانیف، اب سے قریباً چار پانچ سال پہلے، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کی طرف سے، ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہیں۔ ان میں ایک ضخیم مجموعہ وہ ہے، جس میں توحید اور شرک سے متعلق ان کے چھوٹے بڑے تمام رسائل جمع کردیے گئے ہیں، ان میں کتاب التوحید، کشف الشبہات وغیرہ ان کی معروف کتابیں شامل ہیں اور ان کے علاوہ اس موضوع سے متعلق، چھوٹے بڑے متعدد رسائل ہیں، ان میں رد الاشراک نام کا کوئی رسالہ نہیں ہے''[1]

اس اقتباس سے یہ حقیقت بالکل آئینہ ہوگئی ہے، کہ مولانا زید نے رد الاشراک کے نام سے، جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، اور جو اقتباسات نقل کئے ہیں، وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی مؤلفات میں سرے سے شامل ہی نہیں ہیں۔ مجھے مولانا زید کے نسخہ سے استفادہ کا موقع نہیں ملا، اس لیے حتمی طور پر اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم قیاس ہے کہ یہ رسالہ مولانا شہید کی رد الاشراک کا محرف بلکہ جعلی نسخہ ہے، اگر چہ بظاہر یہ مولانا شہید کی تالیف معلوم ہوتی ہے، مگر ناقل نے ناواقفیت کے سبب یا جان بوجھ کر، اس کے مضامین ومطالب میں کمی زیادتی کی ہے اور اس غلط فہمی کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے، اس کو شیخ محمد بن عبدالوہاب سے منسوب کردیا ہے۔ ایک زمانہ میں جب شاہ شہید کے خلاف ایک حلقہ بہت سرگرم تھا ممکن ہے کہ اس وقت، شاہ محمد اسماعیل شہید کے کسی مخالف ومعاند نے یہ حرکت کی ہو۔

اگرچہ مولانا زید صاحب نے اس نسخہ کے متعلقات سن کتابت اور کاتب وغیرہ کا نام نقل نہیں کیا، مگر مولانا کے طرز بیان سے ترشح ہوتا ہے کہ، خاصا پرانا نسخہ ہے، بہرطور اس کو رد الاشراک کا جعلی نسخہ قرار دینا صحیح ہے۔

تقویۃ الایمان کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتابوں کا چربہ کہنا اہل بدعت کی پرانی عادت اور معمول ہے، مولوی فضل رسول بدایونی[1] اور ان کے ہم نوا علماء[2] نے بھی تقویۃ الایمان کو محمد بن عبدالوہاب کی مشہور تالیف ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ یا چربہ قرار دیا تھا۔ جس وقت یہ بات کہی گئی تھی اس وقت ہندوستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیف کتاب التوحید عموماً دستیاب ہی نہیں تھی۔ اب جب کہ کتاب التوحید کا متن اس کے ترجمے

(۱) أرواح ثلثہ، ص: ۸۰ مکتبہ تالیفات اشرفیہ (تھانہ بھون: بلاسنہ)

اور شروحات برصغیر ہندوستان میں عموماً دستیاب ہونے لگے، تو اس غلط بات کو دہرانا ترک کر کے یہ کہنا مناسب خیال کیا گیا کہ یہ کتاب التوحید کا نہیں بلکہ شیخ نجدی کی ایک اور تالیف رد الاشراک کا ترجمہ ہے، حالانکہ پہلی بات کی طرح تازہ اطلاع بھی سراسر غلط و بے حقیقت ہے۔

رد الاشراک کے وہ اہم نسخے جن کا سراغ نہیں ملا ان میں سب سے پہلا اہم ترین نسخہ وہ ہے، جو نواب صدیق حسن خاں کے والد ماجد، مولانا اولاد حسن قنوجی نے نقل کیا تھا، یہ نسخہ نواب صدیق حسن خاں کے پاس محفوظ تھا۔ نواب صاحب نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ایں ہر دو رسالہ رد الاشراک و تقویۃ الایمان، بخط والد ماجد فقیر، نزد فقیر موجود اند''[۳] یہ دونوں رسالے رد الاشراک اور تقویۃ الایمان، والد ماجد کے قلم سے لکھے ہوئے میرے پاس موجود ہیں۔

بعد میں اس نسخہ کا کیا ہوا، معلوم نہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ نسخہ نواب صاحب کی حیات میں ضائع یا گم ہو گیا تھا، کیونکہ نواب صاحب کے کتب خانہ کی جو خاصی طویل فہرست، خود نواب صاحب کی تالیف ''**سلسلة العسجدفی ذکر مشائخ السند**'' کے آخر میں شامل ہے[۴] اس میں رد الاشراک کا نام درج نہیں۔ حالانکہ اس میں تقویۃ الایمان کے قلمی نسخہ کا اندراج ہے، اور رد الاشراک کی تخریج پر نواب صاحب کی تالیف ''الادراک'' کا نام بھی تحریر ہے۔ اس فہرست میں رد الاشراک کا اندراج نہ ہونے کی وجہ سے، یہ خیال قوی ہوتا ہے کہ مولانا اولاد حسن قنوجی کا مکتوبہ نسخہ رد الاشراک ضائع یا گم ہو گیا تھا، اور تقویۃ الایمان کا خطی نسخہ بعد تک موجود رہا۔ اگر رد الاشراک کا یہ نسخہ دستیاب ہو جائے تو اس کو رد الاشراک کے دستیاب تمام نسخوں میں سرفہرست رکھا جائے گا، کیونکہ اس کے کاتب شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین کے شاگرد، سید احمد شہید کے خلیفہ اور خود مؤلف رد الاشراک شاہ محمد اسماعیل کو قریب سے جاننے والے تھے۔

تین اور نسخوں کا تذکرہ رد الاشراک کے تین اور نسخوں کا ارواح ثلثہ سے علم ہوتا ہے۔ امیر شاہ خورجوی ایک سلسلہ گفتگو میں کہتے ہیں:

> ''مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس، اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی

(۱) التحقیق الجدید علی التصنف الشهید، ص:۲۸ (مطبع مجیدی کانپور:۱۹۳۱ء)

(خویشگی) کے کتب خانہ میں بھی تھا"[1]

ظاہر ہے یہ تینوں نہایت معتبر نسخے تھے، مگر افسوس ہے کہ تینوں نسخوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں، امیر شاہ خاں کے ذخیرہ پر کیا گذری ہمیں معلوم نہیں، تاہم اس کے محفوظ ہونے کی امید بہت کم ہے۔ حضرت گنگوہی کے کتب خانہ کا کچھ حصہ دارالعلوم دیوبند، اور مظاہر علوم سہارنپور منتقل ہوا، مگر وہاں موجود ذخیروں میں ردالاشراک کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں، حضرت مولانا گنگوہی کے کتب خانہ کا بڑا اور اہم حصہ گنگوہ کے ایک مقامی مدرسہ کی تحویل میں دیدیا گیا تھا، راقم سطور نے کئی برس پہلے اس کی زیارت کی تھی، اس وقت تک اس میں حضرت کی مملوکہ کئی سو کتابیں، حضرت مولانا گنگوہی کی خودنوشت تحریرات وتالیفات، ان کے آبائے کرام کی تحریرات وفوائد سے مزین کتابیں اورحدیث وفقہ وغیرہ کا نادرونایاب قلمی ومطبوعہ سرمایہ موجود تھا، مگر سال گزشتہ جب دوبارہ وہاں پہنچا تو وہ گراں مایہ ذخیرہ خرد برد ہوچکا تھا، سابقہ کتابوں میں سے دسواں حصہ بھی موجود نہیں تھا۔ فإنالله وإناإليه راجعون.

تقویۃ الایمان اور ردالاشراک قدرمشترک اوراختلاف مباحث

نصراللہ خاں خویشگی کا ذخیرہ پاکستان منتقل ہوا، صوبہ سرحد میں کسی جگہ ہے، اس ذخیرے سے رابطہ کی کوئی صورت نہیں بنی، اس لیے مذکورہ بالا تینوں نسخوں کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

"آں دفتر را گاؤ خورد، وگاؤ را قصاب برد، وقصاب درراہ مرد"

نسخہ حکیم عبدالشکور مرزاپوری حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ "ردالاشراک کا ایک نسخہ ان کے ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے"[2] ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس ذخیرہ کا کیا ہوا اور یہ نسخہ کہاں گیا۔

ردالاشراک کی تخریج وتعلیق "ردالاشراک" کی تخریج روایات کے ضمن میں دو کام ہوئے ہیں: سب سے پہلے نواب صدیق حسن خاں نے، "الادراك لتخريج احاديث ردالاشراك" کے عنوان سے اس کی احادیث کی مختصر تخریج کی۔ الادراک جواصل کتاب کی مناسبت سے عربی میں ہے، نواب صدیق حسن خاں کی ایک اورتصنیف "قطف الثّمر في عقيدة أهل الاثر" کے ساتھ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۰ھ/۴-۱۸۷۳ء میں بڑے سائز میں نستعلیق کتابت سے شائع ہوئی تھی۔ قطف الثمر اور الإدراك کا مجموعہ پینسٹھ ۶۵ صفحات پر مشتمل

(۱) اتحاف النبلاء، ص:۴۴ (نظامی کانپور ۱۲۸ھ) (۲) ردالاشراک، ص:۱۶ (طبع اول لاہور: ۱۴۰۴ھ)

ہے، جس میں ۳۳ سے ۶۵ صفحہ تک الادراک ہے، اس نسخہ کا عکس پاکستان میں چھپ گیا ہے، قدیم طباعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

تصحیح متن، تخریج مکرر اور پہلی طباعت الادراک کی اشاعت کے بعد بھی ردالاشراک کی مکمل تخریج وتعلیق کا عمل کسی اور محقق کی راہ دیکھ رہا تھا، یہ سعادت جناب محمد عزیر شمس بنارسی صاحب (ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ) کے حصہ میں آئی، موصوف نے ردالاشراک چار نسخوں (دیال سنگھ، خدابخش، نسخہائے ندوۃ العلماء) کی مدد سے اس کا متن مرتب کیا، مفید مقدمہ لکھا، متن کی تصحیح وتخریج کی، موصوف کا مرتبہ یہ نسخہ، خوبصورت روشن ٹائپ پر، مکتبہ سلفیہ لاہور سے ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے۔

تقویۃ الایمان کی ترتیب وتالیف ردالاشراک کی صورت میں، ہندی ملت اسلامیہ کے لیے جو نسخہ شفا مرتب فرمایا گیا وہ بہ تمام تر کمال قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے انتخاب پر مشتمل تھا، اس لیے اس کا عربی میں لکھا جانا، ہر پہلو سے مناسب اور برمحل تھا، بلکہ عربی میں لکھا جانا اس لیے بھی ضروری تھا، کہ علماء اور دین وشریعت سے براہ راست واقف اصحاب، اس نسخہ کے اجزاء اور اس کی صحت کی، حالات وماٰخذ سے مطابقت کی تحقیق فرما سکیں اور اس کتاب کے اشارات کی روشنی میں، ملت کی اصلاح وفلاح کے لیے آمادۂ سفر اور سرگرم عمل ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری تھا کہ اس نسخہ شفا کی وضاحت وتفصیل اردو میں بھی کی جائے، تاکہ معمولی لیاقت کے افراد اور عام مسلمان بھی اس کا براہ راست مطالعہ کر کے، دین کی ضروری تعلیم اور راہ سنت سے واقف ہو جائیں۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے ان احادیث وآیات کا صاف صاف ترجمہ، اور ان کی کچھ وضاحت اردو میں کی گئی تھی، یہ کام خود حضرت مؤلف نے سرانجام دیا، یہی خدمت تقویۃ الایمان کے نام سے مشہور ومتعارف ہے۔

ردالاشراک اور تقویۃ الایمان کا ترجمہ یا اصل مشہور ہے کہ تقویۃ الایمان ردالاشراک کا ترجمہ ہے یہ بات سب سے پہلے غالباً نواب صدیق حسن خاں نے لکھی تھی [۱] اس کے بعد جب کبھی ردالاشراک اور تقویۃ الایمان کا تذکرہ ہوا، یہی بات دہرائی گئی۔ یہ بات جزوی طور پر تو درست ہو سکتی ہے، پورے طور پر صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ تقویۃ الایمان ردالاشراک کا لفظی ترجمہ نہیں ہے، بلکہ اس کے پہلے باب کی مع ترمیم واضافات جامع تشریح ہے اور یہ پہلا باب جس کی شرح تقویۃ الایمان میں کی گئی ہے، ردالاشراک کے چوتھائی حصہ سے بھی

(۱) تقویۃ الایمان، ص:۲۵ (میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب کراچی: بلاسنہ) نسخہ لکھنؤ ص:۴۳-۴۲ (۱۳۱۲ھ)
(۲) الادراک تخریج احادیث ردالاشراک، (مشمولہ قطف الثمر) ص:۳۳-۳۲ (نظامی، کانپور: ۱۲۹۰ھ)

کم ہی ہے۔

ردالاشراک اور تقویۃ الایمان کے مضامین اور ترتیب ابواب وروایات بھی، ایک دوسرے کی حرف بہ حرف نقل نہیں ہیں، کہیں کہیں ترتیب آیات واحادیث کی حدتک مکمل اتفاق پایا جاتا ہے مگر کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔ تقویۃ الایمان میں کئی آیتیں اور حدیثیں ایسی ہیں، جن کا ردالاشراک میں ذکر نہیں آیا، جو آیات وروایات دونوں میں مشترک ہیں، ان کی ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے، تقویۃ الایمان میں ان کا اندراج اس ترتیب کے مطابق نہیں، جو ردالاشراک میں ہے۔ شاہ شہید نے ردالاشراک میں صرف روایات اور احادیث نقل فرمائی ہیں، نہ وہ آیات کے تحت سورۃ کی وضاحت کرتے ہیں، نہ احادیث کے مآخذ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، بلکہ صرف آخری راویٔ حدیث کا نام درج کر کے، روایت نقل فرمادیتے ہیں مگر جب وہی روایات ''تقویۃ الایمان'' میں نقل کریں گے، تو ہر روایت کے ساتھ یہ صراحت بھی ہوگی کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں کہاں، کس باب کے تحت درج ہے۔ اگر چہ یہی تمام روایات ردالاشراک میں بھی ہیں مگر وہاں مشکوٰۃ کا تذکرہ نہیں ہے۔ درج ذیل اقتباسات سے دونوں کی ترتیب کا فرق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً ''ردالاشراک'' میں یہ روایت اس طرح اور ان الفاظ میں آئی ہے:

''عَنْ اَبِی هُریرة رَضی اللّٰه عَنه قَالَ: قَال رَسُول اللّٰه صَلّی اللّٰه علیه وَسَلَّم ''قَال اللّٰهُ تعالیٰ: أنَاأغنِی الشُّرکاء عَن الشِّرکِ، مَن عَملَ عَملاً أشْرکَ فِیه مَعِی غَیْری ترکتهٗ، وَشِرکه وَأنَامِنهٗ بَرِیٔ''[۲]

مگر جب یہ روایت ''تقویۃ الایمان'' میں آئی تو اس میں صرف یہ حوالہ ہے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے، اور یہ بھی کہ یہ حدیث مشکوٰۃ میں کس جگہ نقل کی گئی ہے:

''أخرج مُسلم: عَن أبی هُریرة رَضی اللّٰه تَعالیٰ عنه، قَال: قَالَ رَسُول اللّٰه صَلّی اللّٰه عَلیه وَسَلم ،قَال اللّٰه أنَاأغنی الشّرکاء عَن الشِّرکِ مَن عَمِلَ عَمَلاً أشرَکَ فِیْهِ مَعِی غَیْرِی تَرَکتُه،وَشِرْکه وَأنَامِنهٗ بَرِیٔ''. (مشکوۃ: باب الریاء)

ترجمہ: مشکوٰۃ کے باب الریاء میں لکھا ہے کہ مسلم نے ذکر کیا ہے، نقل کیا ابو ہریرہ نے، کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے:[۱]

نیز ردالاشراک کے بیشتر نسخوں میں کوئی تمہید یا مقدمہ نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ میں جو آخر سے ناقص ہے،

(۱)　تکمیل الایمان، ص: ا مطبع احمدی با اہتمام اموجان، دہلی: بلا سنہ

مختصر مقدمۂ کتاب شامل ہے، یہ مقدمہ نسخہ مخزونہ ندوۃ العلماء میں شامل ہے، اس مقدمہ کو نواب صدیق حسن خاں نے بھی جوں کا توں نقل کیا ہے۔[۲] اس میں بتایا گیا ہے کہ شرک کی حقیقت کیا ہے، وہ کن کن صورتوں میں ظاہر اور اثر انداز ہوتا ہے، اور اس کی کتنی قسمیں ہیں، لیکن تقویۃ الایمان میں سب سے پہلے مقدمہ ہے اس میں اس کتاب کے مقصد تالیف کو واضح کیا گیا ہے، اس کے بعد پہلے باب کا آغاز ہوا ہے، یہ خاصی تفصیلی بحث ہے، اس میں شرک کی مروج صورتوں اور ان کے اثرات کا، خاص طور پر تذکرہ ہے، جس میں مسلمان عام طور پر مبتلا تھے۔ آخر میں شرک کی قسموں کی طرف بہت مجمل اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس صراحت کے ساتھ، کہ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ **الا جتناب عن الإشراك، شرك فی العلم، شرك فی التقرب، شرك فی العبادة، شرك فی العادة** اسی پر تمہید ختم ہوگئی ہے۔

اس ترتیب کے مطابق " **الفصلُ الأول فی الإجتناب عن الإشراك** " پر مشتمل ہے، اسی عنوان سے ردالاشراک کا بھی آغاز ہوا ہے۔ مگر تقویۃ الایمان کی تمہید میں جو اشارات ہیں، ان کا ردالاشراک میں کچھ تذکرہ نہیں، تقویۃ الایمان میں، ہر آیت وحدیث کا مکمل ترجمہ اور اس کے مطالب وفوائد کا بہت موثر الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے اور کئی جگہوں پر معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات ورسوم کی حقیقت، احادیث کی روشنی میں واضح کی گئی ہے۔

تقویۃ الایمان کا نام　میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا نام تقویۃ الایمان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اسلامی عقائد پر مشہور کتاب "تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان" سے مستفاد ہے۔ شاہ محمد اسماعیل کے زمانہ میں تکمیل الایمان معروف ومتعارف کتابوں میں شمار ہوتی تھی، اہل علم کے حلقوں میں اس کے درس ونقل کا عام معمول تھا، علمائے خاندان ولی اللٰہی اور اہل پھلت بھی، اس کے استناد کے قائل اور اس کے درس ومطالعہ کے شائق تھے، تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان سے علمائے خاندان حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دلچسپی کے متعدد شواہد موجود ہیں اور اس کا ایک ایسا قلمی نسخہ حالیہ دنوں تک موجود تھا، جو محمد احسان ساکن پھلت نے ۱۲۱۳ھ میں نقل کیا تھا۔

نیز شیخ عبدالحق اور شاہ محمد اسماعیل کا مقصد بھی مشترک ہے، دونوں تالیفات تقویۃ الایمان اور تکمیل الایمان

---

(۱)　فہرست مخطوطات اردو، رضا لائبریری رامپور، ص:۶-۷-۵۷ (رامپور: ۱۹۶۷ء)

(۲)　ملاحظہ ہو: جائزہ مخطوطات اردو، مشفق خواجہ، ص:۱۲۰ (لاہور: ۱۹۷۹ء) نیز اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ۔ ایوب قادری، ص: ۱۲۵ (لاہور ۱۹۸۸ء)

(۳)　اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ۔ صفحہ مذکور (بحوالہ مقدمہ تقویۃ الایمان، مرتبہ مہر، ص:۱۲۱ (اہل حدیث اکاڈمی، لاہور: ۱۹۷۱ء)

وتقویۃ الایمان کا طریقۂ کار بھی بحیثیت مجموعی ایک ہی ہے، شیخ عبدالحق اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے، تکمیل الایمان کی تمہید میں فرماتے ہیں:

> نوشتم آں را برائے ہر مومن طالب وطالب صادق ، واقتصار کردم دروے بر اثبات مذہب حق وبیان قول صحیح، وتعرض نہ کردم بہ ذکر مذاہب زایغہ، وایراد اقوال باطلہ ونرفتم براہ بحث وجدال وطریقۂ قیل وقال، وتجرید کردم از دلائل کلامیہ وتدقیقات فلسفیہ، تا طالب را درورطۂ حیرت وتذبذب نیفگند، واز وصول مقصد وحصول مطلب باز ندارد۔[1]
>
> میں نے اس کو ہر اس مسلمان کے لیے لکھا ہے جو حقیقت کا طالب ہو اور ہر اس شخص کے لیے جس کی طلب صحیح ہو، اور میں نے اس کو صرف مذہب حق کے بیان کرنے اور قول صحیح تک محدود رکھا ہے، غلط مذاہب نیز بے ہودہ اور باطل اقوال پر توجہ نہیں کی، نہ بحث ومناظرہ کے راستہ کو اختیار کیا ہے، اور نہ قیل وقال کے طریقہ کو، بلکہ کلامی دلائل اور فلسفیانہ موشگافیوں سے بھی پرہیز کیا ہے، کہ پڑھنے والے کو حیرت وکشمکش میں نہ ڈال دوں، عقلی وکلامی مباحث نیز غیر متعلق باتوں کی وجہ سے وہ اصل مقصد تک پہنچنے اور اپنے مقصد کی تکمیل سے عاجز وقاصر نہ رہیں۔

شاہ شہید بھی تقویۃ الایمان میں اسی پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔تقویۃ الایمان میں بھی صرف قول صحیح پر اکتفا کیا ہے اس میں بھی فضول بحثوں، مناظرہ مجادلہ، غیر متعلق عنوانات اور فلسفیانہ نکات کو نظر انداز فرما کر صرف مذہب حق کے اثبات کا اہتمام کیا گیا ہے۔طریقۂ کار کی یہ یکسانیت بتا رہی ہے کہ تقویۃ الایمان کی تالیف کے وقت غالباً شیخ کی یہ کتاب شاہ شہید کے پیش نظر ہوگی؟

تقویۃ الایمان کے سن تالیف کی مختلف روایات ''تقویۃ الایمان'' کب لکھی گئی؟ اس کا سنہ تالیف کیا ہے؟ یہ سوال نہایت اہم اور توجہ کا طالب ہے۔تقویۃ الایمان یا شاہ شہید کی اور تحریرات ومؤلفات میں ایسی کوئی وضاحت یا اشارہ درج نہیں، جس سے اس سمت میں کچھ رہنمائی مل سکے۔مختلف ذرائع کی اساس پر مؤرخین اور فہرست نگاروں نے مختلف خیالات ظاہر کیے ہیں، اس ضمن میں سب سے زیادہ مقبولیت مولانا امتیاز علی

---

(۱) ارواح ثلاثہ، ص:۸۱-۸۰ (تھانہ بھون: بلا سنہ)

عرشی کی اس رائے کو حاصل ہوئی ہے کہ:

اسے مولانا نے سفر لکھنؤ کے بعد اور سفر حج سے پہلے لکھ کر شائع کیا تھا۔ سفر لکھنؤ کے متعلق قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وسط ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء میں واقع ہوا تھا، سفر حج پر روانگی کی تاریخ سیرت (سیّد احمد شہید) کے مطابق، یکم شوال ۱۲۳۶ھ (۲ جولائی ۱۸۲۱ء ہے، لہٰذا کتاب کو ان تاریخوں کی درمیانی مدت میں معرض وجود میں آنا چاہیے [۱]

بعد میں اکثر فہرست نگاروں اور مؤرخین نے اسی پر اعتماد کیا [۲] ہے مگر جناب غلام رسول مہر کا خیال ہے کہ تقویۃ الایمان سفر حج سے واپس آنے کے بعد لکھی گئی ہے۔[۳] یہی اطلاع ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ذخیرہ مخطوطات میں موجود تقویۃ الایمان کے ایک قلمی نسخہ پر بھی درج ہے، مگر معتبر ذرائع سے ان روایات کی تصدیق آسان نہیں، مہر صاحب اور مخطوطۂ ندوہ کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں، لیکن عرشی صاحب اور متعدد تذکرہ نگاروں نے تقویۃ الایمان کی تالیف کے لیے امیر شاہ خاں [ارواح ثلاثہ] کی ایک روایت پر اعتماد کیا ہے، جو اس طرح ہے۔ امیر شاہ خاں خورجوی کہتے تھے کہ:

''مولوی اسماعیل صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس، ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی، کے کتب خانہ میں بھی تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا، جن میں سیّد صاحب، مولوی عبدالحیٔ صاحب، شاہ اسحاق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب مراد آبادی، مؤمن خاں، عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی ومولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے ''تقویۃ الایمان'' پیش کی اور فرمایا، کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ بعض جگہ اس میں تیز الفاظ آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس اشاعت سے شورش ضرور ہوگی، اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا، لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے

(۱) وقائع احمدی، ص:۳۱۳، ج:۲ (نسخہ ندوہ لکھنؤ نقل نسخہ ٹونک)

بعد عزم جہاد ہے، اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا ہوں، اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں، اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے، گو اس سے شورش ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے اگر آپ کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہئے۔ اس پر مولوی عبدالحئی صاحب، شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں، اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے، اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے، چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہوگئی۔ اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا، اس زمانہ میں مولانا اسماعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحئی صاحب مساجد میں، چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔

یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاذ میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے۔[1]

اس روایت کی استنادی حیثیت اور متعلقات پر ایک نظر مگر اس روایت کو جوں کا توں صحیح تسلیم کر لینا درست نہ ہوگا، اس کے متعدد پہلو مشتبہ اور لائق تحقیق معلوم ہوتے ہیں۔

(ا) شاہ محمد اسماعیل کا سیّد احمد شہید اور شاہ محمد اسحاق سے جس طرح کا رابطہ تھا، اور وہ ان دونوں کا جس درجہ احترام کرتے تھے، اس کی روشنی میں یہ بات قابل قبول معلوم نہیں ہوتی کہ انہوں نے ان دونوں حضرات کے سامنے اس طرح کی فرمائش کی ہو۔ نیز اگر یہ مسائل و مباحث حق اور مطابق قرآن و سنت تھے (جو بلا شک وشبہ ہیں) اور شاہ محمد اسماعیل ان کی تعلیم و اشاعت کی ضرورت سمجھتے تھے، تو اس میں ان حضرات کے مشورہ کی کیا ضرورت تھی؟ ایسا مشورہ تو اُسی صورت میں ہوتا ہے، جب یا تو مرتب و مؤلف کی علمی لیاقت اس درجہ کی نہ ہو، کہ وہ زیر بحث مسائل کے متعلق فیصلہ کن بات کہہ سکے، یا اس کے دلائل کمزور اور مشتبہ ہوں۔ حضرت شاہ شہید اور تقویۃ الایمان کے مندرجات پر ان میں

(۱) مضمون مولانا منظور نعمانیؒ — مشمولہ الفرقان مولانا نسیم احمد فریدیؒ نمبر-۲۲۹ (لکھنؤ ۱۴۰۹ھ-۱۹۷۹ء)

سے کوئی ایک بات بھی صادق نہیں آتی۔ اس کے مصنف علم و فضل اور فہم مسائل میں، نہ صرف اپنے اعزہ و رفقا بلکہ اپنے عہد میں یکتا تھے۔ کتاب کے دلائل تو آج بھی عالم آشکار ہیں، کوئی گفتگو کوئی پہلو ایسا نہیں، جس کے لیے قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے براہ راست صاف استدلال نہ کیا گیا ہو، اس لیے اس قسم کی مجلس مشاورت اور تبادلۂ خیال کی رائے بے محل معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ شاہ شہید جس بات کو صحیح و حق سمجھتے تھے، اس کے برملا صاف صاف کہنے میں ان کو کچھ تامل نہیں ہوتا تھا۔ مولانا شاہ عبدالحئی بڈھانوی کی، جو شاہ شہید کے تمام عمر کے رفیق تھے، شہادت ہے کہ:

> طبیعت کے تیز اور صاف گو ہیں، کسی کا پاس نہ کریں گے، جو بات ہوگی صاف صاف کہیں گے۔[1] دوسرے قرائن و متعلقات بھی اس روایت کے مندرجات کو کمزور ثابت کرتے ہیں۔

(۲) اس روایت میں امیر شاہ خاں نے شاہ اسماعیل شہید کے گویا الفاظ نقل کیے ہیں کہ:

> ''اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔''

مگر تقویۃ الایمان اس کی تصدیق سے قاصر ہے۔ اگر چہ شاہ اسماعیل شہید کی بعض تعبیرات پر ان کے مخالفین کو اعتراض ہوا، مگر تیز الفاظ کا تقویۃ الایمان میں نام و نشان بھی نہیں، بلکہ اس پہلو سے حضرت مصنف کے اعتدال اور قدرتِ اظہار کی تعریف کی جانی چاہیے، کہ انہوں نے ایسے نازک، ایسے حساس موضوع پر، جس کی وجہ سے ان کے قلب و جگر زخمی تھے، اس قدر معقولیت اور توازن کے ساتھ لکھا، کہ آج تک اس کا وزن محسوس کیا جاتا ہے، اور سلامتی تحریر کی داد دی جاتی ہے۔

(۳) اسی سلسلۂ روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

> ''ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے''

یہ الفاظ شاہ شہید کے تو یقیناً نہیں ہو سکتے۔ مجھے شبہ ہے کہ امیر شاہ خاں کے بھی نہ ہوں گے۔ اگر ان کا انتساب امیر شاہ خاں کی طرف درست ہے تو غالباً اس گفتگو کے وقت تقویۃ الایمان کے مضامین و مطالب خان صاحب کے ذہن میں مستحضر نہیں ہوں گے۔ انہوں نے ایک بات یونہی کہہ دی، کیونکہ اولاً تو شاہ محمد اسماعیل ہوں یا

---

(۱) تقویۃ الایمان، ص:۲۴ (میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب کراچی: بلا سنہ)

(۲) تقویۃ الایمان، ص:۲۴ (میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب کراچی: بلا سنہ)

کوئی اور! ان کو شرک خفی کو شرک جلی کہنے، یا شرک جلی کو شرک خفی کہنے کا کیا حق ہے؟ یہ تو حقوق اللہ اور منصوص چیزیں ہیں، کسی عالم یا مصنف کو اپنی رائے سے ان میں ترمیم واضافہ کی اجازت نہیں۔ یہ بات اس لیے بھی بالکل غلط ہے کہ، پوری تقویۃ الایمان میں کسی ایک موقع پر، ایک جگہ بھی، شرک خفی یا جلی کی تصریح کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائی گئی۔ تقویۃ الایمان کے متعلق امیر شاہ خاں سے منسوب اس فقرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے، مولانا محمد منظور نعمانی نے لکھا ہے:

> ''میں بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں، کہ مجھے ''تقویۃ الایمان'' میں بہت تلاش کے باوجود ایک جگہ بھی ایسی نہیں مل سکی، جس میں شرک اصغر کو شرک اکبر یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دیا گیا ہو، دانستہ طور پر شرک اصغر کو شرک اکبر، یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دینا، کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ اور اگر نادانستہ طور پر ہو، تو بہت سنگین غلطی ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، شاہ شہید کی تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود، کسی مقام پر بھی ایسی عبارت نہیں ملی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو''[۱]

اسی سلسلۂ بحث میں مولانا نعمانی یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

> ''تقویۃ الایمان میں متعدد مقامات پر ان اعمال کو شرک (خفی یا جلی، اور اصغر یا اکبر کی صفت کے بغیر) قرار دیا گیا ہے، جس کا مرتکب جمہور علماء اہل سنت (بشمول مصنف تقویۃ الایمان) کے نزدیک نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ابدی عذاب اخروی کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، بلکہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہ طرز بیان ان اعمال کو شرک یا کفر قرار دینا، جو شرک یا کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ تو ہیں لیکن ان کا کرنے والا قانونی وفقہی طور پر، مشرک، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے عین مطابق ہے۔ علمائے کرام کی اصطلاح میں اس قسم کے اعمال کو ''شرك دون شركٍ'' ''كفر دون كفر'' کہا جاتا ہے۔''[۲]

مولانا نعمانی کے اس نظریہ کی، خود شاہ شہید کی تحریر سے بھی ضمناً تصدیق ہو رہی ہے۔ تقویۃ الایمان میں ''الفصل الأول فی الاجتناب عن الإشراك'' کے تحت درج سب سے پہلی آیت:[إنّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أن

(۱) ارمغان احباب (سفرنامہ مولانا عبدالحئی حسنی)، ص:۱۶۱ (طبع اول، دہلی ۱۹۵۸ء)

يُشْرَكَ بِهٖ الخ] کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد فائدہ میں لکھتے ہیں:

''یعنی اللہ کی راہ یوں بھولنا بھی ہوتا ہے کہ حلال وحرام میں امتیاز نہ کرے، چوری، بدکاری میں گرفتار ہوجاوے، نماز روزہ چھوڑ دیوے، جورو، بچوں کا حق تلف کرے، ماں باپ کی بے ادبی کرے، لیکن جو شرک میں پڑا وہ سب سے زیادہ بھولا۔ اس لیے کہ وہ ایسے گناہ میں گرفتار ہوا، کہ اللہ اس کو ہرگز نہ بخشے گا، جو اس کی سزا ہے مقرر ملے گی۔ پھر اگر پرلے درجے کا شرک ہے کہ، آدمی جس سے کافر ہوجاتا ہے، تو اس کی سزا یہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو دوزخ میں رہے گا، نہ اس سے کبھی باہر نکلے گا، نہ اس میں کبھی آرام پائے گا اور جس اس سے ورلے درجہ کے شرک ہیں، ان کی سزا جو اللہ کے یہاں مقرر ہیں، سو پائے گا اور باقی جو گناہ ہیں ان کی جو جو کچھ سزائیں اللہ کے ہاں مقرر ہیں، سو اللہ کی مرضی پر ہیں، چاہے دیوے چاہے معاف کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک سے کوئی بڑا گناہ نہیں۔''[۲]

(۴) بعد ازاں امیر شاہ خاں، شاہ شہید سے یہ الفاظ منسوب کرتے ہیں:

''اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا، لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔ اس لیے میں اس کام سے معذور ہوگیا۔''

شاہ محمد اسحاق اور سیّد احمد شہید کی موجودگی میں، شاہ شہید نے مذکورہ بالا الفاظ، یا اس سے ملتے جلتے الفاظ، کہے ہوں، کسی طرح بھی قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ اول تو ان الفاظ سے یہ تأثر ملتا ہے کہ تحریک حج و جہاد اور اصلاح و تربیت کے، اصل اصول اور ذمہ دار شاہ اسماعیل شہید تھے اور وہی اس کے تمام نظام اور ترتیب کے بانی مبانی تھے، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سید احمد شہید کی تحریک اور اصلاحی و تبلیغی جدوجہد کے، شاہ محمد اسماعیل رکن رکین اور دست راست تھے، اور کوئی معاملہ بھی ان کی رائے اور شرکت کے بغیر سرانجام نہیں دیا جاتا تھا، مگر اس غیر معمولی حقیقت و امتیاز کے باوجود، یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ شاہ شہید نے، حضرت سیّد احمد شہید کے سامنے اپنی ذات کو اس درجہ فنا اور قربان کر دیا تھا، کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شاہ شہید نے اپنی رائے کو، سیّد صاحب کی رائے سے

(۱) کاروان ایمان وعزیمت، ص: ۳۵ (طبع اول لاہور ۱۴۰۰ھ)

ممتاز کرنے کی کوشش کی ہو، یا کسی قرینہ سے بھی اس کا اظہار فرمایا ہو۔ تحریک اور عملی جدوجہد کے متعلق جو کچھ طے ہوتا، سیّد صاحب طے فرماتے، جو فیصلہ ہوتا سیّد صاحب کی منظوری سے ہوتا تھا۔ اس فنائیت اور بے نفسی کے متعدد واقعات، چشم دید راویوں نے نقل کیے ہیں، جس سے اس گہرے اور نیاز مندانہ تعلق کا علم ہوتا ہے، جو شاہ شہید کو سیّد صاحب سے تھا، مثال کے طور پر دو واقعے درج ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ حسنی، مولانا محمد حسین (متوسل سیّد احمد شہید) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

> ''مولانا محمد اسماعیل صاحب نے جب سنا تو وہ حاضر ہوئے اور شکار بند جو اس وقت سے تھاما ہے تو مرتے مرتے نہیں چھوڑا۔ راستہ میں حضرت فرماتے، مولانا! خدا نے سواری دی ہے سوار ہو لو، بس جا کر سوار ہو جاتے، بیس قدم چل کر پھر اتر پڑتے اور شکار بند آ کر پکڑ لیتے، پھر کہتے حضرت اسماعیل کو اتنی بھی مفارقت گوارہ نہیں۔ میاں صاحب [محمد حسین بکھروی] کہنے لگے، ایک شخص نے کہا حضرت آپ کی عمر اور سیّد صاحب کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر سیّد صاحب کی ہے، میری کیا عمر، میں ان کا غلام ہوں، اس لفظ کو مکرر کہتے رہے۔''(۱)

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

> ''تکیہ (رائے بریلی) کے قیام میں یہ فاضل بے بدل (شاہ اسماعیل شہید) سیّد صاحب کے فرمائے ہوئے مضمون کو تختی پر لکھتا، اور سیّد صاحب کو سناتا، سیّد صاحب کبھی کبھی پانچ پانچ مرتبہ دھلواتے اور لکھواتے اور آپ کی پیشانی پر شکن نہ آتا۔ صراط مستقیم میں تین تین، چار چار سطروں کے القاب میں سیّد صاحب کا نام لیتے ہیں۔''(۱)

(۱) سیّد احمد شہید جلد اول، ص:۱۷۹-۱۷۸ (طبع اول لاہور: بلا سنہ)

(۲) حوالہ مذکور، ص:۱۸۳، ج:۱

(۳) سیرت سیّد احمد شہید- مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، جلد اول، ص:۱۷۵ (لکھنؤ ۱۳۹۷ھ) ممکن ہے کہ یہ تاریخ شعبان کی نہ ہو بلکہ جمادی الاخریٰ یا رجب ۱۲۳۴ھ میں دہلی سے روانگی ہوئی کیونکہ اسی ذریعہ سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ دہلی سے نکلنے کے فوراً بعد غازی آباد میں سیّد صاحب کو اپنے بڑے بھائی سیّد اسحاق کی وفات (جو ۷ جمادی الاخریٰ کو ہوئی) کی خبر ملی (سیرت احمد شہید ص:۱۷۶، ج:۱) یہ اطلاع رائے بریلی سے ایک خاص فرستادہ لایا تھا، قرین قیاس ہے کہ اس شخص کو حادثہ کے ایک دو دن بعد روانہ کر دیا ہوگا۔ تقریباً ایک ہفتہ میں یہ سفر پورا ہوگا، لہٰذا کہا جا سکتا ہے دہلی سے روانگی تقریباً وسط جمادی الاخریٰ یا اس کے آس پاس شروع رجب تک ہوئی ہوگی۔

اس لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ شاہ محمد اسماعیل، سیّد صاحب کی موجودگی یا غیر موجودگی میں، ایسی گفتگو تو کجا، کوئی ایسا فقرہ یا لفظ بھی منھ سے نکالتے، جس سے حضرت سیّد احمد صاحب کے مرتبہ ومقام کی معمولی سے معمولی، بےاحترامی کا تاثر ملتا ہو۔ سیّد صاحب کے سامنے اس قسم کی ایسی گفتگو بالکل ہی ناممکن اور قیاس سے بعید ہے، کہ شاہ شہید یوں فرماتے کہ: ''اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا، لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔''

(۵) یہ انتساب اس وجہ سے بھی قطعاً غلط ہے، کہ جب تک سیّد احمد شہید دہلی اور نواح دہلی میں قیام فرما تھے، اس وقت تک صرف متوقع سفر جہاد کا تذکرہ تھا، اسی کی دعوت دی جارہی تھی، اسی کی تیاری ہورہی تھی، اور جابجا اس اس کی محنت کے لیے نمائندے اور مرکز قائم کیے گئے تھے، حج کا دور، دور تک کوئی ذکر و تذکرہ نہیں تھا۔ تذکرہ نگاروں کی اطلاع کے مطابق، سفر حج کے ارادہ کا سب سے پہلا اظہار، سیّد صاحب نے دہلی سے آخری واپسی کے بعد، رائے بریلی کے زمانہ قیام میں فرمایا تھا اس سے پہلے سفر حج کا دور دور، کوئی ذکر و تذکرہ نہیں تھا۔ اس حقیقت کا تذکرہ کرتے ہوئے چودھری غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ''چنانچہ لکھنؤ سے مراجعت کے تھوڑی دیر بعد، آپ نے اپنے رفقائے خاص یعنی شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی اور بعض دوسرے اصحاب کو رائے بریلی سے رخصت فرمادیا تھا، کہ اپنے خانگی معاملات کے انتظامات سے پوری فراغت حاصل کرلیں، تاکہ اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ جہاد میں مشغول ہوسکیں، پھر اہل وعیال یا جائیدادوں کی کوئی الجھن ان کی یکسوئی میں خلل انداز نہ ہوسکے۔
>
> راہ ہجرت میں قدم اٹھانے کا قطعی فیصلہ ہو چکا تھا، صرف اس بات کا انتظار تھا کہ جن حضرات کو ساتھ جانا ہے وہ فارغ ہوکر پہنچ جائیں، اس اثنا میں اچانک آپ نے ادائے حج کا ارادہ فرمالیا، روایت ہے کہ آپ ایک روز بعد نماز اشراق مسجد تکیہ کی چھت پر چلے گئے، وہاں سے آواز دی کہ جتنے بھائی موجود ہوں سب چھت پر آجائیں، ارادت مندوں نے اس حکم کی تعمیل کی، آگے پیچھے چھت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سیّد صاحب مسجد کی منڈیر پر، جو گھٹنوں سے ذرا اونچی تھی، دونوں ہاتھ ٹیکے کھڑے ہیں اور سئی ندی کی طرف

دیکھ رہے ہیں۔ پھر ارادت مندوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ، ہم حج کو چلیں گے۔
اس پر سب کو تعجب ہوا، بعض نے عرض کیا کہ آپ نے ہجرت کا ارادہ کر رکھا تھا، فرمایا اب
مرضی الٰہی یہی ہے کہ پہلے حج کیا جائے۔ (۱)

اس کے بعد سیّد صاحب نے، خانوادۂ ولی اللّٰہی کے متعدد علماء کو خطوط لکھوائے۔ جن میں مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی اور شاہ محمد اسماعیل بھی شامل تھے۔ (۲)

(۶) اس روایت کے پہلے اور آخری حصہ میں کھلا تضاد ہے، شروع میں کہتے ہیں کہ اس مجلس میں سیّد احمد شہید بھی تشریف فرما تھے، اور آخر میں ہے کہ اس (تقویۃ الایمان) کی اشاعت کے بعد، شاہ اسماعیل شہید حج کو تشریف لے گئے۔ بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ اس قسم کی کوئی مجلس منعقد ہوئی تھی، اور اس میں سیّد احمد شہید بھی تشریف فرما تھے تو یہ واقعہ تقریباً وسط ۱۲۳۴ھ کا ہونا چاہیے، کیونکہ معروف روایات کے مطابق سیّد صاحب، شعبان ۱۲۳۴ھ (مئی ۱۸۱۹ء) میں یا اس سے ایک دو دن پہلے، آخری مرتبہ دہلی سے اپنے وطن رائے بریلی کے لیے روانہ ہوئے تھے، (۳) اس کے بعد دہلی تشریف نہیں لائے، اور اگر یہ صحیح ہے کہ تقویۃ الایمان کی شاہ اسماعیل کے سفر حج سے پہلے تکمیل ہوئی، تو یہ قصہ محرم ۱۲۳۷ھ اکتوبر ۱۸۲۱ء کا ہوگا، شاہ محمد اسماعیل کی سفر حج کے لیے روانگی دہلی سے اسی وقت ہوئی تھی، مگر اس وقت سیّد صاحب کی موجودگی کی اطلاع قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

نیز تقویۃ الایمان اگر اس وقت تالیف ہوئی ہوتی تو یہ دور تحریک کے شباب کا دور تھا۔ اس میں اس کا اثر جھلکنا چاہیے تھا، ان دونوں واقعات کے درمیان تقریباً ڈھائی سال کا فصل ہے، دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہیں ہیں، اس لیے یہ روایت ناقابل اعتبار واستناد ہے۔

صحیح سن تالیف کی جستجو مذکورہ روایت کے تفصیلی مطالعہ کے بعد یہ حقیقت تو بالکل بے غبار ہوگئی، کہ تقویۃ الایمان کے، سنہ تالیف کی تعیین کے لیے، امیر شاہ خاں کی اس روایت پر اعتماد درست نہیں، جن حضرات نے اس کو ماخذ بنایا ہے، انہوں نے اس روایت کی کمزوریوں پر نظر نہیں کی، یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اس کی مدد سے جو سنہ تالیف متعین ہوگا، وہ کسی طرح بھی ۱۲۳۵ھ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ یا تو وسط ۱۲۳۴ھ ہوگا، یا اواخر ۱۲۳۶ھ! لہٰذا اس روایت کے ذریعہ سے ۱۲۳۵ھ میں تالیف کی اطلاع درست نہیں ہے۔

(۱) صراط مستقیم، ص:۳ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ)
(۲) مثنوی سلک نور، ص:۵ (مطبع حیدری دہلی۔ باہتمام میر محبوب علی۔ ۱۲۶۶ھ)

راقم سطور کا خیال ہے کہ تقویۃ الایمان کی تالیف، کو شاہ محمد اسماعیل کے سیّد احمد شہید سے روابط اور تحریک اصلاح وجہاد سے جوڑنا صحیح نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تالیف، تحریک سیّد احمد شہید کے آغاز ۱۲۳۳ھ بلکہ شاہ شہید کی سیّد صاحب کے دامن سے وابستگی (۱۲۲۷ھ) سے بھی پہلے ہوئی ہے، اس کی تصدیق اس نسخہ سے ہوتی ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے، نیز تقویۃ الایمان کی ۱۲۲۷ھ سے پہلے تالیف کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ کتاب اس وقت کی تالیف ہوتی، جب شاہ اسماعیل سیّد صاحب سے بیعت ہو چکے تھے، اور ان کے مرتبہ ومقام کے حقیقی قدرداں اور رمز آشنا تھے، تو اس میں حضرت سید صاحب کا تذکرہ یقیناً شامل ہوتا، اور اس میں اس تحریک کا بھی کچھ اجمالی یا تفصیلی اشارہ یا تذکرہ ہونا چاہیے تھا، جس کا اس وقت آغاز ہوا تھا۔ کیونکہ سیّد صاحب سے وابستگی کے بعد شاہ محمد اسماعیل نے جو کتابیں تالیف فرمائیں، ان سب میں سیّد صاحب کا تذکرہ شامل ہے، صراط مستقیم کے آغاز میں جو ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

’’می گوید عاجز ذلیل، الراجی رحمۃ اللہ الجلیل، بندہ ضعیف محمد اسماعیل کہ نعم الٰہی در بارۂ ایں ضعیف نامتناہی است، واز اعاظم آن حضور محفل، ہدایت منزل، ملازمان فخر خاندان سیادت، مرجع ارباب ہدایت، مرکز دائرۂ ولایت، دلیل سبیل فلاح ورشاد، رہنمائی طریق استقامت وسداد مظہر انوار نبوی، منبع آثار مصطفوی، سلالۂ خاندان صلب طاہر سید الاولیا، اعنی علی مرتضیٰ، نقادہ دودمان سبط اکبر، مسند الاصفیا اعنی حسن مجتبیٰ، مقتدائے اصحاب شریعت، پیشوائے ارباب طریقت، ہادی زمانہ، مرشد یگانہ، سراج المحبین، تاج المحبوبین، الإمام الأوحد السیّد أحمد متع اللّٰہ المسلیمن بطول بقائہ، ونفعنا وسائر الطالبین بأقوالہ وأفعالہ وأحوالہٖ است‘‘[1]

اور مثنوی سلک نور کے آغاز میں جس کا سنہ تالیف محقق نہیں، رقم فرمایا ہے:

(۱) مکتوب شاہ مخصوص اللہ، ’’حضرت شاہ اسماعیل کے دہلوی اور تقویۃ الایمان‘‘ مولانا ابوالحسن علی ... ص ۱۰۵ ... میں شاہ عبدالعزیز سے جو کلمات منسوب کیے گئے ہیں، وہ کس حد تک سچائی پر مبنی اور مطابق حقیقت ہیں، اس کی گفتگو ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔ یہاں یہ حوالہ ان لوگوں کے لیے نقل کیا گیا ہے، جو اس جعلی تحریر کو شاہ مخصوص اللہ سے منسوب کرتے ہیں اور اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ... ص ... کہ اس سے ہنسا باغ دیں، کھِل کھلا

(۳) فضل حق خیرآبادی اور سنہ ستاون ... حکیم محمود احمد برکاتی، ص: ۱۰۳ ... کے بیان سے زباں

(۴)

ہنسے کیوں نہ اس گل سے یہ باغ گل — محمد ہے بُو اور احمد ہے، گل
چمن میں مہکنے لگی، مست بو — چہکنے لگیں بلبلیں چار سو
طلسمات سے بھر گیا باغ وراغ — ہما اور طوطی ہے ہر بوم وزاغ
عجب ہے وہ مے اور عجب ہے وہ جام — کہ بھر بھر کے پیتے ہیں، ہر خاص وعام
عجب ساقی ہیں اور عجب یار ہیں — کہ مستی سے سارے وہ سرشار ہیں
وہ سرشار کیوں کر نہ ہوں، مثل گل — ولایت ہے جام اور نبوت ہے مُل
وہ ساقی جو خود ہے، امام زماں — ہوا مفتخر اس سے ہندوستاں
الٰہی ہمیش، اس کو تو شاد رکھ — اور اس باغ کو، اس سے آباد رکھ
دعا میں نے کی، تم بھی آمیں کرو — ذرا پاس دیں اور آمیں کرو[۲]

اگر تقویۃ الایمان اس زمانہ میں لکھی گئی ہوتی، جب وہ اپنی اور تالیفات میں سید صاحب کا اس قدر محبت اور عظمت کے ساتھ تذکرہ فرمارہے تھے، تو تقویۃ الایمان میں بھی سید صاحب کا تذکرہ ضرور ہونا چاہئے تھا۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ تقریباً ایک دور میں لکھی گئی تین کتابوں میں سے دو میں، سیّد صاحب کا ایسے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے اور ایک کتاب میں سیّد صاحب کو یکسر فراموش ونظر انداز فرمادیتے۔

تقویۃ الایمان میں سیّد صاحب کا تذکرہ نہ ہونے سے یہی معلوم ہورہا ہے کہ یہ سیّد صاحب کے دامن اصلاح وتربیت سے، وابستہ ہونے سے پہلے کی یادگار ہے، یعنی ۱۲۲۷ھ سے پہلے کسی وقت تالیف ہوئی تھی۔ نیز

تقویۃ الایمان کے شاہ محمد اسماعیل کے زمانۂ حیات کے لکھے ہوئے نسخے

شاہ مخصوص اللہ خلف شاہ رفیع الدین سے منسوب ایک تحریر سے بھی، یہی تاثر ملتا ہے کہ تقویۃ الایمان حضرت شاہ رفیع الدین کی وفات (۱۲۳۳ھ) سے پہلے لکھی جاچکی تھی، اور شاہ رفیع الدین کو اس کا علم تھا۔ (بعض اصحاب کے بقول) شاہ مخصوص اللہ لکھتے ہیں:

''ہمارے والد ماجد نے اس کو دیکھا نہ تھا، بڑے حضرت (شاہ عبدالعزیز) کے فرمانے سے کُھل گیا، جب اس کو گمراہ خیال کیا تب اس کا رد لکھنا فرمایا''[۱]

حکیم محمود احمد برکاتی کی ایک[۲] اطلاع سے بھی اسی سنہ تالیف کی تائید ہوتی ہے، حکیم برکاتی صاحب نے

(۱) سیرت سید احمد شہید ص: ۱۷۷ جلد اول (لکھنؤ: ۱۳۹۷ھ)

اپنی ایک اور تالیف میں، شاہ شہید کے عملی اصلاحی اقدام اور تقویۃ الایمان کا زمانۂ تالیف ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء ذکر کیا ہے۔ برکاتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

''شاہ محمد اسماعیل نے ۱۸۱۸ء (۱۲۳۳ھ) میں تمسک بالکتاب والسنۃ کا پرچم (بزعم خود؟) بلند کیا اور تقویۃ الایمان کے نام سے اردو میں ایک رسالہ لکھا'' (۳)

یعنی برکاتی صاحب تقویۃ الایمان کا سنہ تالیف ۳۳-۱۲۳۲ھ بتاتے ہیں مگر تحریک ولی اللّٰہی اور شاہ شہید کے ایک بڑے اور مشہور مخالف ومعاند، مولوی فضل رسول بدایونی تقویۃ الایمان کو سنہ ۱۲۳۴ھ کی تالیف خیال کرتے ہیں۔ بدایونی صاحب نے لکھا ہے:

''ایسے سامانوں سے سیر وسیاحت کرتے پھرتے تھے کہ تیسرا فساد برپا ہوا، یعنی کتاب التوحید نجدیہ کی مراد آباد میں کہ وہاں پہلے سے کس قدر اس مذہب کی گفتگو تھی ہاتھ لگی، اس مذہب کو پسند کیا اور تقویۃ الایمان تصنیف کی، گویا اسی کتاب التوحید کی شرح ہے'' (۴)

بدایونی صاحب، ان الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ شاہ محمد اسماعیل، حضرت سیّد احمد شہید کی دہلی سے آخری مرتبہ روانگی کے موقع پر، سیّد صاحب کے رفیق تھے، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور تاریخی وقائع کے خلاف ہے، اوپر تفصیل گزر چکی ہے۔

سیّد صاحب غالباً جمادی الاخری یا شروع رجب ۱۲۳۴ھ (اپریل-مئی ۱۸۱۹ء) میں دہلی سے روانہ ہوئے تھے، پندرہ بیس روز کے بعد مراد آباد پہنچے اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی صراحت کے مطابق دو چار روز مراد آباد میں قیام فرما کر، رامپور تشریف لائے۔ (۱) بدایونی صاحب کے الفاظ میں، یہیں سے مولانا شاہ اسماعیل کو کتاب التوحید دستیاب ہوئی اور مولانا نے فوراً اس کا تقویۃ الایمان کے نام سے ترجمہ فرمادیا، بہرصورت فضل رسول بدایونی صاحب تقویۃ الایمان سنہ تالیف ۱۲۳۴ھ۔ خیال کرتے تھے، لیکن یہ اطلاع بوجوہ درست نہیں نیز تقویۃ الایمان کتاب التوحید کا ترجمہ یا خلاصہ بھی نہیں ہے اور یہ ایک ایسی عالم آشکارا حقیقت ہے کہ اس کے متعلق مزید کچھ کہنا فضول ہے۔ رہا تقویۃ الایمان کا مؤلفہ ۱۲۳۴ھ ہونا، اس کی تقویۃ الایمان کے نسخے، مکتوبہ رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ سے اور ان قرائن سے تردید ہوجاتی ہے، جو اس کو ۱۲۳۲ھ سے پہلے کی تالیف بتاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کے سنہ تالیف کے سلسلے میں، متعدد قیاسات وروایات ہیں، جن کے

ذریعہ سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۳۲ھ سے ۱۲۳۵ھ تک متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر فی الحقیقت تقویۃ الایمان اس سے پہلے کی تالیف ہے، بظاہر ۱۲۲۷ھ کی تالیف ہے یا اس سے بھی مقدم ہے چوں کہ واضح معتمد اطلاع موجود نہیں اس لیے پہلے ۱۲۲۷ھ کی قطعی تاریخ کا تعین مشکل ہے۔

تقویۃ الایمان ۱۲۲۷ھ سے ۳۳-۱۲۳۲ھ تک کسی وقت بھی ہوئی ہو یا اس سے پہلے کسی وقت مگر اس میں شک وشبہ نہیں کہ اس کی تالیف کی فوراً بعد، اس کے نقل ومطالعہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اور تحریک سیّد احمد شہیدؒ کے تعارف کے بعد، تو اس کی شہرت اور نقل میں غیر معمولی اضافہ ہوا، بے شمار نقلیں تیار ہوئیں اور گھر گھر پڑھی گئیں، یہ کتاب کتنی مرتبہ نقل ہوئی، اس کا اندازہ بھی آسان نہیں، تاہم اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس کی سیکڑوں نقول تیار ہوئیں، تو بلاتأمل صحیح ہے، اس کی تائید ان نسخوں سے بھی ہوتی ہے، جو اس وقت بھی موجود و دستیاب ہیں، اس میں شاہ محمد اسماعیل کی حیات (شہادت ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ) سے پہلے کے لکھے ہوئے نسخے بھی ہیں اور ایسے بھی، جو شاہ شہید کی شہادت کے بعد نقل ہوئے ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل کی حیات (شہادت ۱۲۴۶ھ) کے مکتوبہ، گیارہ نسخوں کا اس تحریر کے وقت تک راقم سطور کو علم ہے، ۱۲۴۶ھ اور ۱۲۷۶ھ کے درمیان نقل بیس، بائیس نسخے بھی اس وقت تک موجود ہیں اور یہ صرف ان نسخوں کی بات ہے، جن کا مجھے علم ہے۔ اس کے علاوہ بھی حیات مؤلف کے لکھے ہوئے دسیوں اور اس سے کہیں زیادہ وہ نسخے ہوں گے، جو مؤلف کی شہادت کے بعد نقل ہوئے، اور آج تک مختلف ذاتی لائبریریوں اور ذخیروں میں محفوظ ہیں، مگر ان نسخوں تک نہ میری رسائی ہے نہ ان کا تعارف حاصل ہوا اس لئے ان کے تعارف سے قاصر ہوں، معلوم نسخوں میں سے بھی شاہ محمد اسماعیل کی شہادت ۱۲۴۶ھ کے بعد کے، مکتوبہ نسخوں کا تذکرہ غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں صرف ان نسخوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو شاہ شہید کی حیات میں لکھے گئے تھے اور اب تک موجود ہیں۔

نسخہ ندوہ، مکتوبہ در حیات مؤلف، غالباً نقل نسخۂ مصنف اس نسخہ کو سن کتابت کی ترتیب کے مطابق سب سے آخر میں آنا چاہیے تھا مگر اس کی خصوصیت اور انفرادیت کا تقاضا ہے کہ، سب سے پہلے اسی کا

(۱) مطرق الحدید علی صاحب التصنیف الشهید، از حافظ عزیز الدین مراد آبادی، ص:۴۷-۳۷ (طبع اوّل دہلی: ۱۳۵۱ھ) نیز اکمل البیان، ص:۸۰۰ (طبع اول لاہور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)

(۲) اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ، ص:۱۲۶ (لاہور ۱۹۸۸ء)

ذکر کیا جائے۔ یہ نسخہ زیر تعارف نسخوں سے نہ صرف حسن تحریر اور صحت کتابت میں ممتاز ہے، بلکہ اس کا ایک اہم امتیاز جو اس کو اور نسخوں پر فوقیت بخشتا ہے، یہ ہے کہ یہ نسخہ غالباً نسخہ مولف کی نقل ہے، اس میں ایک دو موقعوں پر ایسے فوائد اور اضافات درج ہیں جو اور نسخوں میں شامل نہیں، اور اس کے کاتب نے جو کوئی جید فاضل تھے، اس پر مفید حواشی اور افادات کا اضافہ کیا ہے، جو آیات آئی ہیں، حاشیہ پر ان سب کا فارسی ترجمہ درج ہے، اکثر جگہ شاہ ولی اللہ کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ بعض احادیث کے متعلق شرّاح حدیث کے حوالہ سے وضاحتیں بھی تحریر ہیں، شفاعت کی بحث میں حاشیہ پر مفسر بغوی اور امام رازی کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے۔ متعدد موقعوں پر کاتب نسخہ نے اپنی تحقیق بھی رقم کی ہے ایسی تمام جگہوں پر ''لکاتبہ'' کی صراحت موجود ہے۔ آیت مندرجہ ورق: ۲۸ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الحَرْثِ وَالأَنْعَامِ نَصِيْباً... الاية کے ساتھ حاشیہ پر خاصا طویل اضافہ ہے، جو مطبوعہ نسخوں میں دستیاب نہیں، اس اضافہ کے اختتام پر کاتب نسخہ تحریر فرماتے ہیں: ''مِنْ صَاحِبِ الرِّسَالةِ سَلّمه الله''.

لیکن اس نسخہ کے آخر یا شروع کتاب میں ایسی کوئی تحریر یا عبارت درج نہیں، جس سے اس کے کاتب یا سنہ کتابت کا سراغ لگتا، مگر رسم خط سے خیال ہوتا ہے کہ یہ مولانا اولاد حسن قنوجی والد ماجد نواب حسن صدیق حسن کی تحریر ہے جو شاہ محمد اسماعیل کی حیات میں ۱۲۴۶ھ سے پہلے لکھی گئی ہے، اس کے صفحہ ایک پر مؤلف کو سلمہ اللہ لکھا ہے، اور حواشی پر بھی۔ آخر میں ترقیمہ کاتب موجود نہیں مگر موقع اختتام پر حاشیہ پر یہ لفظ تحریر ہے: ''بلغ المقابلة بأصله''—— اس نسخہ کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

۲-نسخہ مکہ معظّمہ: مکتوبہ نسخہ ۱۲۳۳ھ تقویۃ الایمان کا سب سے پرانا قلمی نسخہ، جس کا مجھے علم ہے، رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ (۱۵ جولائی ۱۸۱۸ء) کا لکھا ہوا ہے۔ چھوٹے سائز کے دبیز مٹیالے کاغذ پر رواں مگر صاف ستھرے قلم سے لکھا ہوا، یہ اہم نسخہ راقم نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے ذخیرہ مخطوطات دیکھا ہے۔ آخر میں تاریخ کتابت، رمضان المبارک ۱۲۲۵ھ فصلی تحریر ہے، جو رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ کے مطابق ہے، افسوس کہ میں اس کا عکس لینے سے قاصر رہا۔

---

(۱) غلام محمد کے خلف سیّد احمد ہونے کی صراحت، اسی مجموعہ کی ایک اور تحریر مکتوب مولانا مرزا حسن علی محدث کے آخر میں درج ہے۔

(۲) یہ نسخہ اسی خاندان کے ایک فرد پٹواری اسرار احمد صاحب نکوڑ کے پاس موجود ہے، موصوف نے از راہ کرم اس نسخہ سے استفادہ کی اجازت دی جس کے لئے ممنون ہوں۔

۳-نسخہ رام پور ۱۲۳۹ھ تقویۃ الایمان کا ایک کرم خوردہ قلمی نسخہ، جو بانس کے دیسی کاغذ پر لکھا ہوا ہے، مولانا سیّد حسن شاہ رامپوری مرحوم کے ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی کتابت، پنجم جمادی الثانی ۱۲۳۹ھ سہ شنبہ ۱۰ فروری ۱۸۲۴ء کو مکمل ہوئی تھی، یہ نسخہ مولوی عزیز الدین مرادآبادی کی نظر سے گزرا تھا، انہوں نے خود دیکھ کر اس کا تعارف کرایا ہے۔[1] معلوم ہوا ہے کہ یہ نسخہ ہنوز موجود اور لائق استفادہ ہے۔

۴-نسخہ بدایوں ۱۲۴۰ھ تقویۃ الایمان کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۰/شوال ۱۲۴۰ھ (۱۹ مئی ۱۸۲۵ء) بدایوں میں، مولانا مفتی محمد ابراہیم فریدی، شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں موجود تھا، جو علی محمد خاں ولد ولی محمد خاں کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس کا ذکر کیا ہے۔[2]

۵-نسخہ لاہر پور ۱۲۴۰ھ ۱۲۴۰ھ کا مکتوبہ کا ایک اور نسخہ جو اچھی حالت میں ہے، اور صاف قلم سے لکھا ہوا ہے، خانقاہ لاہر پور کے ایک مجموعۂ کتب میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں آٹھ رسائل و تحریرات یکجا کی گئی ہیں، جو سب کی سب تحریک سیّد احمد شہید سے متعلق اور اس کے تائید یا تردید میں ہیں۔ اس مجموعہ کی دوسری کتاب تقویۃ الایمان ہے، جو ایک سو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی کتابت غلام محمد خلف سیّد احمد کے قلم سے ہوئی ہے، اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ شامل نہیں، اصرف یہ الفاظ تحریر ہیں:

''تمت بالخیر، رسالہ ھذا بخط خادم طلبہ غلام محمد عفی اللہ تعالیٰ''

مگر ''تقویۃ الایمان'' کے اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر کاتب نے جو الفاظ رقم کیے ہیں، وہ بجائے خود اس کے سنہ کتابت کی کافی شہادت ہیں، اس کے بعد کسی اور وضاحت اور تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ عبارت یہ ہے:

> "**الجزءُ الاول من رسالة تقوية الايمان، من تاليف مولانا مُحمّد إسماعيل دهلوى سلمه الله**، در ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء در بلدۂ باندا من ممالیک دکھن، مقام مفتی محمد علی خاں صاحب قبلہ دام مجدہٗ، درحینکہ بتلاش روزگار وارد بودم، صورت تحریر یافت۔ خادم طلبہ غلام محمد عفی عنہ ۱۲۴۰ھ''[1]

(۱) فہرست مخطوطات اردو، خدابخش لائبریری پٹنہ، مرتبہ عابد امام زیدی، ص:۲۱ (پٹنہ ۱۹۶۲ء)

(۲) دہلی کے اردو مخطوطات، ص:۱۹۸ ڈاکٹر صلاح الدین احمدی (دہلی ۱۹۷۵ء) نذیریہ لائبریری کی کتابیں ہمدرد یونیورسٹی کی اسلامک اسٹڈیز کی لائبریری میں منتقل ہوگئی ہیں اور یہ ذخیرہ نذیریہ کلیکشن کے نام سے الگ محفوظ ہے۔ مگر اس ذخیرے میں زیر تعارف نسخے کی موجودگی کی مجھے تحقیق نہیں۔

میں نے یہ اصل نسخہ اچھی طرح دیکھا ہے، اور اس پورے مجموعہ کا نہایت عمدہ فوٹو اسٹیٹ مخدومنا حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے مجھے مرحمت فرمایا تھا، نیز اس مجموعہ میں شامل تقویۃ الایمان کے اسی نسخہ کا ایک فوٹو اسٹیٹ محترمی پروفیسر نثار احمد فاروقی کے ذخیرہ میں بھی تھا، یہ عکس بھی میرے سامنے رہا ہے۔

۶-نسخۂ نکوڑ ۱۲۴۱ھ یہ نسخہ پوسٹ کارڈ سے کچھ نکلتے ہوئے سائز کے اگرچہ معمولی کاغذ پر بہت سادہ تحریر میں لکھا ہوا ہے۔ اس نسخہ کی شکستگی اور کاغذ، اس کی قدامت کا پتہ دے رہے ہیں، اس کے آخری اوراق کی کتابت بعد میں کی گئی ہے اور اس کی وجہ بھی تحریر کی ہے کہ اس نسخہ کے آخری اوراق خراب ہو گئے تھے، اس لیے اس نسخہ کے کاتب کے پرپوتے، شیخ ضیاء احمد انصاری (نکوڑ، سہارنپور) نے وہ اوراق دوبارہ نقل کر کے، اس میں شامل کر دیے۔ یہ خدمت ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ (مارچ ۱۹۳۶ء) کو انجام پائی۔ ضائع اوراق کے علاوہ باقی ماندہ پوری کتاب، ضیاء احمد انصاری کے پردادا، شیخ خیرات علی پسر مقدم علی انصاری نکوڑ کی لکھی ہوئی ہے جس کی کتابت، جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ (جنوری، فروری ۱۸۲۶ء) میں مکمل ہوئی تھی۔ (۲)

۷-نسخۂ امروہہ ۱۲۴۱ھ امروہہ کے مشہور تاجر نوادرات وکتب، جناب توفیق احمد صاحب چشتی کی کرم فرمائی سے ۱۲۴۱ھ کے مکتوبہ ایک اور نسخہ کا علم ہوا ہے، جو رحمٰن بخش عرف بہادر علی ولد شیخ غلام علی ساکن تھانہ بھون مظفر نگر کے قلم سے رجب ۱۲۴۱ھ [۲ مارچ ۱۸۲۶ء] کو مکمل ہوا ہے۔ ترقیمہ کاتب درج ذیل ہے:

> ''تمت بالخیر رسالہ تقویۃ الایمان، من تصنیف مولانا (کذا) حضرت مولوی اسماعیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، بدست خط ناکارہ احقر العباد الٰہی بندہ رحمٰن بخش عرف بہادر علی ولد شیخ غلام علی ساکن قصبہ تھانہ بھون، متعلق ضلع سہارنپور بمقام چھاؤنی کینٹ میرٹھ۔
> بساعت سعید و روز ہمایوں یوم پنج شنبہ کہ یک نیم پاس روز باقی ماندہ، بست دوم شہر رجب ۱۲۴۱ھ تحریر یافت مبارک باد''

توفیق احمد صاحب نے اس نسخہ کے آخری دو صفحہ کا فوٹو اسٹیٹ ارسال فرما کر ممنون کیا، جس کا شکریہ واجب ہے۔

۸-نسخۂ خدابخش پٹنہ ۱۲۴۱ھ مشہور عالم خدابخش لائبریری، پٹنہ میں، تقویۃ الایمان کا ۱۲۴۱ھ کا لکھا

(۱) جائزہ مخطوطات اردو، مشفق خواجہ، ص:۱۳۰-ج:۱ (لاہور ۱۹۷۹ء)
(۲) تذکرہ شاہ محمد اسماعیلؒ، ص:۳۹ (لکھنؤ ۱۹۷۷ء)

ہوا ایک کرم خوردہ نسخہ موجود ہے، جو ستاسی صفحات پر مشتمل ہے، اس کا قلم نہایت خراب ہے۔[۱]

۹-نسخۂ نذیریہ کلیکشن دہلی ۱۲۴۳ھ مولانا سیّد نذیر حسین محدثؒ کی یاد میں قائم دہلی کی نذیریہ لائبریری میں بھی، تقویۃ الایمان کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۳ھ موجود تھا۔ ڈاکٹر صلاح الدین نے دہلی کے اردو مخطوطات میں اس کا تعارف کرایا ہے۔[۲]

اس نسخہ کی عبداللہ احمد کے قلم سے، ۱۱ جمادی الثانی ۱۲۴۳ھ (۳ دسمبر ۱۸۲۷ء) کو تکمیل ہوئی تھی، کلمۂ اختتام یہ ہے:

> ''تمت الباب الاول کتاب تقویۃ الایمان، من تصنیف مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی، بتاریخ یازدہم جمادی الثانی ۱۲۴۳ھ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم''

۱۰-نسخہ کراچی ۱۲۴۴ھ پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی، پاکستان) کے ذاتی ذخیرہ میں تقویۃ الایمان کا صحیح حالت میں نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۴ھ، [۳ ستمبر ۱۸۲۸ء] کو مکمل ہوا ہے۔ کاتب نسخہ نے لکھا ہے:

> ''تمت، تمام شد، رسالہ شریفہ مسمّٰی بہ ''تقویۃ الایمان'' من تصنیف مولوی محمد اسماعیل سلمہ اللہ الجلیل الواہب، بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاخر ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۲۳۶ھ فصلی، یوم جمع، بخط ناقص بندۂ خدا محمد سلیم اللہ، برائے استفادۂ خود و دیگر برادران مومن اہل سنت و جماعت ترقیم یافت''

ہر کہ خواند دعا طمع دارم زاں کہ من بندۂ گنہگارم[۱]

تقویۃ الایمان مطبوعہ کتب خانہ میر محمد (آرام باغ، کراچی) کے متن کی تصحیح، اسی نسخے سے کی گئی ہے۔

۱۱-نسخۂ آزاد لائبریری، علی گڑھ مکتوبہ ۱۲۴۶ھ مولانا نسیم احمد فریدی کی اطلاع ہے کہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں تقویۃ الایمان کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۶ھ محفوظ ہے۔[۲] اس نسخہ کی تفصیلات راقم سطور کو دستیاب نہیں ہیں۔

مزید نسخے ''تقویۃ الایمان'' کے مذکورہ بالا قلمی نسخوں کے علاوہ اس کے بیس بائیس قلمی نسخوں کا مجھے اور علم ہے، جن میں سے اکثر تو ۱۲۴۷ھ اور ۱۲۷۳ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں، چند ایسے ہیں جن پر سنہ کتابت درج

نہیں۔ مؤخر الذکر نسخوں میں سے چار یا پانچ کے متعلق خیال ہے کہ، وہ حضرت مؤلف شاہ محمد اسماعیل کے زمانۂ حیات کے لکھے ہوئے ہیں، تاہم جیسا کہ قلمی نسخوں کے تعارف کے آغاز پر صراحت کردی گئی ہے کہ ان نسخوں کے متعلق معتبر تفصیلی اطلاعات، یا ان کے فوٹو اسٹیٹ میری دسترس میں نہیں، اس لیے یہاں ان کے تذکرہ کو نظر انداز کرتا ہوں۔

تقویۃ الایمان کے شاہ اسماعیل شہید سے انتساب پر بے بنیاد شبہات

برسبیل تذکرہ تقویۃ الایمان کے متعارف وغیر متعارف بیس، بائیس نسخوں کا اس وقت تک موجود رہنا، اس بات کی بہت کافی شہادت ہے کہ تقویۃ الایمان تصنیف کے فوراً بعد مقبول عام کتابوں میں شامل ہوگئی تھی۔ قبول عام کے ساتھ غیر معمولی توجہ کے ساتھ پڑھی گئی، شاہ شہید کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد اس کی سیکڑوں نقلیں تیار ہوئیں، اور ان کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی، کہ اس عہد کی تصنیفات ومؤلفات میں، اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ مصنف کی حیات کے اور اس کی تالیف پر آج جب کہ تقریباً دوسو سال گزر گئے ہیں اس قدر نسخے موجود ہیں، حالانکہ ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے حوادث میں شمالی اور وسطی ہندوستان لاکھوں قلمی کتابیں ہزار ہا ہزار علمی ذخیرے، ذاتی اور قومی کتب خانے تباہ ضائع اور بے نام ونشان ہوگئے تھے، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان سے وابستہ علماء، تحریک سیّد احمد شہید کے منتسبین کی تحریرات ومؤلفات کی، ان حادثات کی وجہ سے غیر معمولی بربادی ہوئی۔ کیونکہ وابستگان خاندان ولی اللّٰہی کی ایک بڑی تعداد ان ہی علاقوں سے تعلق رکھتی تھی، جہاں ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء دونوں کے نقصانات بہت ہوئے۔ اس لیے بلاتردد کہا جاسکتا ہے کہ اس طوفان وآفات میں خاندان ولی اللّٰہی کی تالیفات کے ذخیروں کے علاوہ، تقویۃ الایمان کے بھی سیکڑوں نسخے ضائع اور برباد ہوئے ہوں گے!

کتابوں کے ذخیروں کی یہ بربادی کوئی افسانہ نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں کتابوں کے ضیاع کے بے شمار واقعات صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں، اور ۱۹۴۷ء کے بعد کی روداد بھی غیر متعارف نہیں، مجھے ذاتی طور پر متعدد ذخیروں کا علم ہے، جن کا خانوادۂ ولی اللّٰہی سے بطور خاص تعلق تھا اور جو ۱۹۴۷ء کے بعد تک موجود تھے کتابوں سے بھرے ہوئے دو چار نہیں، دس دس، بیس بیس صندوق ردی میں بکے، اور چار چار سو مخطوطات تھے، جو چولھے کی نذر ہوئے۔

ایک ذخیرہ ایسا بھی نظر سے گزرا جس میں حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کی ذاتی کتابیں موجود تھیں، اور ان ہی میں بعض ایسی درسی کتابیں بھی شامل تھیں جن میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسماعیل کے علاوہ خود

حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اپنے اپنے بچپن اور زمانۂ طالب علمی میں پڑھا تھا،ان پر ان حضرات کی تحریریں اور دستخط ثبت تھے،یقیناً یہ ایک انمول سرمایہ اور ملّت کی متاع گرانمایہ تھی،مگر یہ نادرۂ روزگار ملّی ورثہ کس طرح ضائع ہوا ہے،کیوں کر زبان پر لاؤں! میں نے جب اس کو کھولا تھا،تو سنا کہ اس کو چودہ پندرہ سال بعد ہاتھ لگایا جارہا ہے، میں نے دو دن اس کو ایک نظر دیکھنے میں صرف کیے،اور دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر، ہاتھ بھر بھر کر مینگنیاں نکالیں، بلامبالغہ دوڈھائی سیر مینگنیاں ہوں گی،جو اس ذخیرہ میں پھلنے پھولنے والے چوہوں کا نشان تھیں،متعدد کتابوں کی جلدیں،کونے اور بعض پوری پوری کتابیں چوہے کتر چکے تھے،مگر اس قدر توجہ اور عزت افزائی کے باوجود، اس ذخیرہ کے محفوظ کرنے،کسی ادارہ کو دینے، یا فروخت کرنے کا سوال ناقابل توجہ اور خارج از بحث تھا۔ یہ تو ہماری خاندانی چیز ہے،فلاں فلاں اعزہ پاکستان میں ہیں، فلان فلاں جگہ، فلاں فلاں مقام پر ہیں، جب سب جمع ہوں گے تو اس کی تقسیم عمل میں آئے گی،اس لئے اس کو کسی کو دیے جانے یا علیحدہ کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ حالانکہ ظاہر تھا کہ یہ سب افراد اور اعزہ نہ کبھی جمع ہوں گے،نہ اس ذخیرہ کی حفاظت ہوسکتی ہے، یہ بے مثال ذخیرہ اسی طرح پڑا پڑا تلف ہوجائے گا،اور کچھ دنوں کے بعد ان کتابوں کی موجودگی ایک خواب اور قصہ ٔ ماضی بن جائے گی۔ایک یہی نہیں بلکہ تباہی کے منہ میں میں جاتے ،ایسے متعدد ذخیرے میری نظر سے گزرے ہیں،ایک ایک کرکے اس وقت ان کی یاد آرہی ہے اور اس اسلامی علمی ورثہ کی تباہی پر دل کے زخم ہرے ہورہے ہیں،مگر اُف رے بے بسی۔

یہ بات ضمناً آ گئی تھی،تاہم اس سے اس اعتراض کی کمزوری اور بے حقیقتی صاف ہوجاتی ہے،کہ تقویۃ الایمان شاہ محمد اسماعیل کی تالیف نہیں ہے،اور اس کا کوئی معتبر نسخہ بھی موجود نہیں، یا اس میں ترمیم وتحریف ہوئی ہے اور اس ضمن میں بعض اکابر سے منسوب جو روایتیں نقل کی گئی ہیں،مذکورہ تفصیلات سے ان کی بے حیثیتی بھی خود بخود آشکارا ہوگئی ہے۔اگر ان حضرات سے روایتوں کا انتساب صحیح ہے تو ان کا یہ خیال تقویۃ الایمان کے صحیح نسخوں سے ناواقفیت یا غلط فہمی پر مبنی سمجھا جائے گا۔ جہاں تک تاریخ واستناد کا تعلق ہے،تقویۃ الایمان کا شاہ محمد اسمٰعیل کی تالیف ہونا نیز شاہ محمد اسمٰعیل کی موجودگی میں،اس کے بے شمار نسخوں کی کتابت وطباعت،ایسی واضح حقیقت ہے کہ کسی ذی ہوش کے لیے ان حقائق ومسلمات کا انکار ممکن نہیں۔البتہ اگر اپنی بات اور خیال کا بہر صورت تکرار مقصد ہو اور کوئی شخص حقیقت کے لاکھ آشکارا ہونے کے باوجود بھی اپنی غلط بات پر جمار ہنا چاہے،تو اس میں کوئی کیا کرسکتا ہے۔اور اگر بعض ناشرین کی غفلت یا کثرتِ طباعت وکتابت کی وجہ سے بعض غلطیاں یا فروگزاشتیں متاخر نسخوں میں ہوگئی ہوں اس سے

مستند نسخے کی ضرورت کا احساس تو ہوتا ہے، مگر اس کی بنا پر یہ کتاب تقویۃ الایمان کی شاہ محمد اسمٰعیل سے نسبت کمزور ہوسکتی اور یہ کتاب شاہ شہید کی تصنیفات سے خارج نہیں ہوسکتی۔

تقویۃ الایمان کی سب سے پہلی اشاعت تقویۃ الایمان یہی نہیں کہ شاہ محمد اسمٰعیل کی حیات میں اوران کی وفات کے بعد بھی کثرت سے نقل کی گئی، بلکہ اس کی اشاعت بھی اسی زور وشور سے ہوئی، اس کے مطبوعہ نسخوں کو بھی ایسی ہی پذیرائی ملی اور وہی قبول عام حاصل ہوا بلکہ کثرت طباعت اور مطبوعہ نسخوں کی ہاتھوں ہاتھ فروخت نے قلمی نسخوں کی تعداد کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ طباعت کا یہ سلسلہ شاہ محمد اسمٰعیل کی حیات میں ان کی وفات سے چار سال پہلے شروع ہوگیا تھا، خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کی متعدد تصنیفات اور شاہ محمد اسمٰعیل کی چند اور کتابوں کی طرح تقویۃ الایمان کی سب سے پہلی طباعت کی سعادت بھی، اسی خانوادہ کے دامن اصلاح وتربیت سے وابستہ، ایک فرد، سیّد احمد شہید کے متوسل، اور سفر حج میں شاہ محمد اسمٰعیل کے رفیق، نیز اردو نثر کی تاریخ کی ایک اہم بنیادی شخصیت، سیّد عبداللہ بن سیّد بہادر علی کے حصہ میں آئی۔ سید عبداللہ نے اپنے مطبع احمدی سے اس کی اشاعت کا سروسامان کیا۔ تقویۃ الایمان کی یہ پہلی اشاعت ۱۲۴۲ھ [مطابق ۲۷-۱۸۲۶ء] میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر جلوہ گر ہوئی، یہ نسخہ اس وقت کلکتہ میں مروج اور ہندوستان بھر میں منقول، خط نستعلیق کے اردو ٹائپ پر چھپا ہے، ۲۲×۱۴ سینٹی میٹر پیمائش ہے۔ فی صفحہ سترہ سطریں ہیں، پوری کتاب ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، اختتام کتاب پر طباعت ختم ہوگئی، کوئی اور وضاحت یا کلمۂ ناشر درج نہیں، مگر سرورق کی عبارت سے جملہ تفصیلات معلوم ہو رہی ہیں۔ مطبع احمدی کی اس سب سے پہلی طباعت کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں، الفاظ اور سطور کی ترتیب اصل مطبوعہ نسخہ کے مطابق ہے۔

تقویۃ الایمان

---

(۱) وقائع احمدی، ج:۱ ص:۸۱۸ نسخۂ ندوہ

(۲) مطبع احمدی کلکتہ ۱۲۴۲ھ سے چھپی ہوئی تقویۃ الایمان کے چار نسخوں کا پہلے علم ہے اوران میں سے، دو الگ الگ نسخوں کے مکمل فوٹو اسٹیٹ میرے سامنے موجود ہیں۔ اوّل الذکر نسخہ کے آخری چند صفحات موجود نہیں ہیں اور نہایت کرم خوردہ نسخہ ہے۔ دوسرا نسخہ اگرچہ مکمل اور بہت اچھی حالت میں ہے اس پر کہنگی اور کیڑوں کے اثرات بہت کم ہیں، لیکن اس کے درمیان کے چند صفحات غالباً ضائع ہوگئے تھے، کسی نے ان صفحات کو اسی مطبوعہ نسخہ کے سائز، اسی قلم اور اسی رسم خط میں ان صفحات کی نقل کرکے اس نسخہ کو مکمل کردیا ہے، نقل اس حد تک اصل کے مطابق ہے کہ بہت غور سے دیکھنے پر مطبوعہ اور قلمی کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس نسخہ کے سرورق پر ''مسیح یار جنگ حکمت آموز خاں بہادر'' کی مہر ثبت ہے۔

اس کتاب میں
اور حدیثوں کا ذکر ہے، جن سے شرک کی برائی ثابت ہوتی ہے
مؤلف کا نام
مولانا محمد اسماعیل دہلوی
عام وخاص مؤمنین اور مسلمین مملکت ہند کی ہدایت کے واسطے
چھپوانے والے کا نام
سیّد عبداللہ بن سیّد بہادر علی
چھاپے خانے کا نام
مطبع احمدی
۱۲۴۲ھ بارہ سو بیالیس ہجری قدسی
مقام کلکتہ

یہ طباعت قلمی نسخوں کے مطابق ہے، یا اس میں کچھ فروگزاشت ہے، اس کا حتمی فیصلہ مطبوعہ اور قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر چہ اس نسخہ میں طباعتی فروگزاشتوں کا پایا جانا ناممکن نہیں، مگر ان اغلاط کی وجہ سے اس نسخہ کی اہمیت واوّلیت کسی بھی طرح متأثر نہیں ہوتی۔ اس طباعت پر تعداد اشاعت درج نہیں مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں چھپی ہوگی، اس کا اندازہ سیّد احمد شہید کے متوسل اور رفیق جہاد مولانا محمد جعفر بستوی کے ان الفاظ سے ہوتا ہے، جو مولانا نے سیّد احمد شہید کے سفر کلکتہ کے وقت، سلسلۂ ارشاد وتربیت کی وسعت اور اس سلسلہ کی بعض مطبوعات کی مقبولیت اور کثرت اشاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’سیّد صاحب کا مختصر شجرہ آٹھ آنے کا، مفصل ایک روپے کا تھا، تاجران کتب نے ہزاروں لاکھوں چھپوا ڈالے‘‘[1]

شاہ محمد اسماعیل اور ان کی مؤلفات کی مقبولیت، سیّد احمد صاحب کی شخصیت اور تحریرات سے کچھ کم نہیں تھی۔

(۱) العلامۃ فضل حق خیر آبادی مع تحقیق کتاب الثورۃ الہندیۃ، ص:۱۸۸-۱۸۷ (لاہور ۱۳۹۹ھ)

(۲) مولانا محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان ص:۱۵ طبع دوم (دہلی ۱۴۰۴ھ) مگر مولانا زید صاحب نے اس عبارت کے صرف ایک حصہ کا ترجمہ فرمایا ہے، باقی ابتدائی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ’’تقویۃ الایمان سب سے پہلے رائل ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) سے چھپی تھی‘‘۔

اس لیے مولانا شہید کی کتابیں بھی یقیناً ہزاروں (دس پانچ ہزار) کی تعداد میں چھپتی ہوں گی۔[۲]

تقویۃ الایمان کی پہلی طباعت کے متعلق ایک افترا پچھلے بارہ، پندرہ سال (اب سے تیس بتیس) قبل پاکستان سے ایک تحریک یہ اٹھی تھی کہ ولی اللّٰہی تحریک کے خلاف بر پا سازشوں، اور امت مسلمہ کو صراط مستقیم سے ہٹادینے اور اتباع سنت کے راستہ سے بے راہ کرنے کی کوشش کا، اوّلین قائد ومحرک، مولانا فضل حق خیر آبادی کو قرار دے کر، یہ ثابت کیا جائے کہ تحریک سیّد احمد شہید نیز شاہ محمد اسماعیل اور ان کے نظریات کی مخالفت کی جڑیں، خود خاندان ولی اللّٰہی سے پیوست ہیں۔ اس ضمن میں درجنوں روایتیں وضع کی گئیں، اور ان کو موقع بموقع پھیلایا گیا پھر بعد میں ان ہی بے حقیقت روایتوں کو، مسلمہ تحقیق کی حیثیت سے نقل کر کے، اس غلط کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ اس قسم کی متعدد روایتوں کے متعلق راقم سطور پورے وثوق اور ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ نو ایجاد ہیں۔ دس، بارہ سال پہلے تک نہ کسی کتاب وتحریر میں، ان کا پتہ تھا، نہ کسی ذریعہ سے ان کی نقل وروایت کا سراغ ملتا ہے، ان روایتوں پر گفتگو ضروری ہوئی تو کسی اور موقع پر کی جائے گی۔

یہاں اس طرح کے ایک انکشاف کی حقیقت واضح کرنی ہے، جس کا تقویۃ الایمان سے براہ راست تعلق ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی پر ایک عربی تالیف "**العلامة فضل حق خیرآبادی، مع تحقیق کتابه الثورة الهندیة**" کی مصنفہ (ڈاکٹر قمر النساء) لکھتی ہیں:

> **"شاع کتاب "تقوية الإيمان" أولاً من "رائل ایشیاتك سوسائٹی" Royal Asiatic Society، وقد اعترف البروفیسر محمد شجاع الدین (المتوفی ۱۹۶۵ء) رئیس قسم التّاریخ بکلیة" دیال سنگھ" بلاهور فی مکتوبه، الی البروفیسر خالد البرنی بلاهور أن الإنجلیزیین قدوزّعوا کتاب" تقوية الإيمان" بغیر ثمن**[۱]

مناسب ہے کہ اس عبارت کے ترجمہ میں مولانا زید ابوالحسن کے الفاظ نقل کر دیے جائیں:

> "پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے، جن کی وفات

---

(۱) مغربی زبانوں کے ماہر علماء از سیّد محمد سلیم لاہور ۱۹۹۳ء

(۲) یہ ترجمہ بعد میں بھی دو تین مرتبہ شائع ہوا۔ گزشتہ چند برسوں میں ہند پاکستان میں بھی اس کی نئی طباعتیں سامنے آئی ہیں۔

۱۹۶۵ء میں ہوئی۔ اپنے ایک خط میں پروفیسر خالد برنی کو (جو اس وقت لاہور میں تھے) لکھا ہے اور اس کا اعتراف کیا کہ انگریزوں نے کتاب تقویۃ الایمان بغیر قیمت کے تقسیم کی ہے[۲]

پروفیسر شجاع سے منسوب، اس فقرہ کے ذریعہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ تقویۃ الایمان کا پہلا ایڈیشن ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ سے شائع ہوا تھا نیز تقویۃ الایمان کی مقبولیت و کثرت اشاعت انگریزوں کی سازش کی مرہون منت ہے۔ مگر یہ دونوں باتیں بلاشبہ قطعاً غلط اور اتہام وافتراء کے مترادف ہیں۔ پچھلی سطروں میں گزر گیا ہے کہ تقویۃ الایمان کا سب سے پہلا ایڈیشن سیّد عبداللہ بن سیّد بہادر علی کے اہتمام سے، ان کے ذاتی مطبع احمدی کلکتہ سے ۱۲۴۲ھ میں شائع ہوا تھا، اسی مطبع سے سب سے پہلے "الفوز الکبیر" تھی، مطبع نے سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن "موضح قرآن" شائع کیا تھا۔ اسی مطبع کو شاہ عبدالعزیز اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کی متعدد تالیفات، سب سے پہلے چھاپنے کی توفیق و سعادت ملی۔ اسی مطبع سے میر امّن کی، "گنج خوبی" پہلی مرتبہ چھپی تھی۔ غرض اس مطبع نے علوم اسلامیہ خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان علماء کی تصانیف اور اردو نثر کی بنیادی کتابوں کی طباعت واشاعت میں، تاریخی خدمات انجام دی ہیں اور اسی مطبع نے (۱۲۴۲ھ/ ۲۸-۱۸۲۷ء میں) تقویۃ الایمان شائع کی تھی۔

ایشیاٹک سوسائٹی سے تقویۃ الایمان کبھی شائع نہیں ہوئی، نہ مطبع احمدی کی طباعت سے پہلے، نہ اس کے بعد۔ ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات کی قدیم ترین فہرست جو جنوری ۱۸۳۳ء (شعبان ۱۲۴۸ء) کی چھپی ہوئی ہے، ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے، اس فہرست میں ایشیاٹک سوسائٹی سے اس وقت تک کی چھپی ہوئی جملہ عربی، فارسی، اردو مطبوعات کا تذکرہ ہے، مگر اس میں تقویۃ الایمان کا نشان تک نہیں۔ نیز ایشیاٹک سوسائٹی کی چھپی ہوئی جو کتابیں دستیاب ہیں اور اس کی مطبوعات کے جو اندراجات واشتہارات اب تک، راقم سطور کی نظر سے گزرے ہیں، ان میں کہیں بھی تقویۃ الایمان کا نام شامل و موجود نہیں۔ لہٰذا پروفیسر شجاع الدین سے منسوب، یہ الفاظ اور ڈاکٹر قمر النساء کی یہ اطلاع درست نہیں بے اصل و بے حقیقت ہے کہ تقویۃ الایمان ایشیاٹک سوسائٹی سے بھی چھپی تھی۔

پروفیسر شجاع الدین کے مکتوب کا بھی یہی حال ہے، اول تو اس کا ثبوت چاہیے کہ موصوف نے اس قسم کا کوئی

خط کبھی لکھا تھا، اگر لکھا بھی ہو، تو بلا معتبر ثبوت اور دلائل کے اس بات کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ اس روایت اور کتاب کی طباعت کے درمیان، تقریباً ایک سو چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ نیز اگر ایسی مؤثر و جاندار کتاب، جو ایمان خالص اور اتباع شریعت کی دعوت دیتی ہے اور اسلام دشمن قوتوں کے علاوہ کسی کے خلاف نبرد آزما نہیں ہے، انگریزوں نے بلا قیمت تقسیم کی تو بڑی غلطی کی، خود اپنا نقصان کیا، کسی کا کیا بگاڑا۔

ایشیاٹک سوسائٹی سے تقویۃ الایمان کی طباعت کی حقیقت یہ ہے کہ، میر شہادت علی نے تقویۃ الایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا، جو انگریزی کے معروف علمی مجلّہ، ایشیاٹک سوسائٹی جرنل میں ۱۸۲۴ء میں چھپا تھا، اس کا کتابی ایڈیشن غالباً ۱۸۵۴ء میں[1] شائع ہوا۔[2]

تقویۃ الایمان کی چند اور نئی پرانی طباعتیں جس طرح ''تقویۃ الایمان'' کے خطی نسخے بے انتہا مقبول تھے، اسی طرح ''تقویۃ الایمان'' کی اشاعتوں کو بھی غیر معمولی پذیرائی اور قبول عام نصیب ہوا۔ ۱۲۴۲ھ میں پہلی طباعت کے بعد سے، اس کی جو متواتر و مسلسل طباعت شروع ہوئی تھی، وہ آج تک بلا کسی وقفہ کے جاری ہے، اور بلا تأمل کہا جا سکتا ہے کہ اردو کے اسلامی مذہبی ذخیرہ میں، ایسی کوئی اور دینی کتاب موجود نہیں، جس کی اشاعت اور مقبولیت اس کے عہد تصنیف سے آج تک (جب کہ اس کی تالیف پر دو سو سال گزر چکے ہیں) تقریباً ایک سطح پر برقرار رہی ہو۔ اور اس کا وہی احترام و ہی تعلق باقی رہا ہو جو اولین طباعت کے وقت تھا۔ بہر حال یہ سلسلہ طباعت جاری ہے، پہلی طباعت سے عصر حاضر تک، اس کے کس قدر ایڈیشن چھپے، اور ایک ایک پریس، ایک ایک ادارہ نے، کتنی کتنی مرتبہ شائع کی، اس کا صحیح اندازہ ناممکن ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق سوڈیڑھ سو مرتبہ ضرور چھپی ہے، چالیس سے زائد طباعتیں جو مختلف اداروں سے نکلی ہیں، میری نظر سے گزری ہیں اور مجھے اس اعتراف میں کوئی ندامت نہیں کہ، تقویۃ الایمان کی غالباً دو تہائی اشاعتوں کی دید سے اب تک محروم ہوں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی تقویۃ الایمان سوا سوڈیڑھ سو مرتبہ ضرور چھپی ہے۔

---

(۱) پاکستان کی ایک ذاتی مگر بڑے کتب خانہ (عبد المجید کھوکھر، لائبریری گوجراں والہ) میں تقویۃ الایمان کی ایک سو پچاس علیحدہ طباعتیں موجود ہیں، لائبریری نے ان کی ایک مختصر فہرست بھی شائع کی ہے۔ مگر اس میں ایسی بیسیوں اہم طباعتوں کے نام شامل نہیں ہیں جو میری نظر سے گزری ہیں، اسی سے تقویۃ الایمان کی کثرت طباعت دائرہ قارئین کی وسعت اور اثر و نفوذ اندازہ کہا جا سکتا ہے۔

(۲) مکتوبات محمود احمد خاں شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی ص:۲۵۲، جلد اوّل (لاہور ۱۹۸۱ء)

کلکتہ برصغیر ہندو پاکستان میں، کتابوں کی طباعت واشاعت کا، سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز تھا۔ مطابع کی سہولت حاصل ہوتے ہی، ملک کے مختلف حصوں سے بہت سے لوگ کلکتہ پہنچے اور سب نے اپنے اپنے مطابع قائم کیے اور کتابوں کی تجارت شروع کردی، علمائے خاندان شاہ ولی اللہ کی متواتر خدمات اور تحریک سیّد احمد شہید کے غیر معمولی اثرات کی وجہ سے، عام مسلمانوں کی دین کی طرف بے حد رغبت ہوگئی تھی، اس لیے اسلامی مذہبی کتابوں کی فروخت وطلب میں روزانہ اضافہ ہورہا تھا، چونکہ تقویۃ الایمان کا خاندان ولی اللّٰہی اور تحریک سیّد احمد شہید دونوں سے قریبی اور گہرا رابطہ تھا، اس لیے اس کی مانگ میں بھی غالبًا اور کتابوں کی بہ نسبت بہت زیادہ اضافہ ہوا، اسی لیے کلکتہ کے متعدد مطابع اور تجارتی اداروں سے، تقویۃ الایمان کی یکے بعد دیگرے، بلکہ کبھی کبھی ایک ساتھ اشاعت ہوتی رہی، اسی طرح دہلی کے مطابع بھی تقویۃ الایمان کی طباعت واشاعت میں پیش پیش رہے، ایک ایک وقت میں کئی کئی مطابع اور (اس وقت کی اصطلاح کے مطابق) تجارتی کارخانوں سے، تقویۃ الایمان چھپ کر نکل رہی تھی اور فروخت ہورہی تھی، جس پر زمانہ کے سرد وگرم، ترقی وتنزل، ۱۸۵۷ء اور بعد کے انقلابات وآفات کسی بات کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور یہ سلسلہ ہنوز اسی طرح جاری ہے۔ فرق صرف اتنا ہوا ہے کہ اب تجارتی، اشاعتی مراکز اور مقامات طباعت اور ہیں، اس وقت اور تھے۔ لیکن دہلی، لاہور، اور لکھنؤ کے تاجران کتب اور مطابع پہلے بھی تقویۃ الایمان کے ناشرین کی فہرست میں شامل تھے، آج بھی شامل ہیں، صرف کلکتہ، کانپور وغیرہ کی جگہ دیوبند اور کراچی نے لے لی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کی تمام طباعتوں اور ان کے کل مطبوعہ نسخوں کا شمار ممکن نہیں، اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان اداروں سے تقویۃ الایمان کے کتنے ایڈیشن کس مقدار میں شائع اور فروخت ہوئے۔ (۱) مجھے جن اشاعتوں کا علم ہے یہاں ان سب کا تذکرہ غیر ضروری ہے، اس لیے اکثر طباعتوں کے تعارف کو نظر انداز کرکے، گنتی کے چند اہم ایڈیشنوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں سے تین چار کا قدیم دور سے تعلق ہے، تین چار کا تازہ

(۱) صوبہ شمالی اور مغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص:۱۹۶ (دہلی ۱۹۶۳ء)۔ ہندوستانی پریس، ڈاکٹر نادر علی خاں، ص:۱۶۹ (لکھنؤ ۱۹۹۰ء)

(۲) واضح رہے کہ محولہ بالا مطبع، مطبع صدیقی کے نام سے قائم پہلا مطبع اور تجارتی ادارہ ہے، اس کے قائم ہونے کے عرصہ بعد الگ الگ موقعوں پر، مطبع صدیقی کے نام سے دو الگ الگ مطبع اور قائم ہوئے تھے اور عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں نے بھی تقویۃ الایمان شائع کی ہے، مگر وہ دونوں شاعتیں یہاں مراد نہیں۔

طباعتوں سے اور ایک دو در میانی عہد سے متعلق ہیں۔

۱- مطبوعہ کلکتہ ۱۲۵۷ھ کلکتہ کے کسی مطبع سے، تقویۃ الایمان کا ایک ایڈیشن نستعلیق ٹائپ پر، زین العابدین کی تصحیح سے، ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس طباعت کا ایک نسخہ اردو تحقیق کے بانی مبانی، پروفیسر حافظ محمود احمد خاں شیرانی کے ذاتی ذخیرہ کتب میں موجود تھا، شیرانی صاحب نے ڈاکٹر صادق حسین مترجم Our Indian Muslim)) ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کے نام ایک خط میں تحریک سیّد احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل کی مؤلفات کی بعض قدیم ترین طباعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی میں ۱۸۵۷ء میں کلکتہ کی مطبوعہ تقویۃ الایمان کا بھی تذکرہ [۲] ہے نیز" **إزالة الشّكوك والأوهام فى العقائد الحقه لأهل الإسلام**" مؤلفہ شاہ فخر الدین خلف شاہ رفیع الزماں الہ آباد (مطبع قیصری، الہ آباد ۱۲۹۷ھ) کی تمہید میں بھی، تقویۃ الایمان کی ایک طباعت ۱۲۵۷ھ کا مجمل حوالہ درج ہے مگر چونکہ دونوں اطلاعات نامکمل ہیں، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ مذکورہ دونوں تحریروں میں، ایک ہی طباعت کا حوالہ ہے یا یہ دو الگ الگ اشاعتیں تھیں۔

۲- مطبع کریم کلکتہ ۱۲۶۵ھ چھوٹے سائز پر صاف ٹائپ میں یہ نسخہ مطبع کریمی، مصری گنج کلکتہ سے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں چھپا تھا۔ اس کی تصحیح طالب اللہ نے کی، طباعت کا اہتمام مولوی عظیم الدین اور منشی غلام اکبر خاں نے کیا، اور منصرم طباعت نیز مالک مطبع مولوی بدیع الدین تھے۔ یہ نسخہ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے، غالبًا اسی مطبع سے تذکیر الاخوان بھی چھپی تھی اس کا تذکرہ اپنے موقع پر آئے گا۔

۳- مطبع محمدی، وحیدۃ الاخبار، دہلی ۱۲۶۷ھ اس نسخہ کی دو خصوصیات قابل ذکر ہیں، ایک تو اس کی کتابت اس عہد کے مطبوعہ نسخوں سے بہتر، کھلی کھلی اور بہت صاف ہے، دوسرے اس کے حاشیہ پر، مولانا سیّد محبوب علی جعفری کے بعض افادات وحواشی چھپے ہیں، اس کے علاوہ بھی حاشیے ہیں، مگر اس کی صراحت نہیں کی یہ کس نے ترتیب دیے ہیں، تاہم مفید حواشی ہیں۔ یہ نسخہ ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا خاتمہ الطبع ان الفاظ پر مشتمل ہے:

''الحمد للہ کہ پہلا باب تقویۃ الایمان کا، خوب صحت سے، حافظ محمد پیر خاں کے اہتمام

(۱) مثلاً شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان، مولانا زید ابوالحسن فاروقی، ص:۱۱ نیز مولانا نسیم فریدی نمبر (الفرقان لکھنؤ) مضمون حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، ص:۲۲۹۔ شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد مولانا اخلاق حسین قاسمی (لاہور ۱۹۸۵ء) وغیرہ۔

(۲) جائزہ مخطوطات اردو، جناب مشفق خواجہ، ص:۱۲۳، ج:۱ (لاہور ۱۹۷۹ء)

سے ،محرم کی بارہویں تاریخ ۱۲۶۷ھ میں ،چھتہ موم گراں شاہجہاں آباد، مطبع محمدی وحیدۃ الاخبار میں چھپا۔ راقمہ کمترین عنایت علی ، میر امام علی ، خداتعالیٰ مصنف اور محشّی سلمہ اللہ اور پڑھنے سننے والوں پر رحمت فرماوے اور راہ ہدایت سے سب کو لگاوے اور کفر شرک و بدعت سے بچائے۔آمین یارب العالمین''

اس طباعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

۴- مطبوعہ مصطفائی، دہلی ۷۰-۱۲۶۹ھ میر محمد حسین کا مطبع مصطفائی لکھنؤ کے مشہور مطابع میں شمار ہوتا تھا،مگر جب لکھنؤ میں مطابع خلاف قانون قرار پائے،تو میر محمد حسین نے اپنا کاروبار لکھنؤ سے کانپور اور دہلی منتقل کر لیا تھا اور دونوں جگہوں پر مطبع مصطفائی کے نام سے طباعت واشاعت کا کام شروع کر دیا، دونوں جگہ کام کو فروغ ملا اس مطبع نے طرح طرح کی کتابیں شائع کیں،منجملہ ان مطبوعات کے تقویۃ الایمان بھی شامل تھی۔تقویۃ الایمان کی یہ طباعت ۱۸۵۳ء/ ۷۰-۱۲۶۹ھ میں جلوہ گر ہوئی،محمد عتیق صدیقی نے مطبع مصطفائی کی ۱۸۵۳ء کی مطبوعات میں،اس کا تعارف کرایا ہے۔[1] یہ اشاعت میری نظر سے نہیں گزری۔

۵- مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ معلوم ہوتا ہے کہ تقویۃ الایمان کی فروخت اور مانگ روز بڑھ رہی تھی،اس لیے مطبع مصطفائی میں تقویۃ الایمان کی اشاعت کے فوراً بعد، دہلی کے ایک اور مطبع نے بھی، جو مطبع صدیقی[2] کے نام سے موسوم تھا،تقویۃ الایمان کا ایک اور ایڈیشن چھاپا، جو ۹۰ صفحات پر مشتمل تھا اور ۲۸ شوال ۱۲۷۰ھ/ ۲۵ جولائی ۱۸۵۵ء کو پریس سے نکلا تھا۔اس کی طباعت سیّد محمد عنایت اللہ کے اہتمام سے ہوئی۔آخر میں ان الفاظ سے متعلقہ معلومات کی وضاحت کی گئی ہے:

''الحمد للہ کہ پہلا باب تقویۃ الایمان ،کا خوب صحت سے سیّد محمد عنایت اللہ کے اہتمام سے مطبع صدیقی ،واقع شاہجہاں آباد، بیچ تاریخ ۲۸ ویں ماہ ،شوال ۱۲۷۰ھ نبوی کے، مطبوع طبع خاص وعام کے ہوا۔خداتعالیٰ مصنفؒ اور محشّی سلمہ اللہ اور سب بھائیوں مسلمانوں پر رحمت فرما کر، شرک و بدعت سے بچائے ۔آمین یارب العالمین رقمہ، بشارت علی عفی عنہ۔

اس طباعت کے حاشیہ پر وہی حاشیہ چھپا ہے، جو مطبع محمدی نے شائع کیا تھا،اس میں مولانا سیّد محبوب علی

جعفری کے حواشی بھی شامل ہیں۔ اس مطبع نے تقویۃ الایمان کے ساتھ (غالباً پہلی مرتبہ) تذکیر الاخوان بھی شائع کی تھی[اس کا تذکرہ تذکیر الاخوان کے تحت درج ہوگا] مطبع صدیقی کی مطبوعہ تقویۃ الایمان خاصی معروف ومتداول رہی ہے، اس طباعت کا متعدد اہل علم نے تذکرہ کیا ہے۔(۱) اس کا بھی ایک نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۶- مطبع محسنی کلکتہ ۱۲۷۵ھ یہ نسخہ کلکتہ کے مطبع محسنی نے ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ/ جولائی ۱۸۵۹ء میں شائع کیا تھا، یہ ایڈیشن بھی میری نظر سے نہیں گزرا، جناب مشفق خواجہ نے اس کا مجملاً تعارف کرایا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب کا ایک عمدہ ایڈیشن مطبع محسنی کلکتہ سے، نستعلیق ٹائپ میں چھپا تھا، اس پر تاریخ طباعت ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ (۲۸ جون ۱۸۵۹ء) درج ہے
> اس ایڈیشن کا ایک نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی میں ہے۔''(۲)

۷- مطبع فاروقی ۱۲۹۱ھ ومابعد مطبع فاروقی، دہلی کا ممتاز علمی اشاعتی مرکز تھا، جس نے اشاعت کتب حدیث کے سلسلے میں خصوصاً بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اس مطبع کی مطبوعات کی طویل فہرست میں تقویۃ الایمان بھی شامل ہے۔ مطبع فاروقی سے تقویۃ الایمان پہلی مرتبہ کب شائع ہوئی، اس کا مجھے علم نہیں، لیکن اس مطبع کی چھپی ہوئی تقویۃ الایمان کی، جو سب سے قدیم طباعت میری نظر سے گزری ہے، وہ ۱۲۹۱ھ کی ہے۔ اس کے بعد بھی اس مطبع سے تقویۃ الایمان متواتر چھپتی رہی، بعض مرتبہ ایک سال میں دو تین مرتبہ چھپی، مثلاً ۱۳۰۲ھ کے چھپے ہوئے، دو نسخے میرے علم میں ہیں، جس میں ایک کے ساتھ تذکیر الاخوان رسالہ حارق الاشرار وغیرہ شامل ہیں، دوسری اشاعت جو اسی ۱۲۹۱ھ میں اسی مطبع سے چھپی ہے صرف تقویۃ الایمان پر مشتمل ہے۔ اسی

(۱) یادش بخیر۔ یہ وہی مطبع نظامی ہے جس نے سیکڑوں اہم کتابوں کے عمدہ صحیح نسخوں کے علاوہ وہ قرآن مجید بھی شائع کیا تھا، جو تقریباً ڈیڑھ سو سال سے برصغیر ہند میں خادمانِ قرآن مجید اور حفاظِ کرام کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے، اور مثل نظامی، نقل نظامی کے نام سے سیکڑوں مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ قرآن مجید اس وقت کے برگزیدہ علمائے دہلی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی (شاگردان شاہ محمد اسحاق صاحب) وغیرہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی جملہ اکابر علمائے دیوبند و سہارنپور کی اجتماعی تصحیح سے چھپا تھا، اور اب تک شائع قرآن مجید کا صحیح ترین نسخہ ہے۔

(۲) قاموس الکتب، ص:۲۰۳، ج:۱ (کراچی ۱۹۶۱ء)

(۳) تذکرۂ شہید۔ محمد خالد سیف۔ ص:۲۵۷ [لاہور:۱۹۸۳ء]

مطبع کی ایک اور طباعت ۱۳۱۳ھ کی بھی میری نظر سے گزری ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مطبع سے تقویۃ الایمان بار بار اور کثرت سے چھپی ہے۔

۸- **مطبع منشی نول کشور لکھنو، ۱۲۹۳ھ و مابعد** مشہور عالم تجارتی اشاعتی ادارے، مطبع منشی نول کشور نے بھی، تقویۃ الایمان کئی مرتبہ شائع کی۔ اس مطبع کی دو اشاعتوں کا راقم سطور کو علم ہے، جن میں پہلی جمادی الاخری ۱۲۹۳ھ جولائی ۱۸۷۶ء کی ہے، دوسری ۱۳۰۵ھ جولائی ۱۸۸۸ء کی۔ یہ اشاعتیں نول کشور کے صدر مقام لکھنؤ سے شائع ہوئی تھیں، اس کے بعد بھی اس مطبع سے تقویۃ الایمان کا کوئی ایڈیشن نکلا یا یہی آخری طباعت تھی، معلوم نہیں۔

۹- **مطبع احمدی دہلی، تقریباً ۱۳۰۰ھ** سیّد احمد ولی اللّٰہی اور ان کے والد سیّد عبد الغنی دہلی کے ممتاز ناشر کتب تھے، جن کی کوشش و جستجو کی بدولت حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادگان والا شان نیز اس خاندان کے علماء کی بیشتر تصنیفات شائع ہو کر، ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔ سیّد عبد الغنی اور سیّد احمد ولی اللّٰہی دونوں نے، شاہ محمد اسماعیل کی تصانیف کی نشر و اشاعت پر بھی خاصی توجہ رکھی۔ مطبع احمدی کی مطبوعات میں تقویۃ الایمان بھی شامل تھی، سیّد احمد ولی اللّٰہی نے اس کا متعدد موقعوں پر اشتہار دیا ہے۔ مجموعہ رسائل اربعہ **فیما یجب حفظ للناظر** وغیرہ مطبوعہ رجب ۱۳۰۷ھ کے سرورق کا آخری صفحہ، ایک مفصل مضمون پر مشتمل ہے، جس میں علماء خاندان ولی اللّٰہی کی تصنیفات کی اشاعت میں، اپنی جدوجہد اور مستقبل کے منصوبوں کا تذکرہ ہے، اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست ہے جو اب تک شائع ہو چکی ہیں، یا ان کی اشاعت کا ارادہ ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے: ''فہرست کتب موجودہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ مصنفین مولانا شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز وغیرہ'' اسی کے تحت مولانا محمد اسماعیل شہید کی کتابوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں تقویۃ الایمان مطبوعہ درج ہے اور اس کی قیمت ۱۰ آنہ لکھی ہے۔۔۔ اس کے سنہ طباعت کی تعیین نہ ہو سکی، غالباً ۱۳۰۰ھ کے آس پاس کا کوئی سنہ ہوگا۔

۱۰- **مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۱ھ** مطبع فاروقی کی طرح، کتب حدیث، علمی خدمات اور فقہ و دینیات کی اشاعت میں سرگرم، مطبع نظامی کانپور نے بھی تقویۃ الایمان شائع کی تھی، یہ طباعت ۱۳۰۱ھ میں اشاعت پذیر ہوئی، یہ مطبع چونکہ اہم دینی کتابوں کی تصحیح و مقابلہ میں خاص شہرت رکھتا تھا،[1] اس لیے خیال ہے کہ اس کی شائع کی ہوئی تقویۃ الایمان بھی صحت کے لحاظ سے اور اشاعتوں سے ممتاز ہوگی، مگر یہ اشاعت

میری نظر سے نہیں گزری، اس کا علم قاموس الکتب سے ہوتا ہے۔[۲]

۱۱- باہتمام مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سہارنپور-قبل ۱۳۳۴ھ تقویۃ الایمان کا ایک سادہ نسخہ، جس پر حاشیہ، کوئی وضاحت نیز تقویۃ الایمان کے متعلق کوئی رسالہ یا فتویٰ شامل نہیں ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے والد ماجد، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی (وفات ذیقعدہ: ۱۳۳۴ھ) نے اپنے سلسلۂ مطبوعات میں شائع کیا تھا۔ مولانا محمد یحییٰ نے یہ نسخہ اپنے سہارنپور کے زمانۂ قیام میں چھپوایا تھا، اس پر تحریر ہے:

> ''محمد یحییٰ کاندھلوی: تاجر کتب، مظاہر علوم سہارنپور''۔ یہ طباعت ۱۳۲۵ھ کے بعد اور ۱۳۳۳ھ کے پہلے کی ہے، جو مولانا کا سنہ وفات ہے، اس طباعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

۱۲- نسخہ مولانا محی الدین قصوری ۱۳۴۱ھ مولانا ابوالکلام آزاد کے ممتاز رفیق محی الدین قصوری نے (جن کی فرمائش پر مولانا آزاد نے تذکرہ قلم بند کیا تھا) بہت ذوق وشوق کے ساتھ تقویۃ الایمان کا ایک عمدہ دیدہ زیب نسخہ شائع کیا تھا، محمد خالد سیف کی اطلاع کے مطابق، یہ طباعت ۱۳۴۱ھ میں پیوستۂ اشاعت ہوئی[۳] یہ ایڈیشن میری نظر سے نہیں گزرا۔

۱۳- نسخہ مرتبہ مولانا محمد محمدی دہلی ۱۳۵۳ھ اہل حدیث کے خاصے متعارف عالم، مؤلف اور اخبار نویس، مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی، مدیر اخبار محمدی دہلی نے، تقویۃ الایمان کا ایک نسخہ مرتب کر کے شائع کیا تھا، جس میں تقویۃ الایمان کے علاوہ، مکتوب شاہ محمد اسماعیل بنام سیّد بغدادی، علماء حنفیہ کے فتاویٰ، شاہ محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان کے متعلق اور خود مولانا محمد جونا گڑھی کا ایک مختصر رسالہ، تائید محمدی (مؤلفہ ۱۳۵۳ھ) شامل ہے، شاہ محمد اسماعیل کے مختصر حالات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ اخبار محمدی کے زیر اہتمام خواجہ برقی پریس دہلی سے، ۵ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ/ جون ۱۹۳۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا تھا۔ چھوٹے سائز کے کل ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس طباعت کو مولانا محمد کی نسبت کی وجہ سے اہل حدیث اصحاب کے حلقوں میں پسند کیا گیا۔ متعدد اہل خیر اہل حدیث نے اس کو چھپوایا اور تقسیم کیا، یہ سلسلہ غیر منقسم ہندوستان میں بھی جاری رہا اور ۱۹۴۷ء کے بعد کراچی وغیرہ سے بھی، اس کی بلا قیمت اور قیمتاً دونوں طرح اشاعت ہوتی رہی، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

۱۴- نسخہ مطابق نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۴ھ، کراچی- بلاسنہ تقویۃ الایمان مسلسل چھپ رہی تھی

اور کثرت طباعت کی وجہ سے اس میں کتابت فروگذاشتوں اور اغلاط وتصحیف نے خاصی جگہ حاصل کر لی تھی، جس کی وجہ سے یہ خیال متعدد اہل علم نے ظاہر فرمایا کہ تقویۃ الایمان کا قدیم قلمی نسخوں سے مقابلہ ہو کر عمدہ صحیح نسخہ شائع ہونا چاہیے نامور محقق اور مورخ پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی نے اس خیال کو عمل کی صورت بخشی۔

قادری صاحب خاندان ولی اللّٰہی کے علماء اوران کی تاریخ سے بخوبی واقف اور تقویۃ الایمان اوراس کی حمایت وتردید میں برپا مناظروں، مناقشوں اور تالیفات کے ذخیروں سے آشنا تھے۔ ان کے ذاتی ذخیرہ میں تقویۃ الایمان کا ایک ایسا نادر نسخہ موجود تھا، جس کی کتابت حضرت شاہ محمد اسماعیل کی شہادت سے دوسال پہلے ۱۲۴۴ھ میں مکمل ہوئی تھی —— قادری صاحب نے اس قلمی نسخہ کی بنیاد پر تقویۃ الایمان کا صحیح متن مرتب کیا، جس کی اشاعت برصغیر کے معروف علمی تجارتی ادارے، اصح المطابع کی ایک شاخ (مطبع میر محمد، کراچی) سے ہوئی۔ اس طباعت پر سنہ اشاعت تحریر نہیں ہے مگر یہ نسخہ اپنے حسن کتابت، عمدگی طباعت، کاغذ اور جلد کے لحاظ سے تقویۃ الایمان کے نسخوں میں بے نظیر اور عروس جمیل بہ لباس حریر کا مصداق ہے۔ یہ مجموعہ معمول سے کچھ بڑے سائز کے ۳۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، دوکالمی صفحہ ہے، اس میں تقویۃ الایمان کے علاوہ درج ذیل رسائل بھی شامل ہیں: تذکیر الاخوان، مکتوب شاہ محمد اسماعیل بنام ملا بغدادی، فتاویٰ علماء بسلسلہ تقویۃ الایمان، جواب اعتراض بر تقویۃ الایمان، عقائد نامہ شیخ عبدالحق محدث، فتویٰ علمائے حنفیہ بسلسلۂ تقویۃ الایمان، گناہ کبیرہ منتخب از راہ نجات، نصیحۃ المسلمین، مولانا خرم علی بلہوری، مسدس بر نظم مولانا خرم علی بلہوری از حکیم عبدالوحید، رسالہ حارق الاشرار سعادت دارین تالیف مولانا سعید الدین عثمانی بدایونی، رسالہ گناہ کبیرہ منظوم وغیرہ۔ مگران رسائل کی یہ معمولی اشاعت ہے، ان کی صحت اور مقابلہ کا ایسا اہتمام نہیں ہوا۔ جیسا ان کے ساتھ شائع تقویۃ الایمان کا ہوا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ تقویۃ الایمان کا معتبر قدیم نسخہ مرتب کی دسترس میں تھا دیگر تحریرات ورسائل کے لیے یہ سہولت میسر نہیں تھی، کتابت وطباعت ان سب کی بھی تقویۃ الایمان کے اس اشاعت کی طرح نہایت عمدہ اعلیٰ درجہ کی ہے۔

۱۵- نسخہ لکھنؤ ۱۴۱۲ھ یہ اشاعت اگرچہ ایک عربی ترجمہ کا اردو پیرہن ہے، لیکن اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے اور نسخوں سے ممتاز ہے۔ جس میں پہلی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام ضروری موقعوں پر نہایت جامع اور مفید افادات درج ہیں۔ یہ جملہ افادات مخدومنا حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے ارقام فرمائے تھے، ان کی جامعیت ومعنویت تعارف سے مستغنی ہے اس نسخہ میں پہلے تقویۃ الایمان پر ایک جامع پیش لفظ وتعارف ہے، جس میں تقویۃ الایمان کی تالیف کے پس منظر اور اسباب پر گفتگو فرمائی گئی ہے، اس کے

بعد تقویۃ الایمان کے مصنف کے حالات پر منتخب معلومات پیش کی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک عنوان کی اپنی جامعیت اور انفرادیت ہے مختصراً یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ " كلام الملوك ملوك الكلام"، زیر تعارف اہم نسخہ کی پہلی اشاعت ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء میں جلوہ نما ہوئی بعد میں ہند پاکستان کے متعدد اشاعتی اداروں اور مختلف اصحاب نے اپنے اپنے طور پر شائع کر کے قدر دانوں تک پہنچایا۔

اس کے علاوہ بھی بیسیوں اشاعتیں ہیں، جن کا راقم سطور کو علم ہے، مثلاً دہلی کے قدیم مطابع کی مطبوعہ مطبع صدیقی (یہ اس مطبع کے علاوہ ہے جس کا تعارف کرایا گیا ہے) مطبع افتخار دہلی کے شائع شدہ متعدد ایڈیشن، مطبع مجتبائی دہلی کی طباعتیں، مطبع خادم الاسلام دہلی کی اشاعت ۱۳۰۹ھ، مطبع اشاعت القرآن دارالحدیث دہلی کی طباعت، مطبع صدیقی لاہور کا نسخہ، نیز رحمانی پریس دہلی کی محرم ۱۳۴۵ھ کی اشاعت، اور متعدد طباعتیں دوسرے مختلف اداروں کی ہیں، جو ۱۹۴۷ء سے پہلے مختلف سنین میں کانپور اور لاہور وغیرہ سے رونما ہوئی تھیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد بھی تقویۃ الایمان کی اشاعت کا سلسلہ ہندو پاکستان دونوں جگہ قدیم روایت کے مطابق کثرت سے جاری رہا، جو آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔ ہندوستان میں دیوبند کے متعدد ناشرین کتب نے تقویۃ الایمان کے چھوٹے بڑے متعدد نسخے اور متفرق ایڈیشن چھاپے ہیں دیوبند میں ایسے مکتبوں کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے جنھوں نے تقویۃ الایمان کی طباعت وفروخت کا عمل آگے بڑھایا، خاص طور پر راشد کمپنی ،کتب خانہ رحیمیہ ، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، مکتبہ تھانوی وغیرہ نے عمدہ نسخے شائع کئے اور بڑے پیمانہ پر ان کی فروخت واشاعت کی۔ پاکستان میں بھی تقویۃ الایمان کی فروخت واشاعت کا سلسلہ اسی تیزی اور تواتر سے جاری ہے۔ کراچی اور لاہور کے متعدد ناشرین اس کار خیر کو سرانجام دے رہے ہیں۔ بہرحال تقویۃ الایمان کے چھپنے اور مقبولیت کا حال جوئے رواں کی طرح ہے، جو ۱۲۴۲ھ/ (۲۷-۱۸۲۶ء) سے عصر حاضر تک مسلسل جاری ہے، اور امید ہے کہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

تقویۃ الایمان کے حاشیے　　تقویۃ الایمان کے مندرجات کا، چونکہ تمام تر تعلق وعقائد اعمال کے مباحث سے ہے، اور اس موضوع کی تالیفات میں بہرحال ایسی عبارات اور مباحث ہوتے ہیں، جہاں بعض قارئین کے ذہن نہیں پہنچتے اور ان کی وضاحت اور دلائل وماخذ کی تفصیل کے لیے، حواشی اور مزید توضیحات کی ضرورت رہتی ہے۔ تقویۃ الایمان کے ساتھ بھی اس خدمت کی ضرورت پیش آئی، متعدد علماء نے اس کے حاشیے لکھے ،اس کی مجمل باتوں کی وضاحت کی، اوران اعتراضات کی بے حقیقتی ظاہر فرمائی، جو غلط فہمی یا صرف شاہ

شہید کی مخالفت کی وجہ سے، اس پر کیے جاتے تھے اور بعض اب تک بھی دہرائے جاتے ہیں۔

الف: قدیم حواشی میں وہ حاشیہ جس کا تقویۃ الایمان مطبوعہ مطبع محمدی وحیدۃ الاخبار پریس (۱۲۶۷ھ) اور مطبوعہ مطبع صدیقی شاہ جہاں آباد کے تحت تذکرہ گزرا ہے، سب سے مقبول و متداول حاشیہ ہے۔ بعد کی اکثر طباعتوں پر یہی نظر آتا ہے، چالیس پینتالیس سال پہلے تک اس کی نقل و طباعت کا معمول رہا۔ بعد میں آہستہ آہستہ اس کی نقل کا رواج ختم ہو کر اس کا انتخاب یا نئے حواشی چھپنے لگے۔

ب: وحیدۃ الاخبار اور مطبع صدیقی کی طباعتوں میں، مولانا سیّد محبوب علی جعفری کے حاشیے کے اقتباسات ہیں، مگر اس سے اور اس حاشیہ کی، بعد کی اشاعتوں سے بھی (جو میری نظر سے گزریں) یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مولانا جعفری کے حاشیہ کی کیا نوعیت تھی۔ کیا یہ حاشیہ بس اسی قدر تھا جو مذکورہ بالا مطابع سے شائع ہوا ہے، یا پوری کتاب کا مفصل حاشیہ تھا جس کا خلاصہ ان ناشرین نے اپنے نسخوں میں شامل کیا ہے؟

یہ حاشیہ مفصل ہو یا اسی حد تک جو ہماری دسترس میں ہے، دونوں صورتوں میں اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس حاشیہ کے مؤلف مولانا سیّد محبوب علی جعفری (ولادت ۱۲۰۱ھ) حضرت شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیزؒ کے متأخر دور کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا جعفری کا قول ہے کہ وہ بعض کتابوں میں مولانا شاہ محمد اسماعیل کے رفیق درس بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کو تقریباً ۳۰ برس تک حضرت شاہ صاحبان خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں ہمہ وقت حاضری اور استفادہ کی سعادت حاصل رہی۔ مولانا جعفری علماء خاندان ولی اللّٰہی کے نظریات اور تعلیمات سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھے، نیز یہ بھی معلوم ہے کہ مولانا جعفری نے سیّد احمد شہید کے قافلہ جہاد میں بھی شرکت کے لیے سفر کیا تھا، مگر سیّد صاحب سے امارت کے مسئلہ پر اختلاف ہو جانے کی وجہ سے واپس آ گئے تھے، اور دہلی پہنچ کر تحریک جہاد کے خلاف سرگرم رہے، لیکن اس کے ساتھ ہی شاہ شہید کے

(۱) تنبیہ الضالین اور اس سے ملتے جلتے ناموں سے الگ الگ موضوعات پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، مثلاً تنبیہ الغالین و ہدایۃ الہالین جو تقلید و عدم تقلید کے مباحث پر مشتمل ہے اور اس میں خاندان حضرات شاہ ولی اللہ کے علماء کا فقہی مسلک خود ان کے تحریروں اور ذاتی مشاہدات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں شاہ محمد اسحاق نیز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ کے دامن تربیت سے وابستہ علماء کے فتوے اور تحریرات ہیں، یہ مجموعہ نواب قطب الدین دہلوی نے مرتب کر کے پہلی مرتبہ مطبع سید الاخبار شاہ جہاں آباد سے شائع کرائی۔

(۲) ذخیرۂ کرامت، ص: ۲۲۷، ج: ۲ (قیومی و مجیدی، کانپور ۱۳۳۴ھ)

ہمیشہ مداح اور معترف رہے، اور یہ ان کی انصاف پسندی کی بات تھی کہ شاہ شہید سے قربت وارادت کے زمانہ میں شاہ شہید کی تنویر العینین کا رد لکھا اور رفع یدین کے موضوع پر کھل کر شاہ شہید صاحب سے اختلاف کیا مگر ذاتی طور پر شاہ شہید سے مراسم بھی رہے اور عقیدت وارادت بھی۔ اسی محبت وخلوص کا اثر تھا

اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان از مولوی عزیز الدین صاحب مرادآبادی

مولانا جعفری نے تقویۃ الایمان پر حاشیہ لکھا، اور تقویۃ الایمان کے بعض ایسے مندرجات کی، جن پر اعتراضات کیے جاتے تھے، صاف صاف تائید کی اور ان عبارتوں کی وضاحت فرمائی۔ یہ قصہ شاہ شہید کی شہادت کے بعد کا ہے۔ اس حاشیہ کی مولانا جعفری کی حیات میں کئی مرتبہ اشاعت ہوئی۔

ان اشاعتوں سے ضمناً دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ تقویۃ الایمان بلا تأمل وتردد شاہ اسماعیل کی تالیف ہے، اگر تقویۃ الایمان کے شاہ شہید سے انتساب میں کچھ بھی شبہ ہوتا اور اس میں تحریف کی روایت کی کچھ حقیقت ہوتی، تو مولانا جعفری جو اس ترتیب وتاریخ سے خوب واقف تھے، اس سے صرف نظر نہ فرماتے اور صاف لکھ دیتے کہ اس کا انتساب شاہ شہید سے مشتبہ ہے، اور اس میں فلاں فلاں ترمیم وتحریف ہوتی ہے۔ مگر مولانا جعفری نے اس کا اشارہ تک نہیں فرمایا جس سے معلوم ہو جاتا ہے بلکہ ضمناً مکمل تصدیق ہو جاتی ہے، کہ تقویۃ الایمان کی تمام طباعتیں، جزوی فروگزاشت سے قطع نظر معتبر ہیں، اور ان کا شاہ شہید سے انتساب صحیح ہے۔

اس حاشیہ سے ایک اور بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ تقویۃ الایمان میں جو کچھ درج ہے، وہ خاندان ولی اللّٰہی کے علماء خصوصاً شاہ عبدالعزیز اوران کے برادران گرامی کے، عقائد ونظریات کی ترجمانی ہے۔ ان حضرات کے معتقدات وخیالات بھی وہی تھے جو تقویۃ الایمان میں درج ہیں اگر ان بزرگوں کے معتقدات ونظریات اور تقویۃ الایمان کے مندرجات الگ الگ ہوتے، یا اس میں کوئی نمایاں اختلاف ہوتا، تو مولانا جعفری ایسے صاف گو شخص ہرگز خاموش نہ رہتے، اس کی صراحت کرتے اور دونوں کے صحیح وغلط کو الگ الگ کر دیتے۔ مولانا جعفری کی خاموشی کہتی ہے کہ، تقویۃ الایمان کے مندرجات بھی صحیح ہیں، اور شاہ شہید سے ان کا انتساب بھی۔

(۱) اکمل البیان، ص:۷ (طبع اول، لاہور ۱۳۸۵ھ) (۲) اکمل البیان، ص:۵۵۹۔

ج: گزشتہ صدی ہجری کے نصف اول میں تقویۃ الایمان کے ایسے کئی ایڈیشن چھپے تھے، جن کے حاشیہ پر مذکورہ حواشی کا اختصار اور کہیں نئے نئے افادات شامل تھے، مگر میری نظر سے اس قسم کے جو نسخے گزرے ان میں سے کسی پر بھی، ان حواشی کے مرتب کا نام نہیں ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ یہ اختصار کس کس نے کیا اور ان کے اشاعت کا کب، کہاں سے آغاز ہوا۔ ان معلومات کی کوئی اہمیت بھی محسوس نہیں ہوئی، اس لیے اس کے تذکرہ کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

د: چند سال پہلے تقویۃ الایمان پر ایک تفصیلی حاشیہ مولانا محمد مہر صاحب میاں والی والے (پاکستان) نے لکھا تھا، جو چھپا ہے مگر راقم سطور کو دستیاب نہیں ہوا۔

ہ: حاشیہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی۔ تقویۃ الایمان کی طباعتوں کے ذیل میں سب سے آخر میں اسی کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

تقویۃ الایمان کی شروحات تقویۃ الایمان کے مجمل مقامات کی وضاحت وتفسیر کے لیے، اگرچہ اس کے بعض حاشیے کافی تھے، مگر ان وضاحتوں کے باوجود، تقویۃ الایمان کے متعلق اعتراضات کا سلسلہ باقی رہا اور کئی علماء نے ان اعتراضات کے جواب میں مفصل کتابیں بھی لکھیں، جس میں ایک ایک اعتراض کے تمام پہلوؤں اور سب گوشوں کو بے نقاب کر دیا گیا تھا۔ اس پس منظر میں تالیف تقویۃ الایمان کی درج ذیل تین شروح کا راقم کو علم ہے۔

تنبیہ الغافلین عن طریق سیّد المرسلین[1] یہ شرح جنوبی ہند کے کسی عالم کی لکھی ہوئی ہے اور تیرہویں صدی ہجری کی آخری چوتھائی میں کسی وقت چھپی تھی میں اس کی دید سے محروم ہوں۔ مولانا کرامت علی جونپوری نے اس کا مجملاً تذکرہ کیا ہے۔[2]

توقیت الایقان فی شرح تقویۃ الایمان تالیف مولانا عبدالقہار بن عبدالجبار، یہ تقویۃ الایمان کی بہت اچھی اور جامع شرح ہے، مجھے اس کے مطبوعہ نسخے سے اجمالی استفادہ کا موقع ملا ہے، اندازہ ہوا کہ اس میں بعض باتیں نہایت عمدہ اور قابل قدر ہیں، اور اس میں بعض ایسی اطلاعات بھی مل جاتی ہیں، جن کا اور مآخذ میں تذکرہ نہیں۔ توقیت الایقان مطبع محمدیہ بنگلور سے ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوئی تھی، قدیم کتابی سائز کے ۲۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱) مثلاً عزیز الحدیث

بریلوی مکتب خیال کے عالم، مفتی نعیم الدین صاحب نعیمی مرادآبادی نے تقویۃ الایمان کے رد میں اطیب البیان کے نام سے ایک کتاب مرتب کی، جو اگرچہ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ میں تالیف ومرتب ہوئی تھی مگر کسی وجہ سے اس پر اس سے دو سال پہلے ۱۳۴۸ھ کی تاریخ ڈالی گئی تھی۔ [۱] اطیب البیان کے مصنف نے، کمال ہوشیاری سے صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینے کی پوری کوشش، بلکہ سازش کی۔ مگر علمائے سلف اور مفسرین ومحدثین کے اقوال وکلمات میں حذف وترمیم، اور ان کی بے محل تفسیر وتاویل ایسی نہیں تھی کہ اہل علم کو اس کا اندازہ اور احساس نہ ہوتا۔ چنانچہ اسی وقت ایک اہل حدیث فاضل، مولوی عزیز الدین صاحب مرادآبادی نے اطیب البیان کا مفصل جواب لکھنا شروع کیا، جو اکمل البیان کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اکمل البیان کی تالیف کا آغاز ۱۳۵۱ھ کے آخر (آغاز ۱۹۳۳ء) میں ہوا تھا، جو تالیف کے ساتھ ساتھ قسط وار ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں چھپنی شروع ہوئی مگر اس میں پوری کتاب کی اشاعت عمل میں نہ آسکی، تقریباً آدھا حصہ چھپ کر رہ گیا، مطبوعہ حصے کی آخری قسط ۵ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مولانا محمد حنیف بھوجیانی کی اطلاع کے مطابق ہفت روزہ اہل حدیث میں اس سلسلہ کے مضامین کی کوئی اور قسط نہیں چھپی۔ [۲]

۲- ترجمہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

اس اشاعت کے تقریباً ۲۰ سال بعد، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کو، اس کے مسودہ کی موجودگی کی اطلاع ملی، اور مولانا نے اس کی کتابی صورت میں اشاعت کا فیصلہ کرلیا۔ مولانا نے حافظ عزیز الدین کے ورثاء سے اس کا مسودہ حاصل کیا، اس کے مآخذ اور حوالوں کی تصحیح وتحقیق فرمائی، اور پوری کتاب ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں یکجا شائع فرمادی، جو بڑے سائز کے ۸۸۵ صفحات پر مشتمل ہے، مکتبہ سلفیہ لاہور (پاکستان) سے طبع ہوئی۔

مولوی عزیز الدین صاحب نے اطیب البیان کے تمام اعتراضات اور غلط فہمیوں کا مفصل جائزہ لیا ہے، مگر کتاب کی ضخامت وطوالت کے سبب کتاب کی افادیت محدود ہوکر رہ گئی، اس کی فہرست مضامین بھی مرتب ومفصل نہیں ہے، اس لیے بھی اس سے استفادہ میں زحمت ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے غیر متعلق مضامین الگ کرکے، ضروری مباحث کی تہذیب وتلخیص کے بعد، اس کا نسبتاً مختصر نسخہ مرتب کرکے شائع کیا جائے، جو

(۱) ماہنامہ برہان دہلی، جنوری ۱۹۷۳ء ص:۶۹

مفصل فہرست مضامین اور انڈکس سے مزین ہو، تو اس سے کتاب کی افادیت کا دائرہ انشاءاللہ بہت وسیع ہو جائے گا اور تقویۃ الایمان کے مضامین کی تفہیم وتشریح کے لیے، مزید تالیفات کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

تقویۃ الایمان کے خلاصے ایک طرف تو بعض حضرات کے لیے تقویۃ الایمان کی مفصل شروحات کا خیال وجہ مسرت تھا، لیکن دوسری جانب بعض اصحاب اس کے خلاصوں اور تلخیص کے لیے فکر مند رہے۔ خلاصوں میں سے ایک خلاصہ عزیز احمد صدیقی کراچی نے ارمغان عرب کے نام سے کیا تھا جو ۱۹۶۶ء میں کراچی سے چھپا ہے، ارمغان عرب سے استفادہ کا تو موقع نہیں ملا، مگر عزیز احمد صدیقی کی جو اور تحریرات ومؤلفات نظر سے گزری ہیں، (۱) ان سے عزیز احمد صاحب کی خود رائی، نہایت درجہ کی بددینی بلکہ گمراہی کا تأثر ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے وہ دین وشریعت کے بنیادی اصولوں سے ہی منحرف ہیں، نہ صداقت وحجیت حدیث پر یقین رکھتے ہیں، نہ اقوال سلف اور آراء محدثین وعلماء کی ان کی نظر میں کچھ وقعت ہے، اس لیے اس خلاصے پر اعتماد مشکل ہے۔ بظاہر مرتب کی فکر میں خرابی اور عقیدہ کا بگاڑ، ارمغان عرب کی ترتیب واشاعت کے بعد پیدا ہوا، ورنہ وہ تقویۃ الایمان کی تلخیص کی زحمت نہ کرتے۔

تقویۃ الایمان کے مختلف زبانوں میں ترجمے تقویۃ الایمان جیسی اعلیٰ درجہ کی ایمان افروز کتاب کے پیام اور دعوت کا تقاضہ تھا، کہ یہ کتاب اور اس کے مطالب اور زبانوں میں بھی منتقل کئے جائیں۔ چنانچہ مختلف علاقوں کی متعدد زبانوں میں تقویۃ الایمان کے بہت سے ترجمے ہوئے۔ راقم سطور کو عربی، فارسی، سندھی، ہندی، انگریزی، گجراتی وغیرہ کے کئی ترجموں کا علم ہے، ان میں سے چند ترجموں کا تعارف حاضر ہے۔

عربی تراجم تقویۃ الایمان اگرچہ ایک عربی کتاب ردالاشراک کی نمائندہ اور توضیح وترجمانی تھی، مگر کیوں کہ ردالاشراک شائع نہیں ہوئی تھی اور اس کے صحیح قلمی نسخے بھی کمیاب تھے، اس لئے تقویۃ الایمان کے عربی ترجمہ کی ضرورت کا، ان حلقوں (اہل حدیث وعلمائے دیوبند) میں جو شاہ شہید سے وابستہ اور ان کے طریقۂ دعوت واصلاح کے دلدادہ ووارث ہیں، تقریباً بیک وقت احساس ہوا۔ چنانچہ دونوں حلقوں کے ممتاز ترین علماء نے، اس طرف توجہ کی اور دونوں حلقوں کی جانب سے تقویۃ الایمان کا عربی میں ایک ایک ترجمہ کیا گیا۔

ترجمہ مولانا عبدالوحید رحمانی بنارس ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء تقویۃ الایمان کا پہلا ترجمہ جو علمائے

---

(۱) فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان، مرتبہ احمد منزوی، ص: ۱۰۶۷/۱۰۶۸، ج:۲ (اسلام آباد: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء)

(۲) فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی، باہتمام مرکز تحقیقات فارسی در ہند، ص: ۱۳۸ (دہلی ۱۹۸۶ء)

اہلحدیث کی ترجمانی کرتا ہے، مولانا عبدالوحید رحمانی نے کیا ہے۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> ''تقویۃ الایمان مولانا عبدالوحید رحمانی صاحب نے، تقطیع خورد جامعہ سلفیہ بنارس ترجمہ سہل سلیس اور رواں دواں ہے، شروع میں مولانا مقتدیٰ حسن الازہری کے قلم سے ایک مقدمہ ہے، جس میں حضرت شہید کی سوانح حیات اور اس زمانہ کے مسلمانوں کے معاشرتی حالات کا تذکرہ ہے۔'' (۱)

جیسا کہ مذکورہ تبصرہ کی عبارت سے ظاہر ہے، یہ ترجمہ چھوٹی تقطیع کے ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس کا پہلا ایڈیشن جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔

دوسرا ترجمہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ جب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی، مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، اس وقت ان کے دل میں تقویۃ الایمان کے عربی ترجمہ کا شدید تقاضہ ہوا۔ انہی دنوں (ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ-جنوری ۱۹۷۴ء) میں حضرت مولانا ندوی مدینہ پاک حاضر ہوئے، تو حضرت شیخ نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، اور چاہا کہ اس ترجمہ کا مدینہ پاک میں آغاز ہو جائے، حضرت مولانا نے تعمیل ارشاد میں، اس مبارک سرزمین پر اس کا افتتاح کر دیا۔ کلمۂ افتتاح کی خدمت باب رحمت اور باب جبرئیل کے درمیان سرانجام پائی، اور چند دنوں میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ حضرت مولانا نے اس ترجمہ پر نہایت قیمتی حواشی کا اضافہ فرمایا، یہ ترجمہ ''**رسالة التّوحيد للعلّامة الشّيخ إسماعيل ابن عبدالغني الدّهلوي الشّهيد**'' کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہوا۔ پہلا ایڈیشن وسط ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں نکلا مگر پیش نظر دوسری طباعت ہے جو ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی، کئی سال بعد اس ترجمہ کے حواشی مولانا شمس الحق ندوی (مدیر تعمیر حیات لکھنؤ) نے اردو میں منتقل کئے۔ جو تقویۃ الایمان کی تازہ ترین طباعت (لکھنؤ ۱۴۱۲ھ) کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ اس نسخہ اور حواشی کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

۳- فارسی ترجمہ تقویۃ الایمان کا کم از کم ایک ترجمہ فارسی میں بھی ہوا ہے، اس ترجمے کے تین نسخے پاکستان کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں، مگر تینوں میں سے کسی پر بھی مترجم کا نام تحریر نہیں۔ اس ترجمہ کا آغاز ایک فارسی مثنوی سے ہوا ہے، جو ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور تقویۃ الایمان کے مضامین کا ترتیب وار

ترجمہ ہے۔ جناب احمد منزوی کی اطلاع کے مطابق یہ مثنوی اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

کسا نے کہ از طبع خود وار بند
برغبت پس کیش دیں می دوند

اور عبارت کا اختتام اس طرح ہے:

"اللّٰھم لك الحمد ألف ألف مرة ،كما أنعمت علينا الآف............ امابعد

پس بگوش ہوش باید شنید"

جناب احمد منزوی نے اس ترجمہ کے تین نسخوں کا تعارف کرایا ہے، ایک نسخہ کتب خانہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خاں میں ہے۔ یہ نسخہ شکستہ نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ زیر تعارف نسخوں میں سب سے پرانا معلوم ہوتا ہے۔

دو نسخے گنج بخش لائبریری اسلام آباد میں ہیں، جن میں پہلا ۱۳۰ صفحات پر، دوسرا ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن تینوں نسخوں پر مترجم کے نام کی طرح کاتب کا نام اور تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں۔[1]

فارسی ترجمہ کے حوالہ سے ایک غلط روایت کی تصحیح ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں تقویۃ الایمان فارسی کے عنوان سے ایک کتاب کا نام اس طرح درج ہے کہ گویا یہ، تقویۃ الایمان کا فارسی ترجمہ ہے[2] مگر یہ اندراج درست نہیں۔ جس کتاب کا اس موقع پر تذکرہ ہوا ہے، وہ تقویۃ الایمان کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان دو فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو شاہ محمد اسماعیل کی وفات کے بعد، تقویۃ الایمان کے متعلق علمائے کلکتہ

(۱) مولانا غلام محمد، مولانا احمد حسن کانپوری کے ممتاز و مایۂ ناز شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہؒ سے بیعت تھے، ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ / ۱۷ مارچ ۱۹۱۶ء کو جمعہ کے دن ۵۳ سال کی عمر میں اچانک وفات پائی۔ حضرت مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری دہلوی نے اطیب القطرات میں مولانا غلام محمدؒ کی ۲۴ تصنیفات و تراجم کے نام شمار کرائے ہیں اور اس کو تالیفات کی مختصر فہرست قرار دیا ہے اور اس فہرست کے بعد "وغیرہ وغیرہ" بھی لکھا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے تراجم و تصنیفات کی مکمل فہرست خاصی طویل ہوگی، بہرحال اسی فہرست میں "تقویۃ الایمان کا گجراتی ترجمہ" بھی شامل ہے۔ مولانا کے متعلق مزید معلومات کے لیے رجوع فرمائیے: اطیب القطرات (تذکرہ بعض اہل کمال گجرات، مؤلفہ ۱۳۳۷ھ) ص: ۲۰-۲۲ شمولہ، الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر فی تذکیر العشائر، مؤلفہ مولانا مفتی عبدالحی کفیلتوی، ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (راندیر ۱۳۸۹ھ)

(۲) مقدمہ ہدایۃ المستفید، ترجمہ اردو فتح المجید (شرح کتاب التوحید شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی) مترجمہ عطاء اللہ ثاقب، مقدمہ پیر بدیع الدین راشدی سندھی، ص: ۹۸، ج: ۱ (طبع اول، لاہور ۱۳۹۶ھ)

نے مرتب فرمائے تھے۔اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک شخص نے جو کلکتہ میں نو وارد تھا، ایک ایسے فتوے کی اشاعت وتشہیر کی، جس میں تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف کی تردید وتکفیر کی گئی تھی، اس فتوے کے اندراجات صحیح ہیں یا غلط، اس کی تحقیق کے لئے کلکتہ میں موجود ممتاز علماء سے رجوع کیا گیا، تو ان حضرات نے تقویۃ الایمان سے متعلق مذکورہ بالا فتوے کی تحقیق میں، دو الگ الگ مفصل ومختصر تحریرات مرتب کیں۔مفصل جواب پر تیرہ نامور علماء کے دستخط اور مہر تصدیق ثبت ہے اور مختصر جواب پر بائیس حضرات نے تصدیق رقم فرمائی ہے۔دونوں کا حاصل یہی ہے کہ:

''تقویۃ الایمان اہل سنت وجماعت کے عقیدہ اور علمائے سلف کی کتابوں کے مطابق ہے، اور اس کے تمام مندرجات قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ سے مدلل ہیں، اور اس کتاب کے کسی مضمون سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی تنقیص وتوہین نہیں ہوتی، بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی وحدانیت، اس کی جلالت شان اور مخلوقات کے اس کے ہمسر نہ ہونے کا ناقابل تردید دلائل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔اور اس کتاب کی کسی عبارت سے بھی شفاعت کا انکار معلوم نہیں ہوتا، بلکہ شفاعت بالاذن کی تفصیل اس کتاب میں درج ہے، اور اس کا یہ اندراج نہایت واضح آیات شریفہ اور علمائے مفسرین کے اقوال کے مطابق ہے۔''

یہ دونوں فتوے اسی وقت مختلف مطابع سے شائع ہو گئے تھے، مفصل فتویٰ مطبع سلطان الاخبار سے چھپا تھا۔دوسرے مطبع کا نام اس رسالہ میں درج نہیں۔

غالباً ان مباحث کی تقویۃ الایمان سے مناسبت کی وجہ سے فہرست نسخہائے خطی کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مرتب کو، یہ مغالطہ ہوا کہ یہ تقویۃ الایمان کا ترجمہ ہے، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں۔دراصل یہ رسالہ صرف مذکورہ دونوں فتاویٰ کے فارسی متن پر مشتمل ہے۔تقویۃ الایمان کے ترجمے سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ فہرست نگار نے اس نسخہ کے کاتب وناقل کا نام نہیں لکھا مگر یہ نسخہ نواب صدیق حسن خاں کے برادر معظم مولانا احمد حسن قنوجی کا نقل کیا ہوا ہے، ایک حاشیہ پر ان کے دستخط ثبت ہیں:

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو، جماعت مجاہدین، غلام رسول مہر، ص:۱۱۷ (غلام علی اینڈ سنز لاہور-بلا سنہ)

''نگاشتہ سیّد احمد حسن بن اولاد حسن البخاری الحسینی القنوجی عفا عنہ''

مذکورہ فتاویٰ کا متن اور اردو ترجمہ دونوں کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں، خصوصاً اردو ترجمہ بار بار چھپا ہے اور تقویۃ الایمان نیز نظریات شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے متعلق متعدد کتابوں میں شامل ہے۔ نسخہ مخزونہ ندوۃ العلماء کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

انگریزی اور برصغیر کی علاقائی زبانوں میں ترجمے عربی، فارسی کے علاوہ بین الاقوامی زبانوں میں سے انگریزی میں اور برصغیر کی علاقائی زبانوں میں سے، گجراتی، سندھی، ہندی اور پشتو کے ترجموں کا جزوی طور پر علم ہے، اگر چہ ان زبانوں کے ترجموں کے متعلق مکمل معلومات میرے علم میں نہیں ہیں، لیکن یہ ناتمام تذکرہ بھی غیر مفید نہ ہوگا، اس لیے درج کیا جاتا ہے۔

گجراتی ترجمہ مولانا غلام محمد بھانجارانديري، گجرات کے نامور عالم مبلغ اور صاحب تصنیف شخص تھے، مولانا متعدد ملکی اور بین الاقوامی زبانوں میں ماہر تھے، مولانا نے اپنی یہ تمام صلاحیت خدمت دین کے لئے وقف کردی تھی، جس سے اہل گجرات کو غیر معمولی فائدہ ہوا، مولانا نے اہم ترین دینی علمی کتابوں کے مختلف زبانوں سے گجراتی میں ترجمے کئے اور ان کی اشاعت کرائی۔ ان کتابوں میں تقویۃ الایمان بھی شامل ہے یہ ترجمہ عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔[۱]

سندھی ترجمہ سندھی زبان کے مشہور عالم اور ادیب مولانا دین محمد وفائی (م ۱۳۲۹ھ) نے تقویۃ الایمان کا سندھی میں ترجمہ کیا تھا، مولانا کو سندھی پر جو غیر معمولی دسترس تھی، اور علمائے سندھ میں ان کا جو احترام تھا، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ کس شان کا ہوگا۔ اس ترجمہ کا پیر بدیع الدین راشدی صاحب نے مختصر تذکرہ کیا

---

(۱) مولانا محمد سلطان کو عموماً شاہ جہاں پوری لکھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ آباد جو مولانا کا وطن ہے، پہلے ضلع شاہ جہاں پور سے ملحق تھا اب ضلع ہردوئی میں شامل ہے۔ اگر موجودہ نسبت کا خیال کیا جائے تو شاہ جہاں پوری کا لاحقہ درست نہیں۔ شاہ آبادی بلا حوالہ شاہ جہاں پور و ہردوئی لکھنا صحیح ہے۔ حیرت ہے کہ شاہجہاں پور کی مطبوعہ معروف تاریخوں میں مولانا محمد سلطان کا تعارف شامل نہیں۔

(۲) تذکرۂ شہید۔ محمد خالد سیف، ص: ۳۵۸ (لاہور ۱۹۸۳ء)

(۳) مفتی ولی اللہ فرخ آبادی مؤلف تاریخ فرخ آباد کی، ان سے ملاقات تھی۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا عبد الجبار خاں کئی مرتبہ فرخ آباد آئے، فضل وکمال والے خاندان سے تھے، عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ (ترجمہ تاریخ فرخ آباد) مرتبہ محمد ایوب قادری، ص: ۳۳۳ (کراچی ۱۹۶۵ء) نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الجبار کا بہت مجمل تذکرہ بلکہ صرف اشارہ موجود ہے، ص: ۲۳۷، ج: ۷ (حیدر آباد: ۱۳۷۸ھ)

ہے۔[۲]

ہندی ترجمے ہندی میں تقویۃ الایمان کے کم سے کم تین ترجمے ہوئے ہیں۔

انگریزی ترجمے انگریزی میں میر شہامت علی کے ترجمۂ تقویۃ الایمان کو خاصی شہرت حاصل ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ایشیاٹک کی سوسائٹی جنرل میں چھپا تھا، بعد میں ۱۸۵۲ء میں پہلی مرتبہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ متعدد اہل نظر نے اس سے استفادہ کیا ہے اور اس کے حوالے دیئے ہیں۔[۱] یہ ترجمہ تقریباً تیس سال پہلے لاہور سے بھی چھپا تھا، غالباً ایک ایڈیشن بعد میں بھی آیا اور یہ دہلی سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس قدیم ترجمہ کے علاوہ ایک تازہ ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

یہ تقویۃ الایمان کے مختلف زبانوں میں ترجموں کی بہت مجمل اور نا تمام روداد ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد بین الاقوامی اور علاقائی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں اور چھپے ہیں ان میں سے متعدد راقم کے پاس موجود ہیں، ان سب کا تعارف، اس تحریر کی کتابی اشاعت میں ان شاء اللہ شامل کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا نسخوں اور ترجموں کے اجمالی تعارف سے بھی، یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ تقویۃ الایمان کی افادیت کا میدان نہایت وسیع، اور اس کی تعلیمات کا اثر بہت بہت دور تک اور اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ اردو کی کسی اور کتاب کو یہ وسیع دائرہ نصیب نہیں ہوا۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل نے اپنی معرکہ آرا تالیف ''ردالاشراک'' کو دو ابواب پر مرتب فرمایا تھا، پہلا حقیقت توحید اس کی حفاظت وصیانت اور شرک کی برائی اور اس سے پرہیز کے بیان میں تھا۔ دوسرا باب اتباع سنت کے اہتمام اور بدعات سے اجتناب واحتیاط کے تذکرہ پر مشتمل تھا، پہلے باب کی ضروری ترمیمات واضافات کے ساتھ، جامع شرح خود حضرت مؤلف نے تقویۃ الایمان کے نام سے مرتب فرمادی تھی، مگر دوسرے باب کی شرح وترجمہ کی جانب مؤلف نے توجہ نہیں فرمائی۔ مگر اس کے ترجمہ وتفہیم کی ضرورت کا لوگوں کو خیال تھا، لیکن شاہ محمد اسماعیل کی حیات تک کسی اور نے اس پر قلم نہیں اٹھایا۔ کہ شاید حضرت مؤلف اس کی بھی شرح لکھیں، تو کچھ اور ہی بات ہوگی، مگر اس کا موقع نہ آیا اور ۱۲۴۶ھ میں شاہ محمد اسماعیل معرکۂ بالاکوٹ میں شہید وسرخرو ہوکر فاطر السموات والارض کے حضور میں پہنچ گئے اور یہ کام جوں کا توں باقی رہ گیا۔ تو شاہ شہید کے ایک متوسل مولانا

(۱تا۴) اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ پروفیسر محمد ایوب قادری، ص: ۳۶۴ (لاہور ۱۹۸۸ء)

(۵) تمہید تحفۃ العجم ترجمہ کنز الدقائق، صفحہ اول (مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ: ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء)

محمد سلطان خاں شاہ آبادی نے، اسی نہج اور اسی ترتیب پر جو تقویۃ الایمان کا نہج اور ترتیب ہے، ''ردالاشراک کے باب دوم'' کی شرح لکھی، جو تذکیرالاخوان کے نام سے موسوم ومتعارف ہے۔

مولانا محمد سلطان شاہ آباد ضلع ہردوئی، مشرقی یوپی کے باشندے [1] تھے، وہاں کے پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جیسا کہ مولانا کے نام کے لاحقے خاں سے ظاہر ہے۔ مولانا کا سنہ ولادت محقق نہیں، تعلیم کے متعلق مجملاً یہ معلوم ہے کہ، شاہ جہاں پور کے ایک خاصے ممتاز عالم مولانا عبدالجبار خاں (متوفی محرم ۱۲۵۲ھ/ اپریل ۱۸۳۶ء) سے علوم متداولہ حاصل کیے، اٹھارہ سال کی عمر میں متداول علوم کی تعلیم سے فارغ ہوگئے تھے، محمد خالد سیف صاحب نے مولانا محمد سلطان کو شاہ محمد اسماعیل کا شاگرد لکھا ہے، [2] موصوف نے یہ اطلاع کہاں سے اخذ کی معلوم نہیں مگر راقم سطور کو اس کی تصدیق میں تامل ہے۔

مولانا سلطان تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت سے منسلک ہوئے، علی گڑھ میں کلکٹر کے سررشتہ دار رہے، کچھ دنوں کے بعد ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ ڈاکٹر محمد ایوب صاحب قادری نے تاریخ شاہ آباد، موسوم بہ نامۂ مظفری (جلد: دوم، ص:۴۲) کے حوالہ سے لکھا ہے:

> ''مولوی صاحب اپنے فرائض کے سخت پابند اور صاحب تصنیف عالم ہیں، محلّہ احاطہ (شاہ آباد) میں آپ کا مکان تھا، انہی کے فرزند عبدالرحمٰن خاں تھے، فرائض منصبی نہایت شرعی پابندی کے ساتھ ادا کئے، ناجائز مال سے قطعی پرہیز رہا'' [3]

رشید المؤمنین کا مولانا رشید الدین خاں سے غلط انتساب اور اس کی وجہ

مولانا محمد سلطان نے، علمی دینی مباحث کی شرح تسہیل اور اسلوبی عقائد کی تصحیح وتلقین کے موضوع پر، کئی کتابیں مرتب فرمائیں۔ درج ذیل کتابوں کا دریافت ماخذ سے علم ہوتا ہے:

(۱) فہرست مطبع منشی نول کشور ص:۷٦ (۱۸۸٦ء) نورالایمان کے تعارف میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعینہ اسی نام سے مختلف اصحاب نے متعدد رسائل مرتب فرمائے ہیں، جن کا مختلف فہرستوں اور آخذ میں نام درج ہے، ایسے ہی دو رسالے ہمارے ذخیرہ کتب میں بھی موجود ہیں جس میں ایک میر حیات علی (متوفی ۱۲۸۱ھ) کی تالیف ہے اور ان کے مجموعۂ تالیفات میں شامل ہوکر مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۱٦ھ میں چھپا ہے...... اسی نام کا دوسرا رسالہ میر بہادر علی شاگرد ذوق کا مرتبہ ہے، اس کا ایک ایڈیشن مطبع رام پرکاش دہلی سے چھپا تھا، اس پر سنہ طباعت درج نہیں۔

(۲) قاموس الکتب (بحوالہ کتب خانہ سردار الحکماء، حیدرآباد۔ دکن) ص:۳۰۴ ج:۱ (کراچی:۱۹٦۱ء)

(۱) رسالہ برفرائض

(۲) شجرۂ افاغنہ

(۳) زینت مستنبطین (کذا)

(۴) ترجمہ شرح عقائد نسفی

(۵) نورالایمان

(۶) رشید المؤمنین

(۷) زینت الایمان

(۸) قصص الانبیاء فی احوال الاصفیاء

(۹) تحفۃ العجم ترجمہ کنزالدقائق

(۱۰) تذکیرالاخوان (ترجمہ باب دوم ردالاشراک)

۱ رسالہ فرائض کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ کا علم نہیں ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے تحفۃ العجم کے ایک قلمی نسخہ مخزونہ شیرانی کلیکشن (پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''مولانا محمد سلطان نے فرائض (میراث) پر ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا، مگر تحقیق نہیں کہ وہ یہ رسالہ لکھ سکے تھے، یا نہیں'' [۱]

۲ شجرۂ افاغنہ کا مظفر حسین شاہ آبادی نے، نامۂ مظفری (تاریخ شاہ آباد) میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب مؤلف مذکور کی نظر سے گزری تھی۔ [۲]

۳ مولانا کی فہرست میں جناب محمد ایوب قادری نے یہ نام بھی شمار کرایا ہے [۳] اس کی کوئی تفصیل معلوم نہیں۔

۴ قصص الانبیاء واحوال الاصفیاء، مظفر حسین شاہ آبادی نے اس کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب آخر سے ناتمام ہے۔ [۴]

۵ ترجمہ اردو شرح عقائد نسفی، مولانا محمد سلطان نے تمہید تحفۃ العجم میں، اپنی جن مصنفات وتراجم کا ذکر کیا ہے، اس میں ترجمہ اردو شرح عقائد کا نام سر فہرست درج ہے، [۵] جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ یہ کتاب مولانا کی

(۱) فہرست مخطوطات اردو (رضا لائبریری، رامپور) مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی، ص: ۶۵ جلد: اول (رامپور ۱۹۶۷ء)

سب سے پہلی اور اہم علمی کاوش ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ شرح عقائد کی خدمت تقریباً ۵۰-۱۲۴۵ھ کے درمیان سرانجام پائی ہوگی، یہ ترجمہ کم از کم ایک مرتبہ شائع ہوا ہے۔

۶۔ نور الایمان اس تالیف کا بھی (جو بہ ظاہر مختصر سا رسالہ ہے) مولانا محمد سلطان نے تمہید تحفۃ العجم میں ذکر کیا ہے، یہ کتاب شرح عقائد نسفی کے ترجمے کے بعد اور رشید المؤمنین سے پہلے مرتب ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۸۷۴ء میں چھپا تھا۔ مطبع منشی نول کشور کی فہرست برائے ۱۸۸۶ء میں اس کا نام شامل ہے۔ [۱]

۷۔ زینت الایمان، یہ بھی مختصر سا رسالہ ہوگا، لیکن اس کا تعارف ہمیں نہیں ملا۔ قاموس الکتب میں ''مؤلفہ محمد سلطان خاں'' کی حیثیت سے اس کا اندراج ہے۔ [۲]

۸۔ رشید المؤمنین، مولانا محمد سلطان خاں کی اہم تصنیفات میں شمار کی جاسکتی ہے۔ مولانا نے اپنی سابق الذکر تالیف نور الایمان میں حشر و نشر کے کچھ حالات بلا تصریح مآخذ و روایات مجمل طریقہ پر لکھ دیے تھے، جس کے بعض مندرجات پر کچھ شبہات ہوئے اور ان کی استنادی حیثیت کے متعلق مولانا سے سوالات کیے گئے، تو مولانا نے ضروری سمجھا کہ احوال آخرت پر ایک معتبر و مفصل کتاب لکھ دیں۔ ''رشید المؤمنین'' اسی خیال کی عملی تعبیر ہے۔

تحفۃ العجم کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید المؤمنین، تذکیر الاخوان سے پہلے لکھی گئی تھی، اور تحفۃ العجم کی اطلاع کی روشنی میں اس کا سنہ تالیف تقریباً ۴۹-۱۲۴۸ھ متعین ہے۔ رشید المؤمنین پہلی مرتبہ کب چھپی معلوم نہیں، مگر مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے بھی کم سے کم دو مرتبہ چھپی ہے۔ لکھنؤ کے بعض اور مطابع نے بھی رشید المؤمنین شائع کی تھی۔

مولانا محمد سلطان کی محولہ بالا تصریحات سے عیاں ہے کہ یہ کتاب رشید المؤمنین مؤلف تذکیر الاخوان و تحفۃ العجم وغیرہ کی تصنیف ہے، لیکن رشید المؤمنین کے ایک قلمی نسخہ میں صحیح اندراجات کو تبدیل کر کے، اس کا مؤلف مولانا محمد رشید الدین خاں دہلوی کو قرار دیا گیا ہے اور اس کا سنہ تالیف بدل کر ۱۲۲۴ھ کر دیا ہے، تحریر ہے کہ:

> ''پوشیدہ نہ رہے کہ سابق اس کمتر و احقر، ضعیف و مسکین، خاک پائے مسلمین، ہیچ مداں محمد رشید الدین نے، رسالہ نور الایمان میں کچھ حال حشر کا، بے دلیل و سند مجمل بیان

(۱) تحفۃ العجم ترجمہ کنز الدقائق، ص:۳ (طبع دوم، منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء)

کیا تھا کہ بعضے محبّ و مخلص وقت مطالعہ یا سماعت کے، واسطے سنداس مضمون کے
متردد ہوتے تھے۔اس واسطے چاہا کہ ایک رسالہ جدا اس بیان میں باسند و دلیل ترتیب
دیجیے۔الحمدللہ کہ سن بارہ سو چوبیس ہجری میں یہ رسالہ مرتب ہوا[۱]

یہ نسخہ جس سے یہ اقتباس نقل ہوا، رضا لائبریری، رامپور میں محفوظ ہے،اس پر کاتب کا نام،سنہ کتابت یا نسخہ منقول عنہ کے متعلق کچھ تحریر نہیں ہے تاہم یہ طے ہے کہ اس نسخہ کی یہ دونوں اطلاعات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ رشید المؤمنین مولانا رشید الدین خاں کی تصنیفات میں شامل نہیں،اور اس کا زمانۂ تالیف بھی ۱۲۲۴ھ نہیں ہے۔

نسخہ رامپور کی ان دونوں اطلاعات میں ترمیم کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ممکن ہے کہ اس نسخہ کا کاتب صحیح نسخے کی فراہمی میں ناکام رہا ہو، قرین قیاس ہے کہ اس نسخہ کا کاتب و ناقل سیّد احمد شہید، نیز شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان کی تالیفات و نظریات اور تحریک سے ناخوش ہو، اس لیے اس نے اس تحریک سے وابستہ، تعلیمات شاہ محمد اسماعیل کے ہمنوا، اور تقویۃ الایمان کا ضمیمہ و تکملہ لکھنے والے مصنف کی کتاب سے استفادہ پسند نہ کیا ہو، یا وہ اس کے متعلق غلط فہمی پھیلانا چاہتا ہو۔ اس لیے اس نے مولانا محمد سلطان کی اس کتاب کی تمہید سے ان کا نام حذف کر کے، مولانا رشید الدین خاں کا نام لکھ دیا، جو کتاب کے نام رشید المؤمنین سے مطابقت رکھتا ہے، اور اس کا سنہ تالیف بھی اس طرح تبدیل کیا ہے کہ وہ رشید الدین کے زمانۂ حیات بلکہ عہد تصنیف و تالیف سے پوری طرح ہم آہنگ ہو جائے۔ان ترمیمات کی وجہ اس خطی نسخے سے استفادہ کرنے والے اصحاب کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ کتاب مولانا رشید الدین خاں کی تالیف ہے، چنانچہ مولانا امتیاز علی عرشی کو بھی یہی خیال ہوا کہ رشید المؤمنین مولانا رشید الدین کی تالیف ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

''یہ کتاب حشر و نشر کے حالات میں مولوی محمد رشید الدین خاں دہلوی متوفی ۱۲۴۹ھ
(۳۴-۱۸۳۳ء) نے ۱۲۲۴ھ میں تالیف کی تھی۔''

لیکن مولانا کا یہ فرمانا صحیح نہیں اور اس فروگزاشت کے لیے محولہ بالا نسخے کی وہ اطلاعات ذمہ دار ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔

رشید المؤمنین کے متعلق محمد ایوب قادری کی غلط اطلاع مولانا عرشی نے مذکورہ بالا تحریر میں صرف اس نسخے پر اعتماد کیا جو رامپور میں موجود تھا، اور جیسا کہ مولانا عرشی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔مولانا

(۱) اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ص:۳۶۸ (لاہور:۱۹۸۸ء)

کو رشید المؤمنین کے مطبوعہ نسخہ کے دیکھنے اور اس سے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے نیز مولانا محمد سلطان کی اور تصنیفات سے مراجعت واستفادہ کا موقع نہیں ملا، اسی لیے مولانا سے یہ فروگزاشت ہوئی۔ مگر تعجب ہے کہ پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی، جن کی علمائے روہیل کھنڈ کے احوال وتصانیف پر وسیع نظر تھی، اور مولانا محمد سلطان خاں کی متعدد تصانیف ان کے سامنے تھیں، مولانا عرشی کے اس قول کو جوں کا توں نقل کرکے یہ تأثر دیا کہ مولانا کی یہ اطلاع درست ہے۔ حالانکہ مزید تحقیق واطلاعات سے قطع نظر، صرف رشید المؤمنین کے مذکورہ اقتباس اور تحفۃ العجم کی تمہید میں درج کلمات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رشید المؤمنین مولانا محمد سلطان (مؤلف تذکیر الاخوان وتحفۃ العجم) کی تصنیف ہے، اس کا مولانا رشید الدین خاں سے انتساب غلط اور ناقابل تسلیم ہے۔

مخطوطہ رضا لائبریری کی تمہید میں صراحت ہے کہ:

''سابق اس کمتر نے رسالہ نور الایمان میں کچھ حال حشر ونشر کا بے دلیل وسند بیان کیا تھا۔
اس واسطے چاہا کہ ایک رسالہ جدا اس بیان میں بادلیل وسند ترتیب دیجیے''

یعنی مؤلف کتاب نے اپنی سابقہ تالیف نور الایمان کے بعض مطالب کی وضاحت وتحقیق کے لیے رشید المؤمنین تصنیف فرمائی۔ ان دونوں کتابوں رشید المؤمنین ونور الایمان کا مرتب کون ہے، اس کے لیے تحفۃ العجم سے رجوع مناسب ہے۔ تحفۃ العجم کے آغاز میں مولانا محمد سلطان رقم طراز ہیں کہ:

''اس خاکسار نے شرح عقائد نسفی کے متن کا ہندی ترجمہ کیا، بعدہٗ نور الایمان رسالہ نماز کی تاکید کے بیان اور رشید المؤمنین رسالہ قیامت کے حال میں تالیف کیا''[1]

گویا رشید المؤمنین مولانا محمد سلطان کے، درجہ بدرجہ مرتب سلسلہ تصانیف وتراجم کی، ایک اہم کڑی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ مولانا محمد سلطان کی یہ اطلاع نادرست ہو اور نسخہ رامپور کی غلط اطلاع کی وجہ سے اس کو مولانا رشید الدین خاں سے منسوب کردیا جائے۔

تحفۃ العجم ترجمہ کنز الدقائق رشید المؤمنین کی تالیف سے فراغت کے بعد، مولانا محمد سلطان نے ترجمۂ کنز الدقائق پر توجہ فرمائی۔ یہ ترجمہ ۱۲۵۲ھ (۳۷-۱۸۳۶ء) میں مرتب ومکمل ہوا۔ اس کی وجہ تالیف اور متعلقہ اطلاعات خود مولانا محمد سلطان نے قلم بند فرمائی ہیں۔ تحفۃ العجم کی تمہید میں فرماتے ہیں:

''بندہ ہیچ مداں محمد سلطان خاں عفی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کتاب کے دیکھنے والوں اور سننے والوں کی خدمت شریف میں بعد سلام سنت الاسلام کے یہ عرض کرتا ہے کہ، جب

اس خاکسار نے شرح عقائد نسفی کے متن کا ہندی میں ترجمہ کیا، اور بعدہٗ نورالایمان رسالہ نماز کی تاکید کے بیان میں، اور رشید المؤمنین رسالہ قیامت کے حال کے ذکر میں تالیف کیا اور پس ازاں تقویۃ الایمان کے دوسرے باب کا ترجمہ مع فوائد ضروریہ کے لکھا اور تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان اس کا نام رکھا۔

اب ۱۲۵۲ھ میں، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے دل میں ڈالا کہ ایک کتاب عبادات اور معاملات کے بیان میں، بزبان ہندی مرتب کروں۔ لیکن ازبس کہ نئی تالیف سے پرانی کتاب کا اعتبار زیادہ ہے اور فقہ کی کتابوں میں کنز بہت مختصر ہے اور اس کے مسائل کو معتبر پایا، اس لیے اس کے ترجمہ کا ارادہ کیا اور نام اس کا "**تحفة العجم فی فقه الامام الاعظم**" رکھا، اللہ کریم اپنے کرم سے پورا اور قبول فرمائے اور خطا سے محفوظ رکھے"۔

"تحفۃ العجم" کو کنز الدقائق کے مطالب کی صحیح ترجمانی نیز استناد کے لحاظ سے، کنز کے عمدہ اور معتبر ترجموں میں شمار کیا جاتا ہے اور آج تک ہندو پاکستان کے علمی درسی حلقوں میں اس سے استفادہ جاری ہے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی نے (جو خود بھی کنز کے ایک عمدہ ترجمہ احسن المسائل کے مترجم ہیں اور کتابوں کی تصحیح و اشاعت کے بلند نظر ماہر تھے، اور اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں کی صحت و کمزوری پر دیدہ ور مبصر و ناقد کی حیثیت رکھتے تھے، مولانا محمد سلطان کے اس ترجمے کے مداح اور ناشر تھے) "تحفۃ العجم" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"من حیث المجموعہ کتاب عمدہ اور ترجمہ صاف و سلیس اور مطابق روزمرہ اہل محاورہ کے ہے"

ایوب قادری صاحب نے، مولانا محمد سلطان اور اس دور کے علمائے اسلام کی نثر کا ناقدانہ و مبصرانہ حیثیت سے جائزہ لیا ہے، اس میں مولانا محمد سلطان کی نثر کو ان کے معاصرین کی نثر سے ممتاز پایا ہے اور یہ رائے دی ہے:

"مولوی محمد سلطان نے نہایت صاف ستھری اور سلیس زبان استعمال کی ہے، نہ قافیہ پیمائی ہے، نہ عبارت آرائی، وہ قوت بیان اور اظہار خیال پر پوری قدرت رکھتے ہیں، عربی وفارسی الفاظ کی کثرت بھی نہیں ہے، اور نہ ترجمے کا گمان ہوتا ہے۔"(۱)

"تحفۃ العجم"، کم سے کم دو مرتبہ مولانا محمد احسن نانوتوی کے مطبع صدیقی بریلی سے چھپی، اور مطبع منشی نول

(۱) "کتب خانہ سالار جنگ میں اسلامیات سے متعلق ۱۸۵۷ء سے پہلے کی مطبوعات" جناب نصیر الدین ہاشمی ماہنامہ برہان دہلی، مارچ ۱۹۶۰ء، ص:۵۵۲، ج:۴۴-شمارہ:۳

کشور لکھنؤ سے بھی کئی مرتبہ شائع ہوئی۔ ہمارے ذخیرہ میں نول کشور کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۳۰۹ھ/فروری ۱۸۹۲ء کا چھپا ہوا ہے، اس کے علاوہ اور مطابع سے بھی "تحفۃ العجم" کی طباعت عمل میں آئی، اور اس کی مختلف اشاعتوں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

"تحفۃ العجم" کے متعدد مستند قدیم نسخے بھی دستیاب ہیں، ایک نسخہ کا ذخیرۂ شیرانی لاہور کے حوالے سے ذکر آ چکا ہے، دو اور خطی نسخے جس میں ایک ۱۲۶۰ھ کا مکتوبہ ہے، مدرسہ شاہی مراد آباد کے ذخیرے میں، میری نظر سے گزرے ہیں۔

تذکیر الاخوان تکملۂ تقویۃ الایمان مولانا محمد سلطان کے سلسلۂ تصانیف کا بدر منیر اور ان کی تالیفات میں افادیت، مقبولیت اور تاثیر کے لحاظ سے، تذکیر الاخوان سب سے ممتاز ہے۔ اس کتاب نے برصغیر کے مسلمانوں کو طریقۂ سنت پر راغب کرنے، بدعات سے بچنے اور صراط مستقیم کی صحیح صحیح پیروی کی عمدہ تفہیم و تلقین میں، نہایت اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ اسی کتاب نے مولانا محمد سلطان کو بقائے دوام کی خلعت اور شہرت عام کا ثمر عطا کیا ہے، اور سچ یہ ہے کہ اسی کتاب کی وجہ سے ان کے لیے دعائے خیر اور رفع درجات کی درخواست کی جاتی ہے۔

تذکیر الاخوان جیسا کہ گزرا، شاہ محمد اسماعیل کی کتاب ردالاشراک کے باب دوم کی، تقویۃ الایمان کی طرز پر شرح و تفہیم ہے۔ تذکیر الاخوان میں کم و بیش تقویۃ الایمان کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس کی زبان بھی تقویۃ الایمان کی طرح سادہ و سلیس اور عام فہم ہے، تحریر میں ویسی ہی روانی و بے ساختگی ہے، لیکن اصل و نقل کا فرق بہر حال محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تقویۃ الایمان کی اثر آفرینی، اسی کتاب کا منفرد حصہ اور خاص عطیۂ الٰہی ہے، کسی اور کتاب کو وہ بات آج تک حاصل نہیں ہوئی، تاہم تذکیر الاخوان اس لحاظ سے بھی اپنی معاصر مؤلفات سے ممتاز ہے اور اس میں بھی تقویۃ الایمان کی قوت تاثیر کا خاصا حصہ منتقل ہوا ہے۔

سنہ تالیف اور مختلف طباعتیں تذکیر الاخوان، تحفۃ العجم سے دو سال پہلے ۱۲۵۰ھ [۳۵-۱۸۳۴ء] میں تالیف ہوئی تھی، وجہ تالیف اور سنہ ترتیب کا مؤلف نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

> "بعد اس کے معلوم کیا چاہیے کہ ایک فاضل جلیل، متشرع دین دار نے شرک اور بدعت کی برائی کے بیان میں، ایک اور رسالہ تقویۃ الایمان کے نام کا لکھا، اور اس میں صرف

(۱) نسخے کے شروع و آخر کے آٹھ صفحات کی فوٹو کاپی اور متعلقہ معلومات جناب ڈاکٹر رحمت علی خاں (سابق ڈائریکٹر) سالار جنگ میوزیم کی عنایت سے ملی تھیں جس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔

آیتیں اور حدیثیں جمع کیں، اوراس کے دو باب ٹھہرائے۔ ایک باب میں توحید کی خوبیاں اور شرک کی برائیاں ہندی زبان میں کیں، اور دوسرے باب میں اتباع سنت کی خوبیاں اور بدعت کی برائیاں اور تفصیل بعضے بدعات کی آیت وحدیث سے ذکر کی، اور ارادہ ہندی ترجمہ کا کیا۔ مگر فرصت نہ پائی اور راہ خدا میں جان دی۔ إنّاللّٰه وإنّا اليه راجعون۔

اب ۱۲۵۰ھ میں اللہ تعالیٰ نے، اس خاکسار گنہگار ہیچ مداں محمد سلطان کے دل میں ارادہ اس کے ترجمے کا ڈالا۔ سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی بولی میں شروع کیا، اور تذکیرالاخوان بقیہ تقویۃ الایمان اس کا نام رکھا۔ اتمام کو پہنچانا اور قبول کرنا اس کے اختیار میں ہے۔"

تذکیرالاخوان پہلی مرتبہ کب شائع ہوئی اس کا راقم سطور کو علم نہیں ہے، لیکن پہلی اشاعت کے حوالے سے جناب نصیرالدین ہاشمی کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ:

"تذکیرالاخوان لتقویۃ الایمان" اس کے مؤلف محمد سلطان ہیں، کلکتہ میں ۱۲۵۰ھ میں چھپی ہے۔"[1]

ہاشمی صاحب نے ذخیرۂ سالار جنگ (حیدرآباد، دکن) میں اس نسخہ کی موجودگی کا ذکر کیا ہے، مگر اس میں بھی سہو ہوا، سالار جنگ میں تذکیرالاخوان کا ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں جو ۱۲۵۰ھ کا چھپا ہوا ہو۔ سالار جنگ میں تذکیرالاخوان کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کا چھپا ہوا ہے۔ یہ مطبع کریمی کا مطبوعہ ہے۔ مزید تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

تذکیرالاخوان کی سب سے پرانی اشاعت (جس کا راقم سطور کو علم ہے) مطبع مرزائی دہلی کی ہے، اس سے پہلے کسی اور اشاعت کا اگرچہ کہیں اور حوالہ وتذکرہ بھی نہیں ملا ہے، تاہم یہ تذکیرالاخوان کا پہلا ایڈیشن نہیں ہے، یقیناً تذکیرالاخوان اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہوگی۔ بہرحال مطبع مرزائی کا یہ نسخہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۵۰ء کا مطبوعہ ہے، اس کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں: "فضل الٰہی سے مطبع مرزائی میں حافظ مہر محمد خاں کے اہتمام سے چھپا۔" یہ اشاعت اس وقت کے عام کتابی سائز کے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، اسی صفحہ پر خاتمۃ الطبع اور قطعۂ

تاریخ درج ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کی طباعت ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ (۶ مارچ ۱۸۵۰ء) کو مکمل ہوئی تھی اس کمیاب طباعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔

مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۶ھ مطبع مرزائی سے تذکیر الاخوان کی اشاعت کے چند مہینے کے بعد، مطبع کریمی کلکتہ سے ایک اور نسخہ کی طباعت عمل میں آئی یہ نسخہ کلکتہ کے مطابع کے معمول کے مطابق ٹائپ پر چھپا ہے، یہ نسخہ چھوٹے سائز کے چار سو چھیانوے ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۱) یہی وہ نسخہ ہے جس کو جناب نصیر الدین ہاشمی نے ۱۲۵۰ھ کا مطبوعہ خیال فرمالیا ہے۔ تذکیر الاخوان کی اشاعت سے پہلے اسی مطبع سے تقویۃ الایمان بھی چھپی تھی، اس کا تعارف گزر چکا ہے۔

مطبوعہ مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ مذکورہ اشاعتوں کے قریب العہد نسخوں میں سے، ایک اہم طباعت وہ ہے جو مطبع صدیقی دہلی سے تقویۃ الایمان کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کی اولین طباعتوں میں یہ سب سے متعارف طباعت ہے۔ مطبع صدیقی سے شائع تقویۃ الایمان کا تذکرہ آ چکا ہے۔ مطبع صدیقی کی اشاعت سے پہلے بھی ایک مرتبہ تقویۃ الایمان و تذکیر الاخوان ایک ساتھ چھپی تھیں لیکن اس طباعت کے بعد سے یہ عام رواج اور معمول ہو گیا۔ کہ یہ دونوں کتابیں ساتھ ساتھ چھاپی جائیں جب بھی کبھی تذکیر الاخوان چھپے گی، اس کے ساتھ تقویۃ الایمان ضرور شامل ہوگی۔ یہ تو ہوا کہ صرف تقویۃ الایمان شائع ہوئی ہو، اس کے ساتھ تذکیر الاخوان نہ چھپی ہو، مگر میری معلومات میں، ایسا شاید کبھی نہیں ہوا کہ صرف تذکیر الاخوان شائع کی گئی ہو، تقویۃ الایمان اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ اسی لئے تذکیر الاخوان کی مزید طباعتوں کا تعارف یہاں شامل نہیں۔ تقویۃ الایمان کی جن طباعتوں کا تعارف کرایا گیا ہے، سب کے ساتھ تذکیر الاخوان موجود ہے، یہاں اعادہ فضول ہوگا۔

تذکیر الاخوان کا ایک عربی ترجمہ تقویۃ الایمان کے متعدد ترجمے، مختلف زبانوں میں کیے گئے مگر تذکیر الاخوان کے کسی اور زبان میں ترجمے کا مجھے علم نہیں ہے، عربی کے بھی صرف ایک ترجمے کا علم ہے، وہ بھی غیر مطبوعہ ہے، اس ترجمے کا ایک قلمی نسخہ (میرٹھ، یوپی) کے ایک ذاتی ذخیرہ میں موجود ہے، انہی کلمات پر ردالاشراک، تقویۃ الایمان و تذکیر الاخوان کے نسخوں اور اشاعتوں کی گفتگو ختم ہوتی ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم!

[ضمیمہ]

زیرنظر تالیف کے آئندہ متوقع مضامین ومباحث کی ایک جھلک

[تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے خلاف برپا شورش تاریخ وحقیقت کے آئینہ میں]

نورالحسن راشد کاندھلوی

ایں ہمہ کہ گفتہ شد، راقم سطور کی ناتمام تالیف: ''تقویۃ الایمان اور اس کے خلاف برپا شورش'' کا، اس وقت تک کے خیال اور منصوبہ کے مطابق تقریباً آدھا حصہ ہے، جو کچھ گذشتہ صفحات میں قارئین کرام نے پڑھا، وہ اس طویل گفتگو کا پہلا باب اور گویا سب سے پہلی بحث تھی، مگر افسوس ہے کہ زیرنظر اشاعت میں یہ بحث بھی خاطر خواہ طریقہ پر مکمل نہ ہوسکی۔ پیش نظر اشاعت میں صرف وہی مباحث ومضامین [معمولی ترمیمات کے بعد] پیش کردئے گئے، جو اس سے پہلے ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوچکے تھے۔ جب ان اوراق کو احوال وآثار کی ایک اشاعت کے طور پر شائع کرنے کا خیال ہوا، اس وقت یہ سوچا تھا کہ اس مضمون پر مکمل نظر ثانی کا تو موقع نہیں ہے، لیکن اس میں تقویۃ الایمان کے چند اور قلمی اور مطبوعہ نسخوں کا، جن کا اس مضمون کی تالیف واشاعت کے بعد علم ہوا، اضافہ کردیا جائے گا، مگر ان دنوں بعض غیر علمی کاموں نے مجھے اپنا کچھ ایسا اسیر بنالیا تھا، کہ ان جزوی اضافوں کا بھی موقع نہ مل سکا، جو ابواب آئندہ لکھنے تھے ان کی تو گنجائش ہی نہیں تھی، لیکن اس سلسلہ کو یوں چھوڑنا بھی شاید بہتر نہ ہو، اس لئے آئندہ سطور میں اس کا اجمالی اشارہ اور مختصر مختصر ذکر کیا جارہا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اور یہ سلسلہ مضامین کتابی صورت میں چھپے گا، اس وقت اس میں درج ذیل مضامین ومباحث کی شمولیت، اور ان پر تفصیلی گفتگو متوقع ہے۔ اس کے بعد ہی تقویۃ الایمان کے خلاف برپا شورش اور برصغیر میں ایک بڑے مذہبی اختلاف، اور گویا ایک نئے فرقہ بریلویت کے وجود وظہور کا صحیح سبب معلوم ہوسکے گا، اور اندازہ ہوگا کہ اس تفریق واختلاف کے لئے، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور تقویۃ الایمان کسی طرح بھی ذمہ دار اور دامن آلودہ

نہیں ہیں، اس کے لئے وہ اصحاب اور گروہ ذمہ دار ہیں، جنہوں نے توحید اور اتباع سنت کی دعوت کو اپنے مقاصد کے خلاف سمجھا اور خاندان ولی اللہی کے ذریعہ سے شیعیت کی بیخ کنی کی کوشش کا، اس طریقہ سے بدلہ لینا چاہا۔

① پہلے باب کی تکمیل عجب معاملہ یہ ہوا کہ بعض حضرات نے اس کشمکش کے اسباب سے ناواقفیت، اور تقویۃ الایمان کے متعلق صحیح علمی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے، یہ کہنا شروع کر دیا تھا، کہ تقویۃ الایمان کا حضرت شاہ محمد اسماعیل سے انتساب ہی درست نہیں، بفضلہٖ تعالیٰ گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے اس خیال کا غلط ہونا پورے طور پر واضح ہو گیا ہوگا، تاہم آئندہ اشاعت کے موقع پر، اس باب میں بھی انشاءاللہ بعض اضافے متوقع ہیں، جس میں تقویۃ الایمان کے چند اور قلمی مطبوعہ نسخوں اور تقویۃ الایمان کے ترجموں وغیرہ کا ذکر ہوگا۔

② تقویۃ الایمان کی تالیف کا پس منظر یا اس وقت کا معاشرتی منظر نامہ اس کے بعد وہ گفتگو ہوگی جس کو اس سلسلہ تحریر کا پہلا باب ہونا چاہئے تھا، مگر بوجوہ اس کو کسی قدر موخر کرنا مناسب معلوم ہوا۔ اس میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ تقویۃ الایمان کے مصنف کی اس قدر پُر جوش کیفیت کیوں ہے، اس کا دل زخمی اور اس کے احساسات اس قدر مجروح کیوں معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ، واحد وجہ اس دور کا وہ معاشرتی، سماجی، نظام، دینی اخلاقی بگاڑ اور خانقاہی اور محلاتی ڈھانچہ تھا، جو ایمان وعقیدہ کے لحاظ سے بالکل خراب ہو چکا تھا، سڑ چکا تھا، دین کا بہ ظاہر نام لینے والے وہ وہ کام کر رہے تھے، ایسے ایسے اخلاق وکردار پر مرتے اور ناز کرتے تھے، جو ہر اک نظام اور سوسائٹی کے لئے بدترین اخلاق وکردار ہو سکتے ہیں جن کا تذکرہ کرنا بلکہ نام لینا بھی معاشرہ کے لئے عیب اور نہایت ناگوار ہے۔

اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس دور میں، ہمارا تہذیبی زوال کس حد تک پہنچا ہوا تھا، اخلاقی حس کس قدر کمزور بلکہ بے جان ہو چکی تھی، اور معاشرہ کے ہر ایک پہلو میں، دینی خرابیوں، عقیدہ وعمل کی بے پناہ کمزوریوں کے ساتھ، عام اور معاشرت کس درجہ تک پستی میں گر چکی تھی، اس وقت تک تحریک سید احمد شہید کی افادیت اور تقویۃ الایمان کی غیر معمولی نافعیت اور اثرات کا اندازہ ہو ہی نہیں ہوسکتا۔

دلّی، جس کے گلی کوچوں کو اوراقِ مصوّر خیال کیا جاتا تھا، کیسے کیسے گلے گلے تک بداخلاقی، بدکرداری میں ڈوبے ہوئے تھے، اور ہر طرح کی اخلاقی، انسانی، سماجی برائیوں میں مبتلا ہی نہیں تھے، بلکہ ان بدترین عیوب، خطاؤں اور دین وشریعت سے برملا انحراف اور بغاوت کو اپنا کمال اور اعزاز سمجھتے تھے۔ جب حالات ایسے سخت ہوں

اور برائیوں کا نالا اس شدت سے بہہ رہا ہو، اس وقت ایسے ہی طاقتور علاج اور نسخہ کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم پہنچا دے۔

بہر حال زیرِ نظر تالیف کے اس باب میں، اس دور کے معاشی، اخلاقی، انسانی زوال و بگاڑ اور دین وعقیدہ کے متعلق عام خرابیوں کا، معاصر تحریروں اور عصری نمائندوں کے حوالہ سے ذکر کیا جائے گا۔ جس سے یہ معلوم ہونے میں مدد ملے گی کہ شاہ شہید کی یہ کوشش اور تحریر و تالیف، اس وقت کے حالات کا تقاضہ اور باغیرت مسلمان کے لئے ایک تازیانہ تھا، جو بفضلہٖ تعالیٰ حسب توقع نہایت مفید ومؤثر ثابت ہوا، اور اس کی ضرب وحدت سے برائیوں کے قافلے، معاشرت کی غلاظت کے انبار صاف ہوتے، دھلتے چلے گئے۔

(۳) کیا خانوادۂ ولی اللّٰہی سے شاہ اسماعیل کے خلاف کوئی آواز اٹھی تھی؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل اور تقویۃ الایمان سے خاندان ولی اللّٰہی کے بعض اصحاب وعلماء بھی، اتفاق نہیں رکھتے تھے، مزید یہ کہ بعض نے تقویۃ الایمان کے مندرجات ونظریات کی تردید میں بعض تحریریں اور رسائل لکھے تھے، اگر یہ آواز اٹھی تھی تو وہ کون کون اصحاب تھے اور خانوادہ ولی اللّٰہی کی علمی کہکشاں میں ان کی کیا حیثیت اور مقام ومرتبہ تھا، اور ان سے منسوب بعض رسائل وتحریرات کی کیا حقیقت ہے، اور اس ضمن میں بعض تحریرات میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کس حد تک غلط اور ناقابل اعتبار ہے۔ اس باب میں ان شاءاللہ اس کا معتبر تذکرہ آئے گا۔

(۴) تقویۃ الایمان اور اس کی تعلیمات کی باقاعدہ مخالفت کا آغاز

تقویۃ الایمان کی تالیف کے بعد تحریک سید احمد شہید برپا ہوئی اور تقویۃ الایمان کا افادہ عام ہوا، اور ان دونوں کی پرزور جدوجہد سے شرک وبدعت کے خلاف بے شمار ناجائز حرام کاموں کا سلسلہ ختم ہونا شروع ہو، مگر جیسے کہ دستور زمانہ ہے، وہ لوگ جنہوں نے ان ہی فضولیات ورسوم کو دین بنا رکھا تھا، یا ان کے ان سے کسی طرح کے مفادات ومنافع وابستہ تھے، وہ شاہ شہید کی آواز جرس، نعرۂ توحید خالص اور بدعات وخرافات کے خلاف یلغار و پیکار کو، کس طرح برداشت کرتے، مگر مشکل یہ تھی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز، اپنے عزیز بھتیجہ کے، پوری طرح ہم نوا اور پشت پناہ بنے ہوئے تھے، اور ملک بھر میں کس میں ہمت تھی کہ وہ شاہ عبدالعزیز سے ٹکر لیتا، اس لئے جب تک شاہ عبدالعزیز زندہ رہے، کسی نے لب کشائی نہیں کی، اس کے خلاف کوئی

آواز نہیں اٹھی، مگر جب حضرت شاہ صاحب کی وفات ہوگئی، اس وقت کچھ لوگوں نے اس طوفان کا راستہ روکنے کی ناکام کوشش کی۔

جامع مسجد دہلی کی مجلس مذاکرہ | حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات [شوال:۱۲۳۹ھ] کے چھٹے مہینہ بعد [۲۹/ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ۔۲۱/دسمبر۱۸۲۴ءکو] شاہ اسماعیل شہید کے خلاف پہلی آواز اٹھی تھی، جس کا یہ پہلو نہایت اہم اور قابل توجہ ہے، اس کا دہلی کے ایک معروف شیعہ رئیس، نواب امیر خاں نے اہتمام کیا تھا، جس کے لئے حضرت شاہ محمد اسماعیل اور ان کے بزرگ رفیق و ہم قدم، مولانا شاہ عبدالحیی بڑھانوی کو، جامع مسجد دہلی میں اچانک پکڑ لیا اور گھیر لیا گیا تھا اور پہلے سے طے شدہ ایک منصوبہ کے مطابق، ان دونوں حضرات سے بحث و گفتگو اور سوال و جواب شروع کئے گئے۔ اس محفل کے شرکاء کے اسمائے گرامی اور اختلافی گفتگو کا یہ محل نہیں، وہ ان شاء اللہ اس کتاب میں اپنے موقع پر آئے گی، مگر یہ مجلس بھی جس کو اس قدر اہتمام سے برپا کیا گیا تھا کہ اس میں بیس ہزار سے زیادہ افراد شریک ہوئے تھے، مجلس برپا کرنے والوں کے مقاصد کے خلاف ثابت ہوئی، مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے، شاہ مخصوص اللہ سے [منسوب ایک رسالہ کے حوالہ سے] نقل کیا ہے کہ:

> ''اس مجلس تک سب ہمارے طور پر تھے، پھر ان کا جھوٹ سن کر کچے کچے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے''(۱)

یعنی اس مجلس کا انعقاد بھی حضرت شاہ اسماعیل اور ان کی آواز توحید کے لئے مفید ہی ثابت ہوا، اور یہاں بھی: ''عدو شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد'' کا ایک اور مظاہرہ ہوکر رہا۔

⑤ مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاہ شہید سے اختلاف کی روداد، اور اس سلسلہ میں چند بے بنیاد مگر مشہور روایتوں کا تجزیہ

جب جامع مسجد دہلی میں شاہ شہید کے خلاف ایک جلسہ اور گفتگو کا اہتمام کیا گیا، اس وقت مولانا فضل حق خیر آبادی دہلی میں موجود تھے، لیکن نہ وہ اس مجلس میں شریک ہوئے اور نہ ہی تحریک شہید کے حوالہ سے ان کی کوئی

(۱) مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص:۱۰[دہلی:۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء]

اس تحریر کی مزے دار بات یہ ہے کہ جھوٹ سن کر، لوگ سچ سے پھرنے لگے۔ حالاں کہ اصول یہ ہے کہ اپنے طریقہ کو غلط سمجھ کر اور اپنے راستہ کے جھوٹ ہونے کا یقین آدمی کو اکثر سچ کی طرف لیجاتا ہے، جھوٹ کی وجہ سے کوئی بھی سمجھدار سچ سے نہیں پھر سکتا۔

تحریر وجود میں آئی، اس وقت مولانا نے عربی میں چند اشعار ضرور کہے تھے، مگر وہ مولانا کی بیاض تک محدود رہے، ان کی معاشرہ میں نہ شنوائی ہوئی نہ پذیرائی۔

مگر جب شاہ محمد اسمٰعیل جہاد اور ہجرت کے ارادہ سے دہلی سے رخصت ہو کر دور چلے گئے، اس وقت پہلی مرتبہ، مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس موضوع پر لب کشائی کی، اور ایک مختصر تحریر کے ذریعہ سے شاہ شہید سے اپنا اختلاف ظاہر کیا۔ مولانا خیر آبادی نے جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ۔ جنوری، فروری ۱۸۲۶ء میں تقویۃ الایمان کی ایک اردو عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے امکان و امتناع نظیر کے موضوع پر کلامی بحث کی ابتدا کی، اور اس سلسلہ میں فارسی میں ایک مختصر سی تحریر مرتب کی، جو ''تقریر اعتراض بر تقویۃ الایمان'' کے نام سے معروف ہوئی۔ تین چار صفحہ کی یہ مختصر سی تحریر یا اعتراض اس وقت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل تک پہنچا، جب وہ سفر جہاد کے لئے حیدر آباد، سندھ میں تھے، مولانا شہید نے اسی وقت اس کا علمی جواب لکھا، جو رسالہ یک روزی کے نام سے معروف ہے۔ [مؤلفہ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/ جولائی، اگست ۱۸۲۶ء]

کہا جاتا ہے کہ تحریک تقویۃ الایمان کے خلاف مولانا فضل حق خیر آبادی نے پہلی کوشش کی، شاہ شہید کا جواب لکھا اور ان سے بحث و مناظرہ کیا، مگر یہ تمام باتیں بلا شک وشبہ غلط اور بے اصل ہیں، شاہ شہید کے خلاف مولانا خیر آبادی کی [چند عربی قصائد کے علاوہ] کوئی تحریر وجود میں نہیں آئی۔

اس سلسلہ یا موضوع کی مولانا کی پہلی باقاعدہ تصنیف ''**ابطال الطغوی فی تحقیق الفتویٰ**'' ہے، جس میں مولانا نے شاہ شہید کی تکفیر کی ہے، مگر اس کا شاہ شہید سے راست کچھ تعلق نہیں، ''**ابطال الطغویٰ**'' دراصل حضرت شاہ اسمٰعیل کے نظریات اور تقویۃ الایمان کے بعض مندرجات کی تائید میں، دہلی اور اس کے اطراف و نواح کے ممتاز، علماء کے ایک مفصل فتوے کا گویا جواب ہے [یہ فتویٰ ابطال الطغویٰ کے بعض قلمی نسخوں کے ساتھ بھی شامل ہے] تاہم **ابطال الطغویٰ** میں ضمناً رسالہ یک روزی کے بعض مندرجات پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

مولانا خیر آبادی کے اس فتوای تکفیر کے جواب میں، مولانا حیدر علی ٹونکی کی ایک کتاب ''**الکلام الفاضل الکبیر علی اهل التکفیر**'' شائع ہوئی تھی، اس کے جواب الجواب میں ''**امتناع النظیر**''، چھپی، جس کو مولانا فضل حق خیر آبادی کی تالیف کہا جاتا ہے، مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس کا مولانا خیر آبادی سے انتساب درست نہیں، یہ مولانا عبد الوہاب جونپوری [شاگرد خیر آبادی] کی تالیف ہے، مفصل گفتگو اپنے موقع پر آئے گی۔

مولانا خیر آبادی کے شاہ شہید سے اختلاف کی بس یہی روداد ہے، اگر چہ بعض حلقوں میں یہ بات مشہور ہے، بلکہ اس کا بہت تذکرہ اور پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ، مولانا خیر آبادی شاہ شہید کے خلاف برملا سامنے آئے، شاہ شہید سے خط وکتابت، بحث وگفتگو کی اور مولانا خیر آبادی کے شاہ محمد اسماعیل سے مناظرے بھی ہوئے، مگر یہ تمام اطلاعات وروایات اس وقت تک دریافت قدیم ومعتبر مآخذ کی روشنی میں قطعاً غلط اور بے ثبوت ہیں۔ مولانا خیر آبادی کبھی بھی شاہ شہید کے روبرو نہیں ہوئے، نہ ہی خیر آبادی نے شاہ شہید سے کوئی بحث وگفتگو کی، نہ کوئی مجلس مناظرہ منعقد ہوئی، اس سلسلہ میں جس قدر بھی مناظرے اور بحثیں ہوئیں، وہ شاہ اسماعیل کی شہادت (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) کے بعد ہوئیں، ان میں شاہ شہید یا ان کے کسی رفیق کی کبھی شرکت نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہئے کہ، شاہ اسماعیل کی تردید کے لئے فضا بنانے اور مجالس مناظرہ کا اہتمام کرنے میں، مشہور سازشی، مولوی رجب علی شیعہ کا خاص حصہ تھا، جو اس کے مکتوبات اور تحریروں سے بھی واضح ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی مولوی رجب علی تھے، جو سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں انگریزوں کے شعبۂ جاسوسی کے، سب سے بڑے ہندوستانی ذمہ دار تھے، اور سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک کو ناکام بنانے اور دہلی سے مغل حکومت کو ختم کرانے میں، ان کا بہت اہم اور خاص حصہ تھا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۶) چوں کہ تقویۃ الایمان کے نعرۂ توحید واتباع سنت کی وجہ سے، غیر اسلامی رسومات وبدعات پر خاصا اثر پڑا تھا، اس لئے اس دور میں ان چیزوں کے اثبات وجواز میں بھی متعدد رسالے اور تحریرات مرتب ہوئیں، مگر یہ صرف اپنے دلائل وجواز کا اظہار اور تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کے بڑھتے اثرات سے حفاظت، اور اپنے نظام اور حلقہ کو باقی رکھنے کی ایک کوشش تھی، اور اگر چہ ان رسائل وتحریرات میں تقویۃ الایمان کے مندرجات اور شاہ اسماعیل کے بعض اور نظریات کی تردید کی گئی تھی، مگر ان میں سے اکثر تالیفات وتحریرات کا رنگ مجادلہ ومناظرہ نہیں تھا، نہ ہی ان تحریرات میں شاہ محمد اسماعیل اور علمائے خاندان شاہ ولی اللہ کے گمراہ ہونے کا ذکر کیا گیا تھا، نہ ان کے مقابلہ کے لئے کسی نئی جماعت اور تحریک کے قیام کا اعلان ہوا، اور نہ ہی فکر ولی اللہی تحریک سید احمد شہید اور تقویۃ الایمان وغیرہ پر عمل کرنے والوں کو، دین وایمان سے خارج سمجھا گیا، نہ ان کے خلاف ہر سطح پر نفرت اور کفر کے فتاویٰ کی مہم چلائی گئی۔ دعوت وپیام سنت کے مقابلہ پر بعض رسوم مشائخ تھیں، بعض اپنے مشائخ اور اجداد کے

چند بے اصل طور طریقوں کی غیر معمولی پابندی اور التزام کرتے تھے، بعض بدعات بھی تھیں، جو ان حلقوں میں رائج اور بعض بہت عام تھیں، یہ لوگ ان کو باقی رکھنے کے لئے کسی جواز کی تلاش میں رہتے تھے، اس سلسلہ کے اکثر مؤلفات ورسائل تقریباً اسی طرح کے ہیں۔

⑦ مولانا فضل رسول بدایونی کی تحریک ردّوہابیت

مولانا فضل رسول صاحب بدایونی وہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے شاہ محمد اسماعیل شہید، تقویۃ الایمان اور ان کی دعوت توحید وسنت کے خلاف ایک بڑی جدوجہد کی ابتدا کی، اور وہابیت کو ایک فتنہ، دین صحیح سے انحراف، بلکہ اعلیٰ درجہ کی گمراہی اور [معاذ اللہ ،معاذ اللہ] کفر قرار دے کر، اور شاہ محمد اسماعیل شہید نیز ان کے متبعین سید احمد شہید اور ان کی تحریک سے جڑے ہوئے، تمام افراد اور علمائے کرام کو دشمن اسلام، دین سے خارج اور نہ جانے کیا کیا قرار دینے کی، ایک مہم چلائی، اس سلسلہ میں کئی کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ سے برصغیر کی ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار کو بڑھانے، اور اختلافی رائے کو ایک بڑی گہری خلیج بنانے کے لئے مسلسل کوشش کی۔ لیکن یہ بھی ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا فضل رسول صاحب کا یہ نظریہ اور کوشش عام پذیرائی سے محروم رہی، اس کو کبھی بھی قبول عام حاصل نہیں ہوا۔

مولانا فضل رسول صاحب کا ذکر آیا ہے، تو اس کا بھی کچھ اشارہ ہوجانا چاہئے کہ بدایونی صاحب نوجوانی سے ہی، خانوادۂ ولی اللہی، خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ سے اختلاف رکھتے تھے، اور اس میں غیر متوازن اور انتہا پسندانہ نظریہ کے حامل تھے۔ بدایونی صاحب کے خیالات کی بے اعتدالی اور ان سے آئندہ ہونے والے نقصانات کا، شاید حضرت شاہ عبدالعزیز کو کشف اور احساس ہوگیا تھا، اسی لئے حضرت شاہ عبدالعزیز نے، مولانا بدایونی کے ان نظریات کی تردید میں، ایک سخت فتویٰ [تکفیر کا] مولانا رشید الدین صاحب سے لکھوایا تھا، جو حضرت شاہ عبدالعزیز کا آخری فتویٰ تھا۔ شاہ صاحب کے ذاتی خادم خاص، احمد علی بجنوری [بجنور ضلع لکھنؤ] نے اپنے اس خط میں، جس میں حضرت شاہ صاحب کے مرض وفات، وفات اور تدفین وغیرہ کا حال لکھا ہے، اس فتوے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ فتویٰ وفات کے وقت حضرت شاہ صاحب کے سرہانے رکھا تھا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

قلندر ہرچہ گوید، دیدہ گوید

اُس دور میں جب بدایونی صاحب ''وہابیت یا شاہ محمد اسماعیل'' کی تردید میں اپنی تحریک چلائے ہوئے تھے، فاضل بریلوی، مولانا احمد رضا خاں صاحب کے والد، اپنے مسکن و مستقر بریلی میں موجود تھے، مگر انہوں نے کبھی اس سلسلہ میں نہ کوئی قدم اٹھایا، نہ کوئی آواز بلند کی، نہ ہی مولانا بدایونی کے کام اور مشن کو آگے بڑھانے میں کسی طرح کی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

⑨ سنہ ۱۲۹۰ھ تک کوئی اختلاف نہیں تھا، بریلی شہر کے امام عیدین اور مفتی مولانا محمد احسن نانوتوی تھے نیز۔۔۔

یہ حقیقت یوں واضح ہوجاتی ہے کہ اس وقت نانوتہ کے ایک ممتاز عالم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے چچازاد بھائی، اور دہلی کالج کے ایک فاضل، مولانا محمد احسن نانوتوی تھے، جو علم و عمل اور فکر وخیال ہر ایک میں اپنے رفقاء، حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے معاون و ہم قدم، خانوادہ ولی اللّٰہی کے شاگرد، تحریک سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل کے دامن گرفتہ، ان کے مقاصد، جدوجہد اور دعوت اصلاح وانقلاب کے پرزور حامی تھے، اور اس سلسلہ کی تصانیف وکتب شائع کرنے کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ ۱۸۵۲ء[1] [۱۲۶۸ھ] میں بریلی کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے تھے، اور اپنی اعلیٰ علمی حیثیت، تعلیم ودرس کے علاوہ، وعظ وارشاد، تذکیر واصلاح اور فقہ وفتاویٰ میں اعلیٰ قابلیت اور بے لوث خدمات کی وجہ سے، چند سال میں ہی بریلی شہر کے خواص وعوام کے مرجع ومقتدیٰ بن گئے تھے۔ مولانا احسن کے فتویٰ پر ہی اہل شہر اعتماد کرتے تھے، ان ہی کو اپنا مرجع فتویٰ سمجھتے تھے، مولانا کے کمالات کی وجہ سے مولانا کو شہر بریلی کا عیدین کا امام بھی منتخب کرلیا گیا تھا، مولانا نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک عیدین کی امامت اور مفتی شہر کی ذمہ داری بھی اور خدمات کے ساتھ انجام دی۔

فاضل بریلوی، مولانا احمد رضا خاں کے والد مولوی نقی علی خاں اور علمائے دیوبند

اس وقت فاضل بریلوی، کے والد مولوی نقی علی خاں صاحب بریلی میں موجود تھے، وہ بھی بریلی کے اور باشندوں کی طرح مولانا کو مرجع ومقتدا مانتے تھے، اور مولانا کی پیشوائی میں عیدین کی نمازیں ادا کرتے تھے۔

نہ کوئی اختلاف ونزاع تھا، نہ بریلویت ودیوبندی کے قصہ کا ذکر تذکرہ، اور نہ ہی وابستگان سلسلہ سید احمد شہید

---

(۱) مولانا کے بریلی میں تقرر کا سنہ ڈاکٹر ایوب قادری صاحب نے ۱۸۵۱ء لکھا ہے، ص:۴۳، مولانا محمد احسن نانوتوی [کراچی:۱۹۶۶ء] مگر یہ صحیح نہیں۔ درست یہ ہے کہ بریلی کالج میں مولانا کا تقرر اگست ۱۸۵۲ء [شوال ۱۲۶۸ھ] کے بعد ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو: مکتوبات شاہیر بنام اسیر نگر، مرتبہ ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی۔ سہ ماہی اردو۔ کراچی [۸۷-۱۹۸۶ء] ص:۱۰۴

وشاہ محمد اسماعیل نیز مدرسۂ دیوبند کے گمراہی و بددینی کا کوئی احساس وخیال ! بعض فکری نظریاتی اختلافات تھے، مگر سب ہی ان کو اپنی اپنی حدود میں رکھتے تھے، اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے بددین، گمراہ اور خدانخواستہ دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا تو کوئی سوال نہیں تھا۔ یہی نہیں بلکہ مولوی علی نقی صاحب اکابر علمائے دیوبند، خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے خاص محبت وعقیدت رکھتے تھے، مولوی علی نقی صاحب کی بعض تحریرات میں، جو اسی زمانہ کی چھپی ہوئی ہیں، حضرت مولانا گنگوہی کا بلند الفاظ میں ذکر آیا ہے۔

مولوی نقی علی کی بریلی شہر کی امامت عیدین کی خواہش وکوشش اور بریلی سے علمائے دیوبند کے خلاف پہلی آواز!

مولانا محمد احسن نانوتوی کو ان ہی خدمات مصروفیات اور اعلی درجہ کی نیک نامی سے، بریلی میں بیس سال گذر گئے تھے، مولانا کا درس، کالج میں پروفیسر کا ممتاز عہدہ، علمی تصنیفی کام، مطبع صدیقی بریلی، رسالہ احسن الاخبار، مدرسہ مصباح العلوم، عیدین کی امامت وغیرہ عمدگی اور خیر وخوبی کے ساتھ چل رہے تھے، اور ان سب کی وجہ سے مولانا کی عظمت وقدر دانی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا، کہ مولوی نقی علی خاں کو، مولانا سے اختلاف ہوا، اور ایک عرصہ کی نیاز مندی کو ترک کر کے، مولانا محمد احسن کے خلاف ایک مہم شروع کی، جس میں فقہ وفتاویٰ کو بنیاد بنا کر، مولانا کے خلاف تحریرات کا آغاز ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مولوی نقی علی خاں کی یہ دلی خواہش سامنے آ گئی، کہ مولانا محمد احسن عیدین کی امامت سے دست بردار ہو جائیں اور عیدین کی نمازیں علی نقی صاحب کو پڑھانے کا موقع ملے۔ مولوی علی نقی صاحب نے عید الفطر ۱۲۹۰ھ [۲۲/نومبر ۱۸۷۳ء] کی نماز سے موقع پر چاہا تھا، کہ مولانا محمد احسن نماز نہ پڑھائیں، مولوی نقی علی صاحب کو اس کا موقع ملے۔ مولانا نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا تھا اور لکھ کر دیدیا کہ:

> ''میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں، پڑھانا نہیں چاہتا، آپ تشریف لائیے، جسے چاہئے امام کیجئے میں اس کی اقتدا کر لوں گا''

مگر مولوی نقی علی صاحب کو سلامتی کا راستہ اور مصالحت کی یہ روش پسند نہیں آئی، انہوں نے مولانا احسن نانوتوی کا مقابلہ کرنے کے لئے، حسین باغ، بریلی میں عید کی نماز علیحدہ پڑھائی، جس میں [معاصر اطلاعات کے مطابق] گنتی کے چند افراد شامل تھے، اس نماز کے بعد مولوی علی نقی صاحب نے، مولانا محمد احسن کی تکفیر کا اعلان کیا اور کہا کہ، مولانا احسن اثر ابن عباسؓ کی صحت کے قائل ہیں، اس لئے کافر ہیں۔ یہ اس اختلاف، فتنہ اور تفریق کی ابتدا تھی جو بعد میں بریلویت کے روپ میں نمودار ہوا۔

یہ اختلاف اور مولانا محمد احسن کے خلاف تحریک، اگر مولوی علی نقی صاحب کی ذات یا شہر بریلی تک رہتی تو

کوئی بات ہی نہیں تھی، امامت اور مقامی سیاست وقیادت میں، اس طرح کے چھوٹے موٹے اختلاف ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر افسوس، صد افسوس کہ وہ اختلاف جو بہ ظاہر ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لئے برپا کیا گیا تھا، بریلی سے نکل کر اول کل ہند پھر گویا عالم گیر ہو گیا۔

مولوی علی نقی صاحب کے فرزند، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب نے، اس اختلاف کو اختلاف عقیدہ وملت بنانے کے لئے، اپنی پوری زندگی، تمام لیاقت وصلاحیت اور جملہ ممکن الحصول ذرائع استعمال کئے، اور چھوٹا سا بہت چھوٹا سا اختلاف اور مسئلہ، جو صرف ایک شخص کی مقامی امام کی خواہش سے نمودار ہوا تھا، امت کے ٹکڑے کرنے پر منتج ہوا۔

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ!

(۱۰) اختلاف امت کی ان تمام تحریکات کے پس منظر میں کارفرما قوتیں اور شیعہ صاحبان کا اس میں ہر ممکن تعاون؟

اس سلسلہ کی آخری گفتگو اس عنوان یا موضوع پر کی جائے گی جو ابتدائی مباحث وعنوانات سے زیادہ خطرناک اور غور طلب ہے، یہ ہے کہ تحریک سید احمد شہید کے آغاز کے بعد سے، فاضل بریلوی کے ایک خاص مسلک کی دیواریں اٹھانے تک، اختلاف کا کوئی موقع ہو، عقیدہ وایمان کی بحثوں کے ساتھ تفریق کی، کوئی تحریک وجستجو ہو، ہر ایک میں شیعہ صاحبان کا کھلا ہاتھ اور برملا تعاون صاف نظر آتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ دہلی میں تحریک سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل کے خلاف، جامع مسجد دہلی میں، جو مجلس منعقد کی گئی تھی، اس کی منصوبہ بندی دہلی کے ایک ممتاز شیعہ امیر نے کی تھی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے امکان وامتناع نظیر کا جو شوشہ چھوڑا تھا، اس کو آگے بڑھانے میں، نیز غالب کی مثنوی، ''نمو داری شان نبوت ورسالت'' سے اس موضوع کے اکثر مناظروں اور متعدد کتابوں کی تالیف واشاعت تک، دہلی کے شیعہ رہنماؤں خصوصاً مشہور شیعہ عالم، مولوی رجب علی کا برملا اور در پردہ تعاون شامل رہا۔

اس کے بعد جب مولانا فضل رسول بدایونی صاحب نے اس سمت میں قدم بڑھایا، اس وقت بھی یہی صاحبان تعاون اور حوصلہ افزائی کے لئے آگے آئے تھے، اور جب بریلی سے اس طرح کی آوازیں اٹھنی شروع ہوئیں، اس وقت بھی اسی طبقہ نے اس کا استقبال کیا تھا، اور [شیعہ صاحبان کی صراحت واعتراف کے مطابق] وہ

تقریباً ۱۳۱۹ھ تک، فاضل بریلوی کی، ردِّ وہابیہ کے لئے مالی امداداور دامے درمے قدمے سخنے، تعاون کرتے رہے۔

جو میں بت کدہ میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری!

اس قسم کی ہر اک کوشش کے ساتھ شیعہ صاحبان کی خاص گہری وابستگی، اوراس طرح کا کام کرنے والے، ہر فرد کی پذیرائی ، ان تحریکات کے برپا کرنے، اورمسلمانوں میں اختلاف، خصوصاً مذہبی افتراق کو ہوادینے، اوربھڑکانے کا یہ نازیبا عمل، یقیناً سوچ سمجھ کر، دورس مفادات سامنے رکھ کر کیا گیا تھا۔

یہ وہ عنوانات ومباحث ہیں، جو بعض اور تفصیلات ومتعلقات کے ساتھ ان شاءاللہ تعالیٰ ''تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے خلاف برپاشورش کی تاریخ وحقیقت کے آئینہ میں'' کی کتابی صورت میں اشاعت کے وقت معتبر حوالوں اورمآخذ کی تصریحات کے ساتھ، شامل کئے جائیں، یعنی اندازاً سو صفحات اور لکھے جائیں گے، جس کے ذریعہ سے اس فیصلہ تک پہنچنے میں خاص مدد ملے گی کہ، امت میں اختلاف وانتشار اورنفاق واختلاف کی ذمہ داری کس پر اور کس طرح سے ہے۔ نیز اس اختلاف کا حل قرآن کریم، اورشریعت وسنت نبویہ، [علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام] کی تقلید واتباع میں ہے، یا ہر اس شخص کی بات ماننے میں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی بلکہ وصیت: ''ما انا علیہ واصحابی'' کو ناقابل اعتنا سمجھتا ہو.............................؟؟؟

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے، جس کے سبب
اسی عطّار کے لونڈے سے، دوالیتے ہیں

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ مورد طعن والزامات کیوں ہیں؟
سید احمد شہید اوران کی تحریک کیوں نہیں؟
ایک خط کے جواب میں

نورالحسن راشد کاندھلوی

الفرقان میں آپ کے تمام قسط وار مضامین شاہ شہید اوران کے معاصرین کے متعلق جو چھپ چکے تھے، حاصل کر چکا ہوں، گیارہ قسطیں میرے پاس ہیں۔ بقیہ قسطوں کا منتظر ہوں، اگر چھپ جائیں تو حاصل کروں گا اور اگر آپ مرحمت فرمائیں تو مشکور وممنون ہوں گا۔

مولانا عارف صاحب سنبھلی سے بھی ملاقات ہوئی تھی، کافی آپ کا ذکر خیر کررہے تھے۔

سردست میرے پاس چند سوالات ہیں اور بعض استفسارات ہیں، امید ہے کہ آپ مجھے اس سلسلے میں ضرور مستفید فرمائیں گے۔

(۱) شاہ شہیدؒ کی وجہ سے، ہندوپاک میں عقیدہ کے باب میں کیا انقلاب آیا ہے؟

(۲) سید احمد شہید اور شاہ شہیدؒ ہمیشہ ایک ساتھ رہے لیکن شاہ شہید کی مخالفت ہوتی رہی، اور سید احمد شہید کی پذیرائی ہوئی، اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟

(۳) **تذکیر الاخوان** کس کی تصنیف ہے؟ بعض احباب شاہ شہید کی تالیف ماننے کے لئے تیار نہیں ہے؟ عارف صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی اس کو شاہ شہید کی تصنیف بتاتے ہیں۔ براہ کرم اس سلسلہ میں کیا قرائن ودلائل ہیں، آگاہ فرمائیں۔

(۴) شاہ شہید کی تصنیفات کی کوئی زمنی ترتیب ہوسکتی ہے، یا کم از کم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی آخری کتاب تقویۃ الایمان ہے۔

(۵) یہ محمد سلطان مترجم تذکیر الاخوان کون ہیں، کس کتاب میں ان کا تذکرہ مل سکتا ہے؟

(۶) **ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح** اور تقویۃ الایمان میں جو خیالات ہیں، وہ "العبقات" کے خیالات سے بہت متضاد ہیں، اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے۔

(۷) **مطرق الحدید علی صاحب التحقیق الجدید** کا نسخہ، کیا آپ کے پاس موجود ہے، موجودگی کی شکل میں، مجھے اس کی تصویر چاہئے۔ اس کی شکل سے آگاہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ جو معلومات آپ کے پاس ہوسکتے ہیں، مجھے کم امید ہے کہ کسی اور کے پاس نہیں ہوسکتے ہیں۔ سردست میری نظر میں اور استفسار کے لئے آپ سے مناسب کوئی بزرگ شخصیت بھی نہیں ہے۔

یقیناً میرے جواب کے لئے آپ کو زحمت ہوگی، لیکن ایک تشنہ کام طالب حق کے لئے زحمت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے، براہ کرم محروم نہ فرمائیں، میں آپ کے جواب کے لئے چشم براہ رہوں گا [اور] روضۂ اقدس میں دعا گو بھی۔ اجازت چاہتا ہوں۔ **جزاکم اللہ خیراً فی الدارین وفقنااللہ بعلمکم وزاداللہ بقاء کم . آمین**

والسلام۔ از مدینہ منورہ

زیرِ نظر تتمہ اور اس کے مشتملات

ابتدائی صفحات میں یہ صراحت گزر چکی ہے کہ، زیرِ نظر شمارہ ایک موضوع اور ایک ہی مضمون پر مشتمل ہے۔اس اشاعت میں مرتب احوال وآثار کی، ایک ناتمام تالیف: ''تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے خلاف برپا شورش، تاریخ وحقیقت کے آئینہ میں'' کی تمام مطبوعہ قسطیں، یک جا شائع کی جارہی ہیں۔ان قسطوں کی تکمیل کے بعد خیال ہوا کہ اس میں شاہ محمد اسماعیل کی خدمات واحوال سے متعلق، دو تین اور مضامین بھی ضمیمہ کے طور شامل کردیئے جائیں،اس میں مرتب احوال وآثار کی دو غیر مطبوعہ تحریریں اور تحریک سید احمد شہید پر، نہایت فاضلانہ مجموعہ کتب کے مصنف، اور نامور مترجم ومؤرخ، چودھری غلام رسول مہر صاحب کا، ایک پرانا مضمون، جو تقریباً ساٹھ سال پہلے چھپا تھا، جواب گویا مفقود ہے، شامل کیا جارہا ہے، ترتیب مندرجات اس طرح ہے:

(۱) جب پیش نظر سلسلہ مضامین الفرقان لکھنؤ میں شائع ہورہا تھا، اس دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اس وقت کے ایک طالب علم کا، جو شاہ محمد اسماعیل پر تحقیق (P.H.D) کررہے تھے، ایک عنایت نامہ موصول ہوا، جس میں شاہ محمد اسماعیل شہید نیز سید احمد شہید اور تحریک سید احمد شہید کے سلسلہ میں چند سوالات تھے، راقم نے اس کا جو جواب لکھا تھا، اس کی ایک نامکمل سی نقل کاغذات میں پڑی ہوئی تھی، اسی کو جزوی ترمیمات کے بعد، صاف کرکے، نذر قارئین کیا جارہا ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ بے فائدہ نہ ہوگی۔

(۲) حیات طیبہ [شاہ محمد اسماعیل کی سوانح] مرزا حیرت دہلوی کی خاصی معروف تالیف ہے، شاہ اسماعیلؒ پر لکھنے والے اکثر اس سے نقل واستفادہ کرتے ہیں، مگر کیا یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے اور اس کی اطلاعات نقل وروایت کی جائیں، اس مضمون میں اسی کا کچھ تذکرہ ہے۔حیات طیبہ اور اس کے مصنف مرزا حیرت دہلوی کے متعلق، مرزا کے معاصرین اور بعد کے صاحب نظر علماء مورخین اور تذکرہ نگاروں کی کیا رائے ہے؟ حیات طیبہ کے پڑھنے والوں اور اس سے اخذ واستناد کرنے والوں کے لئے ایک ضروری تحریر۔

(۳) آخر میں تحریک سید احمد شہید پر اہم ترین محققانہ کتاب، اور اس سلسلہ کی معتبر ترین دستاویز کے مصنف اور نامور مصنف ومورخ، چودھری غلام رسول مہر کا ایک اہم مضمون ملاحظہ سے گزرے گا، اس میں شاہ عبدالعزیز اور تحریک سید احمد شہید کی نسبت اور رابطہ پر عمدہ گفتگو کی ہے اور اس میں ہمارے بعض علماء اور اہل قلم کی فروگذاشتوں کا تذکرہ اور ان پر سنجیدہ علمی تبصرہ ہے۔مہر صاحب کا یہ مضمون، پاکستان کے معروف سرکاری، ادبی مجلّہ ''ماہ نو کراچی'' کے نومبر ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں چھپا تھا، شبیر احمد صاحب میواتی، لاہور نے اس کا فوٹو اسٹیٹ عنایت فرما کر ممنون کیا۔ [نور]

جواب: بے شک وشبہ شاہ محمد اسماعیل کی خدمات، تصانیف اور علمی جدوجہد نے ہندستان (جس کو آج کل کی اصطلاح میں، برصغیر ہندو پاکستان بنگلہ دیش کہنا چاہئے) کے مسلمانوں کے عقیدہ کی اصلاح اور مسلمانوں کو دین صحیح اور راہ سنت کے قریب لانے میں، غیر معمولی اور ایسی اہم خدمات انجام دی ہیں، جس کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں فراموش کیا جانا دشوار ہے۔

(۱) شاہ محمد اسماعیل کی صحیح عقیدہ کے احیاء کے لئے خدمات کے تین پہلو ہیں، جس میں ہر ایک پہلو بذات خود ایک بڑا کارنامہ ہے اور تجدید دین کا ہم پایہ ہے۔

پہلا: شیعیت کے خلاف بھرپور اور نہایت کامیاب جدوجہد ہے۔

دوسرا: غیر اسلامی ، خلاف شریعت، توحید کے منافی اور شرک وبدعات کے اثرات میں ڈوبے ہوئے نظریات کی صفائی اور صحت ودرستگی، اس طرح کی کہ اس کی وجہ سے صحیح عقائد محفوظ اور وہ باطل اثرات ونظریات کافور ہو گئے، جن سے چاہے خدا کی وحدانیت ویقین متأثر نہ ہو، مگر وہ خلاف شریعت وسنت تھے۔

تیسرے: بدعات ورسوم کے خلاف واشگاف جہاد۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد، مغلیہ خاندان میں چند در چند وجوہ کی بناپر، شیعیت کے اثرات فروغ پانے لگے تھے، اور کچھ دن بعد ہی ملک کے مدارالمہام اور سربراہ کار وہ لوگ ہونے لگے، یادانستہ بنائے گئے، جو کٹر شیعہ، یزیدیت کے علم بردار اور دین متین کی جڑیں کھودنے والے تھے۔ اس فتنہ کا حضرت شاہ ولی اللہ سے پہلے آغاز ہو چکا تھا اور شاہ صاحب کے زمانہ تک اس کے خاصے گہرے اثرات، عوام اور معاشرہ کی جڑوں تک پہنچ گئے تھے۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب نے اس کی تردید کے لئے بھرپور کوششیں فرمائیں، اور کئی کتابیں تحریر بھی فرمائیں: **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاءؓ. قرة العينين فی تفضيل الشيخينؓ** اور **المجموعة السنية فی انتصار الفرقة السُنّية** وغیرہ، اسی طوفان پر بند لگانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔ مگر شاہ صاحب کی کتابیں، حضرت شاہ صاحب کے علوئے مقام کی صحیح ترجمان اور مضامین ومطالب کے لحاظ سے، ایسی اونچی اور عالی مرتبہ تھیں، کہ عوام کے لئے ان کے مطالب تک رسائی، اور اس کے مقاصد کو سمجھنا آسان نہیں تھا، لہٰذا اس کی بہت ضرورت تھی کہ شیعیت کی حقیقت، اس کے اسلام سے قرب ودوری کا نظام، اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں شیعیت کی حقیقت، متوسط صلاحیت کے عوام پر بھی آشکارا کی جائے۔ حضرت

شاہ ولی اللہ کے فرزند رشید وسعید، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے، اس ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے، تحفۂ اثناعشریہ کے علاوہ شیعوں کی تردید میں کئی چھوٹے چھوٹے رسالے اور اس موضوع پر متعدد فتاویٰ بھی تحریر فرمائے، ان تحریرات ومؤلفات، خصوصاً تحفہ اثناعشریہ کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، بلکہ کہنا چاہیئے کہ ہر اک معقول گھرانہ میں پڑھی جانے لگی، اس کے حسن بیان، دلائل کی قوت اور مصنف کے معقول گرفت کی تعریف کی گئی، یہاں تک کہ اس کی تپش شیعہ گھرانوں میں محسوس ہوئی، اور ان کو بھی اپنے نظریات وعقائد کی کمزوری صاف نظر آنے لگی، مزید یہ کہ اس کی وجہ سے اور اس کی مدد اور رہنمائی سے سعید روحوں کو، دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف آنے کا احساس بیدار ہونے لگا، تو شیعہ مجتہدین اور علماء کی ایک بڑی جماعت تحفہ کی تردید پر کمربستہ ہوگئی، اس نے تحفہ کی تردید میں مسلسل کتابیں لکھنی شروع کیں، جن کے مندرجات کا دولفظوں میں، خلاصہ یہی تھا کہ تحفہ کے اقتباسات درست نہیں، اور اس میں جو واقعات وروایات نقل کی گئی ہیں، ان میں حق وصداقت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

لہٰذا اب دوسری ضرورت یہ تھی کہ کوئی شخص ایسا ہو، جو ازالۃ الخفاء اور تحفہ اثناعشریہ کے مضامین ومطالب کا حافظ، اور شیعہ مسلک کی سب کتابوں کا عالم ہو، جو صحیح وغلط کو صاف صاف شناخت کراکے، الگ الگ کرسکتا ہو۔ یہ صلاحیت حضرت شاہ محمد اسماعیل میں بدرجۂ اتم موجود تھی، شاہ شہید نے تحریک سید احمد شہید کے آغاز کے ساتھ ہی، غالبًا یہ ارادہ فرمالیا تھا کہ وہ پورے برصغیر کو، شیعیت کی حقیقت سے واقف کرا کر دم لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے برملا تحریک اٹھائی اور اس شان سے اٹھائی کہ دہلی سے لکھنؤ تک شیعوں کے جو بھی مرکز، اور ممتاز ومایہ ناز علماء تھے، ان کے علاقوں اور حلقوں میں، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ان کے امام باڑوں میں، مجمعوں اور دروازوں پر جا کر، شیعیت کی بے بنیاد عمارت کی حقیقت واضح کرنی شروع کی، کئی مرتبہ شاہ شہید کے مقابلہ پر شیعہ علماء آئے، مگر شاہ شہید کے دلائل کی قوت، استحضار علمی، حاضر دماغی، اور ذہانت کی کرشمہ فرمائی کے سامنے، کسی کی ایک نہ چلی، جو شخص بھی ان باتوں کو سنتا دیکھتا، وہ یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا، کہ صحیح وہی ہے جو شاہ شہید کہہ رہے ہیں۔ شیعہ علماء کے پاس نہ ان دلائل کا جواب ہوتا، نہ ان اختلافات وروایات کی کوئی تطبیق وتوجیہ، جو خود ان کی کتابوں اور مستند متون میں موجود تھیں۔

شاہ شہید نے یہ آواز مسلسل ہر جگہ اٹھائی، مجمعوں میں بھی، نجی محفلوں میں بھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ شیعیت،

جس کے بارے میں شاہ شہید کی تحریک سے پہلے یہ خیال تھا، کہ مسلمانوں کا مشکل سے کوئی ایسا گھرانہ ہوگا، جہاں اس کے قدم نہ پہنچے ہوں، اپنے قدیم علاقوں میں محدود ہوکر رہ گئی، اور اس کا دائرہ اس تیزی سے سکڑنا شروع ہوا، کہ یوں محسوس ہونے گا کہ اگر شاہ شہید کی تحریک چندروز اور باقی رہ گئی، تو دہلی اور شمالی ہندوستان سے، شیعیت کا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔

ہر چند کہ شاہ شہید کے بعد، بلکہ ان کی حیات کے آخری ایام میں بھی، شیعیت کے خلاف تحریک میں، وہ قوت نہیں رہی تھی، مگر اس کے گہرے مثبت اثرات آج تک موجود ہیں اور خدا کے فضل وکرم سے آج تک شیعیت کو دوبارہ پہلے جیسا فروغ و پذیرائی نصیب نہیں ہوئی۔

میرے ناچیز خیال میں تشیع سے دوری، اور گھر گھر پھیلے ہوئے اس کے اثرات سے حفاظت واحتیاط، شاہ محمد اسماعیل کا عقیدہ کی خدمت کے ضمن میں اہم ترین کارنامہ ہے۔

(۲) دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے توحید کی آواز ایسی واشگاف انداز میں لگائی، کہ توحید کے منافی اور غیر اسلامی عبادات وعقائد، جو مسلمانوں کے گھروں میں پل رہے تھے، پرورش پا رہے تھے اور خاصے جڑ پکڑ گئے تھے وہ سب یک لخت کافور ہوگئے۔ شاہ صاحب کی صدائے توحید، حضرت مجدد الف ثانی کی دعوت ایمان کے بعد، تعلق مع اللہ، ایمان خالص اور توحید حقیقی کی وہ بلند بانگ آواز تھی جس نے برصغیر ہند میں اپنے نہایت گہرے، دیرپا اور ایسے بے مثال نقوش ثبت کئے، جس کی قریب کی تاریخ میں نظیر موجود نہیں۔

شاہ صاحب کے اخلاص اور خلوص نیت کا اثر تھا، کہ اس دعوت کو بھی ویسی ہی خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، جیسے حضرت مجدد الف ثانی اور ان سے پہلے داعیان توحید کو ہوئی تھی۔ **الا للّٰہ الدّین الخالص** کا نعرہ اس قوت سے بلند ہوا کہ، غیر دینی جذبات وخیالات ٹکرے ٹکرے ہوتے چلے گئے، اور اس کا یہاں تک اہتمام اور کوشش کی گئی کہ، مسلمانوں اور حق پرستوں کو توحید صحیح کی تعلیمات میں معمولی سے معمولی ملاوٹ ناگوار تھی، اور توحید کے خلاف چھوٹی سے چھوٹی بات سننا، دیکھنا، ناقابل تصور اور ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ حالانکہ تحریک شہیدین کے عروج وفروغ سے پہلے، دینی تعلیمات سے ناواقفیت، دین وشریعت کی نسبۃً غیر معتبر کتابوں کے، عام معمول ومزاج اور گم کردۂ راہ صوفیوں، اور ایسے متصوفین کی کتابوں اور کلمات وشطحیات سے، جو درحقیقت ایسے لوگوں کی ہفوات تھیں، جنہیں دین محمدی سے، حقیقی نصیب، اور اسلامی تعلیمات کی گہرائی تک اترنے کا موقع نہیں ملا تھا،

ایسی ایسی باتیں عوام میں پھیل گئی تھیں اور قریہ قریہ بزرگوں اور اولیاء کے متعلق، ایسے ایسے خیالات اور عقیدے عام ہو گئے تھے، کہ ان میں سے ایک معمولی خیال بھی، اسلام کی بنیاد منہدم کرنے کے لئے کافی تھا، اور آج بھی ہے۔

ہر چند کہ علمائے کرام ان چیزوں کی کمزوری اور بے حقیقتی کو خوب جانتے سمجھتے تھے، اور اپنے علاقوں اور حلقہ اثر میں، اس مقصد کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش بھی کرتے رہتے تھے، مگر حالات کی جو سخت گرفت تھی، اس میں شاید ہر اک یہی سوچتا ہوگا کہ بھڑوں کے چھتے میں کون ہاتھ ڈالے، میدان میں علم لیکر کون نکلے، اور اس طوفان کے سامنے بند کس طرح باندھے۔ وہ سب بلا شبہ جانتے اور سمجھتے تھے، کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یقیناً غلط اور بالکل غلط ہے، مگر اس کے غلط ہونے کا برملا صاف صاف اعلان، اور اس سے بڑھ کر اس کو ٹھیک کرنے، صحیح راہ پر لانے کی جدوجہد شروع کرنے کو، اپنی جان دینے اور سخت مشکلات وحالات کی وجہ سے، خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے اور جب ذمہ داروں کا یہ حال وخیال ہو، تو عوام کی گمراہی، بگاڑ اور بزدلی و کمزوری کا کیا عالم ہوگا، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مگر شاہ محمد اسماعیل نے، نامساعد سخت ترین حالات، نہایت ناگوار ماحول میں: **انا اغنی الشرکاء عن الشرك** کی ایسی پرزور آواز لگائی، اور اس کشتی کو، جو طوفان کے ہچکولوں سے ڈوبنے ہی والی تھی، طاقتور ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے، ساحل مراد تک لیجانے کا ایک حوصلہ مندانہ ارادہ کیا، اور اس پر اس قوت وشوکت سے عمل فرمایا کہ وہ لوگ بھی، جو کل تک اللہ تعالیٰ شانہ وتقدس کے نام نامی کے ساتھ، اوروں کو یاد کرنا اور ان کی ندا کرنا، ان سے مرادیں مانگنا بھی، کمال دین سمجھتے تھے اور وہ لوگ بھی جو چند مرحوم اولیاء اللہ اور بزرگوں کو ہی اپنا معبود و مسجود سمجھے ہوئے تھے، اور وہ لوگ بھی جو نظر نہ آنے والی مختلف قوتوں طاقتوں کے، نظام قدرت میں دخیل ہونے، ان کے بذات خود مؤثر ہونے پر یقین رکھتے تھے، شاہ شہید کی جدوجہد سے، ایسے راہ راست پر آئے کہ بعد میں، ان کے عقیدہ کی خوبی، اخلاص، اللہ تعالیٰ سے بے ملاوٹ نسبت وتعلق، اور ذات وحدہ لاشریک کے ہر قسم کے شرک سے وراء الوراء ہونے کی کیفیت ویقین پر، فرشتوں کو بھی رشک آتا ہوگا۔

یہ شاہ محمد اسماعیل کا عقیدہ کی اصلاح میں دوسرا اہم کارنامہ تھا، اگرچہ اس کے اثرات آج بھی اس کے نام لیواؤں کی جانب سے، اس تحریک اور جدجہد کے کمزور پڑ جانے، اور خود ان کے خیالات وعمل میں بعض خرابیوں کی شمولیت کے باوجود، اس قدر روشن اور نمایاں ہیں، کہ لاکھوں لوگوں اس سے صراط مستقیم مل رہی ہے، اور بے شمار ناواقف اصحاب آج بھی اس کے ذریعہ سے، راہ ہدایت طے کر رہے ہیں۔

(۳) شاہ صاحب کا تیسرا کارنامہ جو ان دونوں کا تتمہ ہے، مگر اہتمام ومعنویت میں، کسی طرح بھی ان دونوں سے کم نہیں، یہ ہے کہ، شاہ صاحب نے پوری شدت سے، اسلامی زندگی، طریقۂ سنت، بدعات ورسوم اور غیر اسلامی رسم ورواج کے خلاف بھی آواز لگائی۔

اس آواز کی قوت ومقبولیت اور اس کی تاثیر وعمل کا صحیح اندازہ اسی وقت ممکن ہے، جب یہ معلوم ہو کہ اس وقت کے برصغیر کے اندر کا اسلامی معاشرہ، یہاں تک کہ دینی علمی مراکز، خانقاہیں تعلیمی ادارے، مرجع علم وفتویٰ اور منبع رشد وہدایت افراد بھی، کیسی کیسی غیر اسلامی غیر شرعی رسومات کے پابند واسیر ہو چکے تھے۔ بہت سی وہ باتیں جو اسلامی زندگی کا پہلا سبق، معاشرہ کی اصلاح اور ضروریات زندگی کی کلید، اور دین کے علمی نفاذ کے لئے پہلے قدم کی حیثیت رکھتی تھیں، ان مراکز کے دائرۂ عمل سے خارج تھیں، اور ایسی کئی اور باتیں اور چیزیں اور رسومات بھی، اچھے اچھے دینی مرکزوں اور گھرانوں میں جگہ پکڑ چکی تھیں اور پرورش پا رہی تھیں، جن کا اسلام اور اسلامیت سے دور پرے کچھ بھی تعلق نہیں تھا۔ ان رسومات وبدعات میں سے بعض چیزیں، مندروں کے پوجا پاٹ سے بعض جوگیوں کے اعمال سے لی گئیں تھیں، اور چند خود ایجاد کی ہوئی تھیں یعنی ایجاد بندہ کی حیثیت رکھتی تھیں، اور کئی ایک کیلئے یہ کہا جاتا تھا کہ فلاں بزرگ اور فلاں کے طریقہ کی پیروی ہے، ان کے فلاں معمول وعمل کی اتباع ہے۔ شاہ شہید نے ان سب کے خلاف یکساں شدومد سے آواز لگائی، اور مدرسہ وخانقاہ کے مسند نشینوں سے، کوچہ وبازار کے رہنے والوں تک، برملا کلمۂ حقیقت پہنچانے کی کوشش کی۔

جب سننے والوں نے اس کو سنا اس پر غور کیا، دیکھا اور ان طور وطریقوں کو سنت کی کسوٹی پر کسا، تو ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ واقعۃً ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ غیروں کی نقالی، اسلامی تعلیمات کی ضد اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے سراسر خلاف ہے۔ اس خیال کے احساس کے ساتھ ساتھ، بدعات ورسوم کے کمزور سانچے، ٹوٹنے شروع ہوئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں بدعتیں ختم ہوگئیں، بے شمار غیر اسلامی رسوم ورواج، گھروں، مدرسوں، مسجدوں اور خانقاہوں سے دور ہوگئے، اور اس اسلامی زندگی کی ایک جھلک عام معاشرہ میں نظر آنے لگی، جو قرآن وسنت کو مطلوب ہے۔

شاہ شہید کی ان تینوں دعوتوں، پیام اور تحریکات نے، بلاشبہ وہی کام کیا جو انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارثین کیا کرتے ہیں۔ یہی کام دین وعقیدہ کی اساس ہے، یہی انسانوں کا اپنے رب سے، اور ملت مسلمہ کا قرآن کریم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ جوڑنے والے ہیں۔

● آپ کا یہ سوال دلچسپ اور اہم ہے کہ، اس اصلاح وانقلاب کی وجہ سے، سید احمد شہید کی پذیرائی کیوں ہوئی، اور شاہ شہید کی تنقید کیوں کی گئی؟ میرے خیال میں اس کی دو وجہیں ہیں:

الف: پہلی یہ ہے کہ حضرت سید احمد شہید نے جو کچھ کیا، اس کی عملی طور پر جو بھی صورت رہی ہو، اگر چہ شاہ اسماعیل کی کوششیں وکاوشیں، اسی کے ماتحت اور اسی کا حصہ ہوں، مگر خود حضرت سید احمد شہید صاحب کی تحریرات ومکتوبات میں کوئی ایسی صاف بات نہیں ہے، جس کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف طوفان اٹھایا جائے۔ ہر چند کہ حضرت سید صاحب بھی، اپنی تحریرات وملفوظات میں، اصلاح معاشرہ اور جہاد کی آواز بلند کرتے ہیں، مگر یہ دونوں باتیں ایسی ہیں، کہ ان لوگوں پر، جو بدعات کے مداح وعادی ہیں، ظاہری طور پر براہ راست اس کی زد نہیں پڑتی، نیز سید صاحب پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی ترتیب بھی کچھ ایسی ہے کہ، اس کے ذریعہ سے صرف حضرت سید صاحب کی تحریک جہاد کا پہلو نمایاں رہتا ہے، اس سے سید صاحب کی تحریک میں ردِّ بدعات اور کسی ایسے مناظرہ ومناقشہ کی پرزور اطلاع نہیں ملتی، جس سے حضرت سید صاحب براہ راست وابستہ رہے ہوں۔

مگر حضرت شاہ محمد اسماعیل کے کام کی نوعیت اس کے برعکس ہے، وہ جس قوت سے جس اہتمام سے، اور جس بلندی سے توحید کی اتباع سنت کی، اور بدعات ورسوم کو ترک کرنے کی زبانی دعوت دیتے ہیں، اسی بلندی سے، اسی پر جوش آہنگ میں، اس کے لئے عملی جدوجہد بھی کرتے ہیں۔

شاہ شہید کی تلوار بھی جہاد کرتی ہے، ان کی زبان بھی جہاد کرتی ہے، ان کا قلم بھی جہاد میں سرگرم ہے۔ شاہ شہید کے زبان وقلم کا نشتر، دین وملت کے ناسور پر اس طرح عمل جراحی کرتا ہے، کہ اس کا سب گندہ مواد باہر آجاتا ہے، اور وہ طبیب وعطار جو اس کو دینی جسم کی صالح افزائش سمجھ رہے تھے، اپنی آنکھیں بند کر لینے پر مجبور اور غلطی پر نادم وپشیماں ہوتے ہیں۔

ب: دوسری بات یہ ہے کہ، ولی اللہی نظریات کے عمومی نفوذ کے خلاف احتجاج، اور اس کو چیلنج کرنے کا سب سے پہلا قصہ، اسی وقت پیش آیا تھا، جب سید احمد شہید کو دہلی آخری مرتبہ رخصت ہوئے کئی سال گذر گئے تھے، مگر شاہ اسماعیل شہید اس وقت دہلی میں موجود تھے، ان کو اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کو، جامع مسجد دہلی میں ایک جماعت نے [۱۲۴۰ھ] میں گھیر لیا تھا، اس وقت پہلی مرتبہ تقویۃ الایمان کے چند مباحث زیر گفتگو آئے تھے، دیگر تمام سوالات کا رخ بھی ان فتاویٰ، مباحث اور آراء کی طرف تھا، جو ان دنوں شاہ اسماعیل نے لکھے اور کہے تھے۔

اس مباحثہ کی ایک روداد عبداللہ دیوی نے مرتب کی تھی، جو فریق مخالف کے ساتھ ایک نمائندہ کے طور پر، اس مجلس میں شریک ہوئے تھے، اور مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی نے بھی [جو اس مجلس مباحثہ کے ایک اہم فرد اور مخاطب تھے، اس کی روداد میں] ایک رسالہ ترتیب دیا تھا، اور صحیح صورت واقعہ درج کی تھی۔

اس کے بعد جب شاہ شہید دہلی سے جہاد کے لئے رخصت ہو گئے تھے، مولانا فضل حق خیر آبادی نے، تقویۃ الایمان کے، ایک ضمنی جزوی فقرہ کی وجہ سے، شاہ محمد اسماعیل کے خلاف ایک سخت تحریر لکھی، جس میں شاہ محمد اسماعیل کی تکفیر کی گئی تھی، یہ شاہ محمد اسماعیل کے خلاف لکھی گئی پہلی تحریر تھی، اس تحریر کے ذریعہ اس قضیہ کی ابتدا ہوئی، جو بعد میں دور تک پھیلتا چلا گیا۔ شاہ محمد اسماعیل کو، جو اس تحریر کے وقت دہلی سے سینکڑوں میل کے فاصلہ پر، جہاد کی نیت سے سفر کر رہے تھے، حیدر آباد (سندھ) میں یہ تحریر ملی، شاہ شہید نے اس کا قلم برداشتہ جواب لکھا، جو رسالہ ''یک روزی'' کے نام سے معروف ہوا۔ شاہ محمد اسماعیل کی تائید و تردید میں، متعدد تحریرات و رسائل مرتب ہوئے، بعد ازاں اس قضیہ کی اور شاخیں بھی نمودار ہوئیں، بعض بہت نازک کلامی مباحث کا دروازہ کھل گیا، امکان کذب باری تعالیٰ کی بحث بھی اسی کا ایک حصہ تھی، علم غیب کی حقیقت اور اس کے متعلقات کا مسئلہ، عقیدۂ توحید کی حقیقت، اس کے ضمنی پہلو، اور ان کے مخالف دلائل، بدعات و رسوم کی تحقیق و تائید و تردید، بزرگان سلف کی معمولات و رسومات اور طور و طریقوں کی شرعی حیثیت، ان کو دینی زندگی کے لئے بہر حال نمونہ، اور طریقۂ حیات بنانے، بدعت حسنہ وسیئہ کی تعریف اور اس کے احکام۔ غرض یہ تمام مباحث، اس ہی ایک درخت کی اچھی بری شاخیں تھیں، بعد کے دور میں یہ مباحث ہوا کی رفتار سے آگے بڑھے، اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے فکر و مزاج پر بادل کی طرح چھا گئے، اور آج تک بھی ان وسوسوں اور اختلافات سے نجات نہیں ملی۔ ان مباحث میں ہر ایک بحث و اختلاف، ضروری یا غیر ضروری طور پر، شاہ محمد اسماعیل کی کتابوں اور ان کے مستدلات اور نظریات سے جوڑ دیا گیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر شاہ محمد اسماعیل کی حمایت بھی اس سے زیادہ ہوئی، بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی، نیز تحریک سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی مخالفت میں بھی اسی شدت کا اظہار ہوا، جس کی آج تک کوئی اور مثال نہیں۔

چونکہ ان عقائد و مباحث کا سید احمد شہید سے سیدھا کوئی تعلق نہیں تھا، اس لئے جب بھی تذکرہ آتا ہے، شاہ اسماعیل کا آتا ہے، جب تردید ہوتی شاہ اسماعیل کی ہوتی ہے، اور اب تو وہ گویا ہمارے معاشرہ اور مذہبی مباحث کا

ایک ایسا لاینفک جز بن گیا ہے کہ نہ ان مباحث سے مفر ممکن ہے، نہ ان سے شاہ محمد اسماعیل کو علیحدہ کرنے کی گنجائش! لہٰذا شاہ شہید تختۂ مشق رہے اور رہیں گے، سید صاحب کی تحریک میں ایسی کوئی اور بات پیش نہیں آئی اور جو پیش آئی اس کا عملی جواب، اس کے شرعی عقلی دلائل، اور اس کی نافعیت ثابت کرنا، شاہ شہید کے سپرد رہا، لہٰذا یہاں بھی جو لوگ سید احمد شہید اور ان کے کاموں کے خلاف تھے، ان کی مزاحمت اور مخالفت کا رخ سید صاحب سے ہٹ کر شاہ شہید کی جانب رہا۔

اس بات کو اس طرح سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ، ہر ایک تحریک کے دو پہلو ہوتے ہیں: عملی اور تحریری، عملی جدوجہد کے خلاف، جو جدوجہد یا کوشش کی جاتی ہے وہ اگرچہ شروع شروع میں ایک حد تک عملی بھی ہوتی ہے، لیکن اس کے اثرات بہت کم ہوتے ہیں، اور جو اثرات ہوتے بھی ہیں، وہ وقت گذرنے کے ساتھ مدھم اور کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لئے جب بھی کسی تحریک کی مخالفت میں لکھا جاتا ہے، تو عموماً اس کا تحریری مواد پیش نظر ہوتا ہے، عملی پہلو کی تنقید اول تو مفید نہیں ہوتی، دوسرے اس کے خلاف لکھنے کے لئے تحریری مواد دستیاب ہی نہیں ہوتا تحریک سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے معاملہ میں بھی یہی ہوا ہے۔ تحریک کی عملی جدوجہد کے پیش رو سید احمد شہید ہیں، انہوں نے اتباع سنت اور اصلاح معاشرہ اور جہاد کی آواز لگائی تھی، تینوں کی پذیرائی ہوئی، تینوں پر عمل ہوا، مگر اس وقت بھی اور بعد میں بھی یہ کہنے کی کون حماقت کرتا، کہ سید صاحب نے اتباع سنت کی جوت جگا کر غلطی کی، کون مسلمان یہ کہہ سکتا تھا کہ سید صاحب نے اصلاح معاشرہ کی شمع جلا کر نقصان پہنچایا، اور کون یہ کہنے کی جرأت کرسکتا تھا کہ، جہاد غیر ضروری اور نامناسب عمل ہے، اس لئے یہ کوشش نہ کرنی چاہیئے۔

مگر شاہ محمد اسماعیل اپنے کام کے قوت واستحکام اور اس کو بقائے دوام بخشنے کے لئے تحریری تصنیفی کام بھی اسی نہج پر کررہے تھے، ان کے دلائل وبراہین طلب کئے جانے کا موقع آتا ہے، تو شاہ اسماعیل مرد میدان ہوتے، جب بدعت وسنت کی بحث چھڑتی، شاہ شہید سے جواب طلب کیا جاتا۔ شرک وبدعات کے خلاف وہ تمام مواد، جس سے اہل بدعت نالاں، بلکہ کہنا چاہیئے اس کے لئے ماتم کناں اور اس کے زخم خوردہ ہیں، شاہ شہید کی دین ہے، رد اشراک، تقویۃ الایمان، ایضاح الحق الصریح وغیرہ کے ذریعہ سنت وبدعت کی بحث تازہ ہوئی، اور اس وقت سے آج تک برصغیر میں، جب کبھی یہ موضوعات زیر تذکرہ آتے ہیں، ان کتابوں کا تذکرہ اور ان سے استفادہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ سب کتابیں حضرت شاہ شہید کی یادگار ہیں، اس لئے جو لوگ ان کتابوں سے ناخوش

ہیں، وہ اس کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنی ایک ذمہ داری سمجھتے ہیں، کہ ان کتابوں کے ساتھ، ان کے مصنف پر بھی آوازے کسیں۔ لہٰذا جب تک خصوصاً برصغیر ہند میں، سنت و بدعت کی گفتگو تازہ رہے گی، شاہ شہید کا تذکرہ بھی تازہ ہوگا، اور شاہ شہید کی تائید نیز ان کی تصانیف پر تبصرہ، وتنقید بھی ہوتی رہے گی۔

ج: شاہ محمد اسماعیل نے تقویۃ الایمان کے عنوان سے، ردالاشراک کے پہلے باب کا ترجمہ کیا تھا، دوسرے باب کا ترجمہ کرنے کا خیال تھا، مگر اس کا موقع نہیں ملا، شاہ محمد اسماعیلؒ کی شہادت ۱۲۴۶ھ، کے چار سال بعد، سنہ ۱۲۵۰ھ میں مولانا محمد سلطان خاں (شاہ آباد، ضلع ہردوئی، یوپی) نے، جو ایک جید عالم اور مصنف تھے، اس خدمت کو سرانجام دیا، یہی کام یا ترجمہ تذکیرالاخوان کے نام سے موسوم ومشہور ہے۔ تذکیرالاخوان، اس کے مصنف اور ان کی دیگر تصنیفات پر میں نے، اپنے مضمون میں مفصل گفتگو کی ہے، اس سے رجوع فرمایئے۔ اس لئے یہ روایت درست نہیں، کہ میں تذکیرالاخوان کو شاہ محمد اسماعیل کی تصنیف مانتا ہوں۔

د: شاہ شہیدؒ کی تالیفات کی فہرست اور ان کے سنین تالیف، میری موجودہ معلومات کے مطابق، اس طرح ہیں:

مؤلفات حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

(۱)	ردالاشراک	مؤلفہ سنہ ۱۲۱۳ھ
(۲)	تقویۃ الایمان	مؤلفہ ما قبل سنہ ۱۲۲۷ھ
(۳)	تنویر العینین فی رفع الیدین	مؤلفہ تقریباً سنہ ۱۲۲۹ھ
(۴)	رسالہ اصول فقہ	سنہ تالیف کا علم نہیں
(۵)	رسالہ منطق	سنہ تالیف کا علم نہیں
(۶)	عبقات	غالباً ۱۲۳۰ھ/۱۲۳۳ھ کے درمیان
(۷)	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	مؤلفہ ۴۱-۱۲۴۰ھ
(۸)	صراط مستقیم	مؤلفہ ۱۲۳۳ھ
(۸)	منصب امامت	مؤلفہ غالباً سنہ ۴۵/۱۲۴۶ھ

ردالاشراک اور تقویۃ الایمان کے سنین تالیف اور خطی نسخوں پر، اپنے مضمون میں مفصل گفتگو کر چکا ہوں، دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۳) تنویر العینین کے متعلق بعض روایات سے [اگر وہ صحیح ہوں] خیال ہوتا ہے کہ وہ حضرت شاہ عبدالقادر کی حیات [وفات: رجب ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء] میں لکھی گئی تھی، مگر مجھے اس کی تصدیق میں تأمل ہے۔ اگرچہ تنویر العینین حضرت شاہ عبدالعزیز [وفات: شوال ۱۲۳۹ھ] نے سماعت فرمائی تھی، جس کی اس دور کے بعض مکتوبات میں صراحت ہے، مگر مجھے اس کے سنہ تالیف کی یہ معروف روایت کہ شاہ عبدالقادر کی حیات میں تالیف ہوئی، صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ یہ کتاب غالباً سنہ ۳۴-۱۲۳۳ھ [۱۹-۱۸۱۸ء] میں لکھی گئی تھی، جو شاہ محمد اسماعیل کے تقلید واجتہاد پر بحث وتحریر کے شباب کا زمانہ ہے، لیکن اس پر بھی غور وفکر کی ضرورت ہے کہ تنویر العینین کے نام سے اور شاہ شہید کی نسبت سے، جو کتاب آج کل معروف ہے، کیا وہی شاہ اسماعیل کی تالیف ہے، اس کی تقریباً تمام نئی پرانی طباعتیں اور بعد کے قلمی نسخے یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ہی شاہ شہید کی تالیف ہے، مگر چوں کہ اس کا شاہ شہید کا مکتوبہ نسخہ، اس کی نقل اور اس سے قریب دور کا کوئی عمدہ معتبر نسخہ دریافت نہیں، اور موجودہ متن میں وہ بات، جو کوہ کن کی بات ہو، اور شاہ اسماعیل کے بلند مقام اور علمی مقام اور جلالت شان سے مناسبت بھی رکھتی ہو، موجود نہیں ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہ موجودہ مطبوعہ اور دریافت قلمی نسخے، اصل کتاب کا خلاصہ یا چربہ ہوں، بہر حال یہ توجہ طلب گفتگو ہے۔

(۴) عبقات کا سنہ تالیف واضح نہیں، مگر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ شاہ اسماعیل کی سید احمد سے وابستگی وارادت سے قبل کی یادگار ہے، بعض موقعوں پر بحث کا بلند آہنگ اور انداز کلام بتا رہا ہے، کہ یہ خاص نوجوانی کے دنوں کی بات ہے، مگر کتاب کے متن میں ایسا کوئی حوالہ بلکہ اشارہ بھی موجود نہیں، جس سے اس کے سنہ تالیف کا اندازہ کیا جاسکے۔ بہر حال اسلامی تصوف اور مابعد الطبعیات کے مباحث کے اس شاہ کار، کا سنہ تالیف معلوم نہیں۔

(۵-۶) رسالہ اصول فقہ اور رسالہ منطق کو بھی، شاہ صاحب کے ان ہی آثار میں شمار کیا جانا چاہئے، کہ ان کا سنہ تالیف معلوم نہیں۔

(۷) ایضاح الحق الصریح کے سنہ تالیف کی وضاحت تو نہیں ملی، مگر خیال یہ ہے کہ یہ سنہ ۴۱-۱۲۴۰ھ [۲۶-۱۸۲۵ء] کی یادگار ہوگی، اس خیال کا قرینہ یہ ہے کہ ایضاح کی تمہید میں، شاہ محمد اسماعیل نے اس تالیف کے، مولوی تفضّل علی کے جواب میں لکھنے کی صراحت فرمائی ہے:

"مشفقی ومکرمی مولوی تفضّل علی صاحب خواہش تمیز، فیما بین السنۃ والبدعت مذکور، بہر سید"(۱)

مولولانا تفضّل علی، شاہ محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی بڈھانوی کے خاص احباب ورفقاء میں سے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد، شاہ محمد اسماعیل ومولانا عبدالحی کے دہلی کے سفر ہجرت وجہاد سے کچھ پہلے، شاہ اسماعیل اور تحریک سید احمد شہید سے نالاں، چند اصحاب وعلماء نے دہلی کی جامع مسجد میں [۲۹/ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ، ۲۱/ دسمبر ۱۸۲۴ء] کو، شاہ عبدالحی اور شاہ شہید کے خلاف جو مجالس مباحثہ برپا کی تھی، اس میں شاہ شہید اور مولانا عبدالحی کے ہم نوا اور معاون اصحاب میں، مولانا تفضّل علی کا نام بھی شامل ہے۔ عبدالحی دیوی نے، جو اس مجلس میں شاہ شہید کے محارب گروہ کے ساتھ تھے، اس جلسہ کی روداد اور اہم حاضر علماء امراء میں "مولوی تفضّل علی صاحب کا بھی ذکر کیا ہے، چوں کہ یہ تمام مباحث اسی وقت گویا تازہ ہوئے تھے، اور اہل علم کو بھی ان کی مکمل واقفیت اور تحقیق کا شوق تھا، غالبًا اسی وقت مولانا تفضّل علی صاحب نے بھی شاہ محمد اسماعیل سے اس کی فرمائش کی ہوگی، شاہ صاحب نے اس کے جواب میں ایضاح الحق الصریح تالیف فرمائی۔

(۸) صراط مستقیم کا سنہ تالیف اسی کتاب میں ضمناً صاف درج ہے شاہ صاحب نے لکھا ہے:

"حالِ ہندوستان را دریں جزو زمان کہ سنہ یک ہزار ودوصدسی وسوم [۱۲۳۳ھ] است"(۲)

صراط مستقیم کا قدیم ترین معلوم نسخہ، جو تالیف کے فوراً بعد، اسی سال سنہ میں نقل ہوا تھا ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

(۹) منصب امامت [شاہ صاحب کے خطبات ومکتوبات سے قطع نظر] آخری تصنیف ہے، جو غالبًا ۱۲۴۵-۴۶ھ میں مرتب ومکمل ہوئی۔ فقط والحمدللہ اولاً وآخراً۔

(۱) ایضاح الحق الصریح [طبع اول، مطبع افضل المطابع۔ باہتمام الٰہی بخش] بلا صراحت نام وسنہ طباعت

(۲) صراط مستقیم، فارسی ص:۹۵ [مطبع مجتبائی، دہلی:۱۳۲۲ھ]

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی سوانح حیات

حیات طیبہ اور اس کے مؤلف، مرزا حیرت دہلوی

حیرت کو جاننے دیکھنے والوں، نیز مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نگاہ میں

نور الحسن راشد کاندھلوی

ہماری دینی ملی تاریخ کے بہت سے واقعات ایسے ہیں، جن کا کوئی جواز اور تُک سمجھ میں نہیں آتا اور ان کی طرف سے غفلت، بے تو　اور سراسر نظر انداز کئے جانے کو، عمل کو کسی طرح بھی پسندیدہ اور قابل قبول نہیں کہا جا سکتا۔ ان ہی معاملات میں سے ایک معاملہ، ہماری بے حسی، غفلت اور بے تو　کا وہ رویہ ہے، جو ہم نے برصغیر ہند میں، ملت اسلامیہ کے بڑے محسنین، علمائے کرام، محدثین فقہاء اور خادمانِ اسلام کے ساتھ روا رکھا ہے۔

میں یہاں خاص طور سے حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے اسلاف و اخلاف، اور خانوادۂ گرامی کے حوالہ سے برتی گئی غفلت اور بے تو　کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے گرامی قدر فرزندان کا نہ صرف ہندوستان، بلکہ دنیائے اسلام کی رہنمائی، علمی دینی فکری پیشوائی اور ہمہ جہت خدمات فرمانے والے، اصحاب و علماء میں جو مقام و مرتبہ ہے، علم و مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والا کوئی شخص بھی اس سے ناواقف نہ ہوگا، مگر نہایت تعجب اور بے حد افسوس کی بات ہے، کہ ہم نے ان بزرگوں اور خادمان دین کا نام تو بہت لیا، ان کے چرچے تذکرے خوب ہوتے رہے، جو اب تک بھی اسی طرح جاری اور رواں دواں ہیں، لیکن اگر ان تذکروں کے ساتھ، کوئی یہ بھی چاہے کہ اس کو ان تمام بزرگوں اور علماء کی نہ سہی، منتخب علماء اور مایۂ ناز مصنفین و مفکرین کی، تصانیف و مؤلفات کے عمدہ نسخے مل جائیں، ان کی جملہ کتابیں دستیاب ہو جائیں، اور کتابیں نہ ہوں تو کم از کم ان کا بہترین تعارف اور ایسی فہرستیں اور اشاریے دستیاب ہو جائیں، جن کی مدد سے، ہم ان حضرات کی علمی میراث

اورخزانہ فضل وکمال کے متعلق، بیک نظر معلومات حاصل کرلیں، اوراس کا علمی جائزہ لے سکیں، تواس میں ناکامی کےعلاوہ، کچھ ہاتھ آنے والانہیں ہے۔

معاملہ صرف تصانیف ومعلومات اورعلمی کام کے جائزہ، تبصرہ اورمعلومات کانہیں ہے، بلکہ ان حضرات کی سوانحات اورمستند تذکروں کاحال اس سے بھی خراب ہے۔مشکل سے چند حضرات ہیں، جن کےواقعۃً عمدہ تذکرے، اورقابل قدر سوانحات موجود ہیں، لیکن اوراکثر اکابر وعلماء پرلکھی گئی کتابوں میں سے بیشتر کو، مصنفین کاخراج عقیدت، یا غلط صحیح واقعات وقصص کا مجموعہ کہناچاہئے، جن کے لکھنے والوں کوشاید: نہ ابتداء کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم۔

ایسی خاصی معروف سوانحات میں سے، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کی [غالبًا سب سے پہلی] سوانح، حیات طیبہ تالیف مرزاحیرت بطور خاص شامل ہے۔شاہ محمد اسماعیل ہندی ملت کے ایک بڑے خادم، بڑے عالم، بڑے مصلح، بڑے مصنف اور بہت بڑے مبلغ توحید وسنت تھے، شاہ صاحب کے دسترخوان علم اوردریائے توحید واتباع شریعت وسنت سے، سیراب ہونے والے اصحاب وعلماء، کا یہ ایک فریضہ اوردینی شرعی ذمہ داری بھی تھی کہ وہ حضرت شاہ صاحب کی صحیح اور واضح سوانح مرتب فرماتے، طریقہ شریعت وسنت کی مفصل کیفیات کی جستجو کرتے، اوران کی ایسی روداد پیش فرماتے، جوامت کے لئے نمونہ عمل اوراسوۂ راہ ہوتی مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، ہم نے ان سب معاملات میں مجرمانہ حد تک غفلت برتی ہے، اورایسے سوانحی تصنیفی کاموں کوبھی جن کو ہم سہولت سے کرسکتے تھے، بلاوجہ نظر انداز کیا ہے، بلکہ المیہ یہ ہے کہ کئی لوگوں نے اس کوایک برا کام سمجھا اورایسے اصحاب کی حوصلہ شکنی کی بھی کوشش کی جواس راہ میں قدم بڑھانا چاہتے تھے اسی لئے شاہ شہید کی آج تک بھی کوئی باقاعدہ، متوازن اورایسی سوانح نہیں لکھی گئی جس کوان کی زندگی اورخدمات کا مصنفانہ جائزہ کہہ یاجائے (۱)۔

شاہ شہید کی سوانح پرسب سے پہلے قلم اٹھایا توایک ایسے شخص نے، جن پرعلمی معاملات میں اعتماد کرنا صحیح نہیں، یہ مرزا حیرت تھے۔ان کی معروف تالیف، حیات طیبہ شاہ محمد اسماعیل کی سوانح کہی جاتی ہے، یہ کتاب چھپی، توجیسا کہ اکثر ہوا ہے اورہوتا رہے گا کہ جس موضوع پر، خاص طلب اورضرورت کے باوجود، کوئی اچھی مستند معتبر کتاب موجود نہیں ہوتی، اس موضوع پرسب سے پہلے شائع کتاب ہی مستند ومعتبر سمجھ لی جاتی ہے، یہی حیات طیبہ

(۱) یہاں یہ عرض کرنیکی اجازت چاہتاہوں کہ شاہ محمد اسماعیل شہید اوران کی تحریک کے حوالہ سے اردو میں جوکچھ لکھا گیا ہے (وہ ایک دوکتابیں جن کا مجھے علم نہیں مستثنیٰ ہیں) بفضلہ تعالی سب میری نظر سے گذرا ہے اوراس میں بڑا قابل ذکر حصہ بفضلہ تعالی میرے سامنے ہےاس لئے یہ معروض صرف حیات طیبہ کے حوالہ سے نہیں بلکہ اورمعروف تالیفات وکتب میں بھی بڑی فروگذاشتیں موجود ہیں۔

کے ساتھ بھی ہوا ہے، کہ وہ چھپی اور ہمارے تمام حلقوں میں پہنچ گئی، حالاں کہ وہ کتاب نہ اپنے مصنف کی نسبت سے، نہ کتابوں کے حوالوں اور استناد کے لحاظ سے، نہ واقعات وقصص کی تصدیق کے پہلو سے، اور نہ ہی ان کے معاصر ومتأخر ممتاز اہل علم، مصنفین ومورخین کے اعتماد کی جہت سے اس لائق نہیں تھی کہ اس پر بھروسہ کیا جاتا، اس کو مستند سمجھا جاتا اور اپنی تصانیف وتحریرات میں اس کا حوالہ دیا جاتا اور اس سے اخذ واستناد کیا جاتا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ یہ کتاب بھی اور متعدد بے اصل وبے بنیاد کتابوں کی طرح، ہمارے مراجع میں شامل ہوگئی، جس سے علمی تاریخ کو سخت نقصان پہنچا، اس لئے آئندہ صفحات میں اس کتاب [حیات طیبہ، سوانح شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ] اور اس کے مرتب ومؤلف، مرزا حیرت دہلوی کے متعلق چند معلومات پیش کی جارہی ہیں، امید ہے کہ اس کے ذریعہ اس کتاب کی علمی قدر وقیمت متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

حیات طیبہ کے مؤلف، مرزا امراؤ بیگ، جو مرزا حیرت کے نام سے مشہور ہوئے، دہلی کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی حالات اور خاندان وغیرہ کی تفصیل میرے علم میں نہیں ہے، مگر مرزا حیرت کا خاندان دہلی کے پرانے خاندانوں میں سے تھا، مرزا نے ضابطہ میں زیادہ تعلیم نہیں پائی تھی، نہ قدیم نہ جدید، لیکن لکھنے اور بولنے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ برصغیر کے مشہور انشاء پرداز، ملا واحدی صاحب نے، مرزا حیرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''مرزا حیرت بڑے طرار انسان تھے، کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ دیکھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کیا ہوتا، تو ہندوستان بھر میں ان کا جواب نہ تھا''(۱)

مرزا حیرت کی صلاحیتوں کو بال وپر اس وقت نصیب ہوئے، جب انہوں نے دہلی سے اپنا ہفت روزہ اخبار، کرزن گزٹ چھاپنا شروع کیا، کرزن گزٹ ۱۹۱۲ء میں کلاں محل، دہلی سے چھپنا شروع ہوا، اور شمالی ہندوستان، خصوصاً دہلی کے صحافتی افق پر چھا گیا۔

کرزن گزٹ کی عوامی مقبولیت اور پذیرائی سے مرزا حیرت کو بڑا حوصلہ ملا، انہوں نے اخبار کے ساتھ ہی، کتابوں کی طباعت واشاعت اور ترجمہ وتالیف کا ایک بڑا سلسلہ قائم کرکے، ایک باقاعدہ دار التصنیف کا آغاز کردیا، جو کچھ ہی دنوں میں خاصے بڑے اور معروف دار التصنیف والاشاعت کی حیثیت اختیار کرگیا تھا۔ کرزن پریس سے بیسیوں کتابیں، تالیفات اور شاید پچاسوں کے ترجمے چھپے، اگرچہ یہ اکثر تصانیف اور ترجمے ان اہل علم

(۱) میرے زمانے کی دلی۔ ملا واحدی۔ ص:۱۸۸ (طبع اول، کراچی: ۱۹۵۶ء)

کی محنتوں کا نتیجہ ہوتے تھے، جو مرزا حیرت کے کرزن پریس یا کرزن گزٹ میں ملازم تھے مگر تقریباً سب ہی مرزا حیرت کے نام سے چھپتے تھے۔

تصانیف و تراجم کا یہ سلسلہ تاریخ، تذکرہ، ادب، فقہ، حدیث کی کتابوں سے، قرآن کریم کے ترجموں تک وسیع تھا۔ مرزا حیرت کے نام سے اور مستند کتابوں کے علاوہ، قرآن کریم کا ایک ترجمہ اردو میں اور ایک ترجمہ انگریزی میں چھپا، اسی طرح بخاری شریف کا بھی اردو اور انگریزی میں ایک ایک ترجمہ چھپا، یہ ترجمے کن حضرات وعلماء کی محنتوں کا نتیجہ ہیں، افسوس ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا۔

مرزا حیرت کے نام سے شائع ترجموں میں اہم ترین ترجمے قرآن مجید اور صحیح بخاری کے ہیں۔ خصوصاً قرآن کریم کا ترجمہ، متعدد پہلوؤں سے موضوع بحث رہا، اس ترجمہ کی طباعت کا ۱۳۲۵ھ [۱۹۰۶ء] میں آغاز ہوا تھا، جو ۱۳۲۶ھ [۱۹۰۷ء] میں اختتام کو پہنچا۔ یہ طباعت کے لحاظ سے کئی قسم کا تھا، بہت بڑی پیمائش کا، درمیانہ اور مختصر [حمائل]

سب سے عمدہ اور اعلی درجہ کا نسخہ وہ تھا، جو خاصی بڑی پیمائش کے، سات سواڑسٹھ صفحات پر چھپا تھا۔ اس کی کتابت خوب جلی ہے، ہر صفحہ میں گیارہ سطور ہیں، متن قرآن مجید کے نیچے ترجمہ ہے، شروع شروع میں چند صفحات پر حاشیے بھی ہیں، جو بعد میں بالکل ختم ہوگئے۔ اس نسخہ کی ہندوستانی کے اس دور کے، ایک بہت بڑے خطاط منشی ممتاز علی [بانی و مالک مطبع مجتبائی، دہلی و میرٹھ وغیرہ] نزہت رقم کے فرزند، منشی عبدالغنی نے کی تھی، (۱) سرورق پر سنہ طباعت اس لفاظ میں درج ہے:

"فی سنته ست وعشرین وثلث مائة بعدالالف"

اس کے بعد ناشر کی صراحت ہے: "کرزن پریس میں مترجم موصوف سے اہتمام سے طبع ہوا"

مولوی عبدالحق [بابائے اردو] نے قاموس الکتب میں لکھا ہے کہ: اس ترجمہ میں مولوی عبدالرحیم دہلوی مرزا حیرت کے معاون [؟] تھے، (۲) یہ اطلاع بعد کے متعدد تذکرہ نگاروں نے بھی نقل کی ہے، مگر اس کی وضاحت نہیں ملی کہ یہ کون سے مولانا عبدالرحیم تھے، اس وقت دہلی میں عبدالرحیم نام کے کئی عالم موجود تھے۔

---

(۱) منشی عبدالغنی کا ملا واحدی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔ میرے زمانے کی دہلی: ص: ۱۳۱۔
(۲) قاموس الکتب ص: جلد دوم (کراچی: ۱۹۷۴-۷۵ء)۔

اس ترجمہ کا ذکر کرتے ہوئے، ملا واحدی نے، ایک دلچسپ فقرہ لکھا ہے کہ:

''قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اس ترجمہ کو، مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا''

یعنی کہا جاسکتا ہے کہ مرزا حیرت نے قرآن کریم کا یہ ترجمہ، ڈپٹی نذیر احمد کے اس وقت میں نہایت کثرت سے پڑھے جانے والے ترجمۂ قرآن [ڈپٹی نذیر احمد] کا مقابلہ کرنے کے لئے لکھا تھا۔

اگرچہ اس ترجمہ کو مرزا حیرت نے غالباً ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کے مقابلہ کے لئے ہی، اسی کی طرح کئی سائزوں میں چھپایا تھا، مگر مرزا حیرت سے منسوب ترجمہ کی، دو تین مرتبہ کے علاوہ اشاعت نہیں ہوئی اور اس ترجمہ کو اہل علم اور عوام دونوں حلقوں میں کچھ پذیرائی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس ترجمہ کی بعض فروگذاشتوں پر، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک نہایت مفید رسالہ ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا، جو اسی وقت شائع ہوا تھا، اب تقریباً معدوم ہے۔

عموماً کہا جاتا ہے کہ مرزحیرت سے منسوب ترجمہ میں نامور عالم اور مصنف، مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی، کاکوری، لکھنوی [مدیر النجم وغیرہ] کا بڑا حصہ ہے، مگر مولانا کے پوتے اور سوانح نگار، مولانا ڈاکٹر عبدالحی فاروقی صاحب نے اس کی پرزور تردید کی ہے، (۱) اس لئے اس اطلاع کو بے اصل ہی کہنا چاہئے۔

مرزا حیرت کے نام سے قرآن مجید کا ایک انگریزی ترجمہ بھی، تین جلدوں میں، آئی، ایم، ایچ پریس، دہلی {I,M,H-PREES} سے ۱۹۱۶ء [۱۳۳۴ھ میں] چھپنا شروع ہوا تھا۔ (۲) قرآن مجید کے انگریزی ترجموں پر، اردو میں ایک معروف مضمون کے مؤلف، عبداللہ منہاس صاحب نے، اس ترجمہ کا سنہ طباعت ۱۹۱۹ء لکھا ہے، مگر اس کی پہلی جلد کی پہلی طباعت ۱۹۱۶ء پر، سنہ طباعت چھپا ہوا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس ترجمہ کی طباعت کا سنہ ۱۹۱۶ء میں آغاز ہوا، اور سنہ ۱۹۱۹ء میں آخری جلد کی طباعت مکمل ہوئی۔

جلد اول کے سرورق پر صراحت ہے کہ یہ ترجمہ علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے، مرزا حیرت نے اس کو مرتب و مکمل کیا ہے، لکھا ہے:

---

(۱) ملاحظہ ہو: امام اہل سنت، مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، حیات وخدمات......ص:۱۲۳-ص:۵۲۶ [طبع اول لکھنؤ ۲۰۰۰ء]

(۲) پہلی جلد کا ایک نسخہ، شبلی لائبریری، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے، راقم نے دیکھا ہے، اور مولانا قاضی ہارون صاحب ندوی فاروقی، لائبریرین کے تعاون سے جن کا ہمیشہ سے علم نوازی کا مزاج ہے، اس کے ابتدائی اور آخری صفحات کا عکس بھی حاصل ہوا، اس عنایت وکرم کے لئے ممنون ہوں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ شکریہ!

THE KORAN

Prepared by Various

Oriental Learned Scholars

And Edited by

Mirza Hairat

VOL. 1

FROM PART 1. TO PART X.

IN THREE VOLUMES

DELHI

I. M. H. PRESS

1916.

عبداللہ منہاس نے اس ترجمہ کے متعلق یہ بھی تبصرہ کیا ہے:

”یہ ترجمہ سلیس انگریزی میں ہے اور اس میں زیادہ تر قدیم خیالات کی پیروی کی گئی ہے“(۱)

مرزا حیرت کے نام سے شائع اہم علمی خدمات میں، بخاری شریف کا انگریزی بھی ترجمہ شامل ہے۔

(۱) قرآن کریم کے تراجم مشرقی اور مغربی زبانوں میں۔ مشمولہ قرآن کریم نمبر:۲۵۱ ماہ نامہ نظام کانپور [مارچ اپریل ۱۹۶۶ء]
نیز قرآن مجید نمبر: ماہ نامہ خاتون پاکستان ص:۲۸۴ جلد اول [کراچی:۱۳۸۴ھ]

مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے، سیرت البخاری میں اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''صحیح بخاری مترجم-مرزا حیرت سلمہ-ترجمہ نہایت مطلب خیز ہے اور بریکٹ [قوس] میں جابجا حل بھی کردیا ہے، اور زیادہ وضاحت کے لئے حاشیہ اور نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس کی فہرست، کلاں ۱۴۴ [ایک سو چوالیس بڑے صفحات پر مشتمل] ترجمہ متن سے علیحدہ چھپی ہے۔''(۱)

ان کتابوں اور تراجم کے علاوہ بھی، مرزا حیرت کی تصانیف وتراجم کا خاصا وسیع سلسلہ تھا، جس میں ایک ضخیم کتاب سیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی، جو ۱۳۲۵ھ [۱۹۰۶ء] میں کرزن پریس سے چھپی تھی۔ ایک کتاب خلافت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ہے، یہ بھی اسی پریس سے ۱۹۰۱ء میں چھپی، نیز اور بھی متعدد تاریخی موضوعات وشخصیات پر چھوٹی بڑی کتابیں چھپیں، مثلاً تزک امیری [عبدالرحمٰن خاں، والی کابل کے حالات پر] ترجمہ مرزا حیرت مطبوعہ ۱۹۰۴ء چار سو تیس صفحات پر آئی ہے۔ حیات حمیدیہ [سلطان عبدالحمید کے احوال پر] مفصل کتاب تین جلدوں میں، جو ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء کے درمیان شائع ہوئی، نیز حالات جہانگیر و نور جہاں وغیرہ مرتب کیں اور حکماء کی تاریخ پر چھوٹی موٹی تالیفات وتراجم بھی شائع ہوئے۔

اسی سلسلہ تصانیف کی ایک معرکہ آرا تالیف شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، جس میں مؤلف نے واقعۂ کربلا کے ساتھ عجیب معاملہ کیا ہے، یہ کتاب چھپی تو جیسا کہ ہونا بھی چاہئے تھا اس پر سخت ہنگامہ ہوا، اس کتاب کی وجہ سے، مرزا حیرت کی سخت مخالفت کے علاوہ، ایک بڑی نہایت افسوس ناک بات یہ سامنے آئی کہ مرزا حیرت کے قول وعمل میں بہت تضاد ہے، وہ اپنی شہرت اور ذاتی مفادات کے لئے، سب کچھ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں، ان کے منافقت کے اس مزاج اور طریقہ سے ہر ایک حیران رہ گیا۔ ملا واحدی صاحب نے [جو مرزا حیرت کو ذاتی طور پر جاننے والے اور ان سب واقعات کو دیکھنے برتنے والے تھے] مرزا کے اس تضاد بلکہ منافقت کا صاف تذکرہ کیا ہے، ملا واحدی لکھتے ہیں:

''مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں، جنہوں نے سیدنا حضرت امام حسینؓ کے کارنامۂ شہادت سے انکار کیا تھا، اور انکار پر ایک ضخیم کتاب بھی لکھی تھی، کمال یہ تھا کہ جس زمانہ میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کررہے تھے، اسی زمانہ میں، جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے اور ایسی تقریریں

(۱) سیرت البخاری۔ ص:۶۷۔ [طبع اول مطبع احمدی، پٹنہ: بلاسنہ]
نیز ملاحظہ ہو: سیرت البخاری، تحقیق، ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی۔ ص:۲۹۴ [نشریات، لاہور: ۲۰۰۹ء]

کرتے تھے کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں''

یعنی جب گھر میں بیٹھتے ،قلم ہاتھ میں ہوتا،تو حضرت حسین کی شہادت کے واقعہ کی تردید پر لکھتے اور جب باہر نکلتے اور ماحول اپنے اس نظریہ کے خلاف پاتے ،تو شہادت حسینؓ کی اہمیت اور تفصیلات کو موضوع گفتگو بناتے۔ مرزا حیرت کی یہ تقریریں کچھ معمولی تقریریں نہیں تھی، بلکہ اس شان سے ہوتی کہ سڑکیں بند ہوجاتیں۔اس کی آنکھوں دیکھی روداد بھی ملا واحدی صاحب نے نقل کی ہے، ملاحظہ ہو:

''[مرزا حیرت کی] انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانہ میں، دفتر [کرزن گزٹ] جامع مسجد کے شمالی دروازے کے سامنے، پالوں کے پاس، شیش محل میں تھا۔شیش محل عظیم الشان مکان ہے، سارا مکان اور اس کا صحن سننے والوں سے پٹ جاتا تھا اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی، کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے، میکروفون [لاوڈ اسپیکر] اس وقت نہیں تھے، ورنہ شاید راستے رک جاتے''۔

ملا واحدی یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''مرزا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے، حالاں کہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید کی پائی نہ تھی نہ قدیم کی، فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے۔''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ: مرزا حیرت کی خطابت کی بھی شہرت تھی، تصانیف و تراجم کی وجہ سے بھی وسیع تعارف تھا اور کچھ لوگ ان کو اپنا مقتدیٰ اور پیر و مرشد کی طرح بھی سمجھتے تھے۔ ذاتی صلاحیت و کمالات میں بھی کم نہیں تھے، قدرت نے مردانہ حسن اور وجاہت بھی خوب عطا فرمائی تھی، مگر ان سب خوبیوں اور کمالات پر مرزا کے فتنہ پردازی کے مزاج، بے تکلف مسلسل جھوٹ بولنے، قول و عمل کے کھلے تضاد اور ملک کے مسلمان زعما اور عمائدین ملت کی بے آبروئی کے شوق کی وجہ سے، آخر میں لوگوں کی نگاہوں سے بالکل گر گئے تھے، نہ ان کا ادارہ باقی رہا، نہ شہرت و خطابت اور نہ ہی وقعت و احترام!!

مرزا حیرت نے اپنے دور کے مشہور رہنماؤں میں سے، تقریباً ہر ایک کے خلاف مہم چلائی، ہر اک کو بے آبرو و بے وقار کرنے کی کوشش کی، اور ہر اک پر کذب و افتراء کے تیر چلائے۔حکیم اجمل خاں جیسے مسلمہ باوقار قائد کے خلاف محاذ قائم کیا، حکیم صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے خلاف مدتوں مضامین شائع کئے، علامہ شبلی نعمانی

کی خبر لی، خواجہ حسن نظامی کو بے آبرو کیا، ان لوگوں کو تو کچھ نقصان پہنچا یا نہیں پہنچا، مگر آخر میں مرزا کو خود اس کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑی۔

کیسا المیہ ہے کہ وہ شخص، جو حکیم اجمل خاں اور علامہ شبلی نعمانی جیسے عالی مرتبت بلکہ فخر ملت افراد کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اور خود اس لیاقت وحیثیت کا تھا کہ اہل نظر سمجھتے تھے کہ شاید ملک بھر میں اس کا جواب نہ ہو، وہ اپنی کٹ کھنی طبیعت اور کذب وافترا کے ناپسندیدہ بلکہ مذموم شوق کی وجہ سے، اپنے معاصرین اور تذکرہ نویسوں کی نگاہوں سے ایسا گرا کہ آج اس کا نام لینا اور احوال تلاش کرنا دشوار ہے، اور وہ اصحاب اکابر جن کی اس نے آبروریزی کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، ان کے نام اور کارنامے آج بھی اسی طرح روشن ہیں اور ملت کی اس عہد کی تاریخ میں جگ مگاتے نظر آ رہے ہیں۔

بہر حال مرزا حیرت نے ان ہی ہنگاموں میں زندگی بسر کی اور طویل عمر پا کر [۴/مئی ۱۹۲۸ء -۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۴۶] کو فوت ہوئے مرزا کے سنہ وفات کی بعض اور روایتیں بھی بعض اہل قلم نے نقل کی ہیں مگر وہ درست نہیں ہیں۔(۱)

اس تحریر کا اصل مقصد مرزا حیرت کی تالیف حیات طیبہ [سوانح حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید] کے متعلق بعض معروضات واطلاعات پیش کرنا تھا، چوں کہ یہ نسبۃً مفصل گفتگو ہے، اس لئے اس کا آخر میں ذکر کیا جانا مناسب معلوم ہوا۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل کی سوانح حیات، مرزا حیرت کی تالیف ہے، حیاۃ النذیر کے مصنف نے لکھا ہے کہ مرزا حیرت اس کے لئے موزوں نام تلاش کرنے میں پریشان تھے، ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اس کا نام حیات طیبہ تجویز کیا تھا(۲)

---

(۱) مثلاً سیرت البخاری [حضرت امام بخاریؒ] تالیف مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے محقق ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی صاحب نے، مرزا حیرت کے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا تعارف کراتے ہوئے، مرزا کا سنہ وفات ۱۸۹۹ء لکھ دیا ہے، سیرت البخاری ص:۲۹۴ [نشریات لاہور:۲۰۰۹ء] جو بلا غلط ہے۔

مرزا کی اکثر کتابیں اور ترجمے اس کے بعد وجود میں آئے اور بڑی بات یہ ہے کہ مرزا کا اہم اخبار، کرزن گزٹ دہلی سے فروری ۱۹۱۲ء میں چھپنا شروع ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو: تاریخ صحافت اردو، امداد صابری ص:۴۹۷ جلد سوم [دہلی:۱۹۶۳ء]۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ کرزن گزٹ تقریباً بیس سال جاری رہا، کرزن پریس نے اس کے بعد تک کام کیا، اس لئے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کی یہ اطلاع درست نہیں، بعض اصحاب نے کچھ اور سنین بھی درج کئے ہیں، بظاہر وہ بھی قرین صحت نہیں ہیں۔

(۲) حیات النذیر، افتخار عالم، ضمیمہ۔ ص:۵۹۴ [طبع اول، دہلی: بلا سنہ]

حیات طیبہ کی پہلی مرتبہ، مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۲۴ھ میں چھوٹی پیمائش کے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل دو علیحدہ حصوں میں یک جا چھپی تھی(۱) کچھ عرصہ کے بعد ایک ایڈیشن اور چھپا، ایک نسبۃً عمدہ اور صاف نسخہ مولانا ثناءاللہ امرتسری کے فرزند، عطاءاللہ صاحب کے اہتمام سے، رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ/ جنوری ۱۹۳۳ء میں ثنائی برقی پریس، دفتر اخبار اہل حدیث امرتسر سے چھپا تھا، یہ طباعت تین سو پندرہ (۳۱۵) صفحات پر مشتمل ہے، امرتسر کی طباعت کے بعد حیات طیبہ کی مقبولیت میں خاصا اضافہ ہوا، سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور کراچی وغیرہ سے کئی اداروں نے شائع کی، پیش نظر ایک اور طباعت، اسلامی اکاڈمی، لاہور کی مئی ۱۹۸۴ء کی ہے، اس کی تمہید میں لکھا ہے کہ:

''اس کے مسودہ کے حقوق، مولانا عبدالعزیز صاحب نظامی نے خود جناب مرزا حیات دہلوی سے خریدے تھے، اور دو ایڈیشن شائع کرنے کے بعد، ہمارے پاس فروخت کر دیئے''(۲)

مگر کئی اشاعتوں کے باوجود اس تالیف کا یہ پہلو توجہ طلب ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے تک، حیات طیبہ کا معتمد کتابوں خصوصاً کتب حوالہ میں بالکل شمار نہیں تھا، مشکل سے کسی اہل علم واہل قلم نے اپنی تالیف وتحریر میں اس سے بطور مآخذ استفادہ کیا ہے، مگر اب دس پندرہ سال سے [جب سے ہم ہر اک کتاب مآخذ کو اس کی وقعت واہمیت، دلائل وتحقیق کو نظر انداز کر کے، خاص مسلکی گروہی نقطہ نظر سے دیکھنے پڑھنے کے عادی ہو گئے ہیں] اس سے استفادہ اور حوالہ کا معمول بڑھ رہا ہے، لیکن ممتاز اہل علم وتحقیق کی نگاہ میں کبھی اس کی قدر ومنزلت نہ رہی، نہ انہوں نے اس کا حوالہ دیا، نہ لائق اعتنا سمجھا۔ یہ بے شک ہوا کہ متعدد مورخین اور بلند مایہ ناز فاضلین اور تذکرہ نگاروں نے جہاں کہیں موقع آیا، حیات طیبہ کی بے سند اطلاعات کا ضمناً ذکر کیا، اور ان کی تردید وتنقید بھی کی مرزا حیرت کی تحریرات خصوصا حیات طیبہ پر اس طرح کے متعدد تبصرے اور اہل علم کی تنقیدات معلوم ہیں، ان میں سے چند یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس کی ابتداء مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے سے کی جائے، جو اپنے عہد کے اہل نظر میں غالباً شاہ محمد اسماعیلؒ سے سب سے زیادہ واقف، شاہ شہیدؒ سے متعلق مخطوطات ومآخذ پر گہری نظر رکھنے والے، اور مرزا حیرت کو بھی اچھی طرح دیکھنے جاننے والوں میں سے تھے۔ اجمل خاں نے لکھا ہے کہ: حضرت مولانا نے اس کتاب کو دیکھا، تو فرمایا:

(۱) اس پہلی طباعت کا، مولوی عبدالحق نے قاموس الکتب میں ذکر کیا ہے، جلد دوم (کراچی: ۷۵-۱۹۷۴ء) اس طباعت کا ایک نسخہ جس کا سرورق موجود نہیں، مولانا ابوالکلام آزاد کے ذاتی ذخیرہ کتب آزاد بھون، نئی دہلی] میں موجود تھا۔ راقم نے دیکھا ہے۔

(۲) عرض ناشر۔ حیات طیبہ [اسلامی اکاڈمی لاہور: ۱۹۸۴ء]

''اس میں فرضی کہانیاں ہیں اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ بھی فرضی ہیں، کبھی وجود میں نہیں آئیں''(۱)

حکیم محمود صاحب برکاتی نے، خواجہ حسن نظامی کے حوالہ سے، علامہ شبلی نعمانی کا تأثر بھی نقل کیا ہے، خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

''وہ [مرزا حیرت] فرضی عبارتیں فرضی حکایتیں اور فرضی حوالہ جات تاریخی کتابوں میں درج کر دینے میں مشہور ہیں، اور ان کی دلیری جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے کی بے باکی پر، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی تک حیرت زدہ رہتے تھے''(۲)

نامور مصنف و مترجم اور سلسلہ سید احمد شہید کے بلند پایہ مؤرخ، جناب غلام رسول مہر نے اپنی کتاب میں مرزا حیرت کی فروگذاشتوں، کذب بیانی اور افترا پردازیوں پر کئی جگہ تنقید کی ہے، ایک جگہ لکھا ہے:

''یہ کتاب تاریخ نہیں بلکہ افسانہ ہے، کئی واقعات وحالات بداہۃً ایسے ہیں، جو مرزا صاحب نے خود تیار کر لئے ہیں، مثلاً شاہ اسماعیل کے وعظ یا جہاد کی نیت سے ان کی ورزشیں یا پنجاب کا دورہ۔ جن جنگوں میں شاہ اسماعیل شہید سرے سے شریک ہی نہ تھے، مرزا صاحب نے ان میں بھی شاہ صاحب ہی کو مرکزی شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

سید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بڑی کوشش سے نواب امیر خاں کو انگریزوں سے مصالحت پر آمادہ کیا تھا، حالانکہ سید صاحب نے نواب صاحب کا ساتھ صرف اس بنا پر چھوڑا تھا کہ وہ انگریزوں سے مل گئے تھے۔''

مہر صاحب اس کے بعد کہتے ہیں:

''مرزا صاحب کی رائے شاید یہ ہو کہ رنگ آمیزی سے واقعات زیادہ پر تاثیر بن جائیں گے، لیکن جو واقعہ اثر پیدا کرنے کے لئے رنگ آمیزی کا محتاج ہو، وہ اس قابل ہی نہیں ہوتا

(۱) یہ عبارت جس پر اجمل خاں صاحب کے دستخط بھی ہیں، مولانا آزاد کی مملوکہ حیات طیبہ پہلی طباعت کی جلد سے ملحق کاغذ پر، درج ہے، یہ نسخہ مولانا آزاد کی لائبریری، آزاد بھون نئی دہلی میں موجود ہے۔

(۲) مولانا فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون حکیم محمود احمد برکاتی ص:۱۱۸۔ بحوالہ، غدر کے اخبار خواجہ حسن نظامی ص:۶ مطبوعہ دہلی: ۱۹۲۳ء۔ [کراچی: ۱۹۷۵ء] مگر غدر کے اخبار کی بعد کی جو طباعتیں راقم سطور کو ملیں، ان میں یہ عبارت موجود نہیں۔ نور

کہ دوادین تاریخ وسیر میں جگہ پائے۔

بہر حال یہ کتاب سراسر نا قابل اعتماد ہے، اوراس کے متفرق واقعات پر میری کتاب میں جابہ جاتبصرے ملیں گے"(۱)

شاہ اسماعیل کے حالات میں مہر صاحب نے لکھا ہے:

"اسی طرح میرے نزدیک شاہ صاحب کے مواعظ اور دورۂ پنجاب کی جو مفصل رودادیں حیات طیبہ میں چھپی ہیں، وہ بالکل بے اصل ہیں"

دورۂ پنجاب یقیناً بعداز قیاس نہیں، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض بے یقینی طور پر محل نظر ہیں"(۲)

قریبی دور کے ایک معروف مؤرخ اور تذکرہ نگار، ایوب قادری صاحب کی رائے اور تبصرہ بھی ملاحظہ ہو:

"میں نے کتاب حیات طیبہ [سوانح شاہ اسماعیل شہید] دیکھی اور مرزا حیرت کا وہ حوالہ اور نوٹ دیکھا، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ میری نظر سے نہ تو تیرہ صدی رسالہ گزرا، اور نہ ہی اس حوالہ کے سوا، میں نے اس رسالہ کا کہیں دوسری جگہ یا حوالہ دیکھا، بلکہ مرزا نے اس کے مرتب سید احمد رام پوری، اور مؤلف امیر احمد قرار دیئے ہیں

میں ان دونوں شخصیتوں سے ناواقف ہوں اور نہ ہی یہ حوالہ کہیں نظر سے گزرا کہ علامہ شبلی مرحوم نے، اس رسالہ کی جواب دہی کی کوشش کی۔ تذکرہ کاملاں رام پور میرے سامنے ہے، اس میں سید احمد یا امیر احمد کوئی ایسے صاحب نہیں ہیں، جو تیرہ صدی رسالہ کے مرتب یا مؤلف ہوں، حیات شبلی کو بھی دیکھا، وہاں بھی علامہ شبلی کے حال میں کوئی ایسا ذکر نہیں کہ انہوں نے تیرہ صدی رسالہ کا جواب لکھنے کی کوشش کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ مرزا حیرت کی یہ سب ذہنی اختراعات ہیں، مرزا حیرت نے حیات طیبہ میں چند اور کتابوں مثلاً سیر دہلی، تذکرہ مشاہیر دہلی اور تواریخ علمائے دہلی، کے بھی حوالہ دیئے ہیں، میرے خیال سے ان کتابوں کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں ہے"

(۱) سید احمد شہید۔ جناب غلام رسول مہر ص:۲۲ جلد اول [لاہور: بلاسنہ غالباً:۱۲۵۸ھ] طبع دوم :ص:۴۵ [دیوبند:۲۰۰۸ء]
(۲) جماعت مجاہدین، غلام رسول مہر ص: (شیخ غلام علی اینڈ سنز-لاہور: بلاسنہ)
نیز مشمولہ تحریک سید احمد شہید۔ ص:۱۵۹ جلد سوم: [دیوبند:۲۰۰۸]

ویسے بھی مرزا کی یہ کتاب، تاریخی مآخذ کے اعتبار سے بہت کمزور ہے، اسی طرح امیر الروایات بھی میرے خیالات سے غیر مستند مآخذ ہے، اس میں بھی اکثر نا قابل اعتبار روایتیں جمع کر دی گئی ہیں۔(۱)

مرزا حیرت کی نسبت ملا واحدی صاحب کی تحریر کے چند حصے اوپر آ چکے ہیں آخر میں ملا واحدی کی مکمل تحریر پیش کی جارہی ہے، امید کہ اس تحریر سے مرزا حیرت کو جاننے سمجھنے میں خاص مدد ملے گی۔ ملا واحدی مرزا حیرت کے ہم پیشہ، اعلی درجہ کے صحافی، انشاء پرداز، مصنف، دہلی کے رہنے والے اور حیرت کو خوب اچھی طرح جاننے پرکھنے والے تھے، اس لئے اس موضوع پر ملا واحدی کی تحریر کو فیصلہ کن سمجھنا چاہئے۔ ملا واحدی لکھتے ہیں:

مرزا حیرت نے حکیم اجمل خاں اور ان کی پارٹی کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا تھا، مرزا حیرت بڑے طرار انسان تھے، کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کیا ہوتا، تو ہندوستان بھر میں ان کا جواب نہ تھا۔ مرزا حیرت نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اجمل خاں پارٹی کے خلاف تابڑتوڑ مضامین شائع کئے، مگر حکیم اجمل خاں کا اقبال یاور تھا، جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ ان کے ہر مخالف نے منہ کی کھائی، اور مخالفت تو اولیاء انبیاء کی ہوتی رہی ہے۔

مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا، اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی، کمال یہ تھا کہ جس زمانہ میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے، اسی زمانہ میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے، اور ایسی تقریریں کرتے تھے کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔

مرزا حیرت کا دفتر آخر میں تو میرے بالکل نزدیک کلاں محل میں آ گیا تھا، انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانے میں، دفتر جامع مسجد کے شمالی دروازہ کے سامنے، پائے والوں شیش محل میں تھا، شیش محل عظیم الشان مکان ہے، سارا مکان اور اس کا صحن سننے والوں سے پٹ جاتا تھا، اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے، میکروفون (لاؤڈ سپیکر) اس وقت نہیں تھے، ورنہ شاید راستے رک جاتے۔

(۱) باغی ہندوستان [ترجمہ الثورۃ الہندیہ مولانا فضل حق خیر آبادی] عبدالشاہد خاں شیروانی۔ تمہید ص:۱۱ [لاہور: ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸]

مرزا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے، حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی، لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا، فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے۔ ہر کس وناکس صرف دیکھ کہ مرعوب ہو جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حسن مردانہ عطا فرمایا تھا۔ایک لطیفہ یاد آ گیا، سرعبدالقادر نے سنایا تھا، اس زمانہ میں ،جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا، اور شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے۔

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مدراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا، شیخ عبدالقادر اوران کے احباب، میر غلام بھیک نیرنگ ،مسٹر عبدالعزیز فلک پیما اور شیخ خوشی محمد، گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاہور سے روانہ ہوئے ، میر نیرنگ کے سوا سب انگریزی لباس میں تھے، مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان ان کے ڈبہ میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ انہوں نے شیخ عبدالقادر اوران کے احباب سے باتیں شروع کیں۔ پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں، انہوں نے بتادیا۔ پوچھا۔کہاں سے آرہے ہیں، انہوں نے کہا لاہور سے۔بس لاہور کا نام لینا تھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہوگئے اوران لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے، یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جارہے ہیں، پوچھا۔ بھائیو! کیا ماجرا ہے، ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹا جارہا ہے، بولے آپ لاہور سے جو آرہے ہیں، پوچھا لاہو سے آرہے ہیں تو کیا ہے؟ بولے لاہور دلی کے نزدیک ہے۔ اور دلی میں مرزا حیرت جیسے بزرگ موجود ہیں۔(۱)

(۱) میرے زمانے کی دلی ص:۱۸۶-۱۹۰-از ملا واحدی

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دو خوابوں کی ایک مشترک تعبیر حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تعلیمات و پیام

نور الحسن راشد کاندھلوی

نظام قدرت میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ذریعہ سے خدمت دین کے جوابواب کھولے جانے تھے اور تقدیر الٰہی میں ان کے لئے یہ وقت مقرر کردیا گیا تھا، اس کا افق بہت وسیع اور ان کی نوعیت متحد ہونے کے باوجود، کام کی ترتیب کے لحاظ سے بہت مختلف، شاخ در شاخ اور بہت سی جہات پر پھیلی ہوئی تھی، جس کے لئے ضروری تھا کہ اس کی ایک سے زائد حصوں پر تقسیم ہو، اور شاہ صاحب کی زندگی یا تلمذ کی نسبت سے مفتخر اصحاب، یکے بعد دیگرے اس کی ذمہ داری لیں اور ایک دوسرے سے مل کر اس کو آگے بڑھائیں اور اس کے نامکمل حصوں کو پورا فرمائیں۔

اس بڑے اور صدیوں تک کے لئے رہنما کام کے لئے جن اصحاب کو شاہ صاحب کا نمائندہ و ترجمان بننا تھا، حضرت شاہ صاحب کو خواب میں، یا کسی مشاہدہ و مراقبہ میں ان کی نسبت کچھ کیفیات دکھا، یا بتادی گئی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب کے اپنے تینوں صاحبزادوں، حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر رحمہم اللہ، نیز شاہ محمد عاشق، کے ذریعہ سے، شاہ صاحب کے علوم وافادات کی جو حفاظت و تدوین واشاعت ہوئی تھی، شاہ صاحب کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ شاہ صاحب کے نواسوں کے توسط سے حرمین شریفین میں خدمت دین، خصوصاً اشاعت حدیث کا جو کام ہونا تھا، اس کی خبر ملی اور شاہ صاحب کی وفات کے تقریباً نصف صدی کے بعد، اس کام کی جو انقلابی کیفیت اور تیز رفتار پیش رفت نظامِ غیب میں مستتر تھی، اس کا بھی ایک مبارک خواب میں واضح مشاہدہ کرادیا گیا تھا اور بتادیا گیا تھا، کہ ایک نوجوان جس کو تم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، تمہارے کام کو لیکر عوامی میدان میں نکلے گا، اس کی اس جدوجہد کے ذریعہ سے فہم وتعلق بالقرآن، دعوت توحید واتباع شریعت کا یہ فیضان جس

کا دروازہ تمہارے ذریعہ سے کھولا جا رہا ہے پورے ملک میں عام ہو جائے گا اس خواب میں دکھائے گئے یہ نوجوان سید احمد شہید تھے۔

حضرت سید صاحب کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک عمدہ اور مفصل خواب دیکھا تھا، جس میں سید صاحب کے ذریعہ سے ظاہر ہونے والی خدمات اور احیائے دین کے عمل کی، خاصی واضح جھلک موجود تھی۔ اس خواب کے پچاس سال بعد جب سید صاحب کی اس خدمت کا موقع ملا اور حق تعالیٰ کو ان سے دین کی جو خدمت لینی تھی، اس کا سورج طلوع ہونا شروع ہوا، تو حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی اسی طرح کا ایک خواب دیکھا تھا، جس قسم کا ان کے والد امام حضرت شاہ ولی اللہ دیکھ چکے تھے، دونوں کی تعبیر ایک ہی تھی، ان کا مقصد ظاہر اور ریپغام بھی غیر مبہم تھا، کہ اب اس کارواں کا جس کا حضرت شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی اور ان کے مبارک خانوادہ سے آغاز ہوا ہے، اس ایک اور سمت میں تیز رفتار سفر ہونے والا ہے، جس کی زمام قیادت فلاں شخص کے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ دونوں خواب سید صاحب کی ذات سے اتباع دین وشریعت کے سبق اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کو، احیائے ملت کے، اجتماعیت کے اور نیز ان کے علاوہ اور وسیع وسیع گونا گوں اور متنوع فائدے حاصل ہوئے۔ یہ دونوں خواب سید احمد شہید کی تحریک اور جدوجہد کے حضرت شاہ ولی اللہ کے فکر ومزاج اور نظام وآہنگ اور اس سے بھی بڑھ کر، اسلام کے چمکتے دمکتے نظام سے وابستگی کا صاف صاف اعلان کر رہے ہیں۔

یہ دونوں خواب راقم سطور نے، ان کی بعض جزئیات کے ساتھ ایک مضمون کی صورت میں مرتب کئے تھے، جو ”حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک خواب کی تعبیر: سید احمد شہید“ کے عنوان سے ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ جلد: ۵۸۔ شمارہ: ۲ [فروری ۱۹۹۰ء۔ رجب ۱۴۱۰ھ] میں شائع ہوا۔ اہل علم وکمال نے اس مضمون کے مندرجات کی تصدیق وتحسین فرمائی اور اس کے مطالعہ سے بعض حضرات کو، سید احمد شہید کی تحریک اور خدمات کی نسبت طمانیت کا ایک نیا احساس ہوا۔ ناچیز مرتب کو اس سلسلے میں متعدد بزرگوں اور مشاہیر کرام نے اپنی گراں قدر رائے اور گرامی ناموں سے نوازا، ان میں سب سے ممتاز گرامی نامہ، اس عہد کی سب سے ممتاز اور نادرۂ روزگار شخصیت، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تھا۔

جب یہ مضمون چھپا اس وقت حضرت مولانا ایک غیر ملکی سفر پر تھے، واپس آئے تو یہ مضمون پڑھا، اس پر اظہار مسرت کیا، انہی دنوں میرا ایک تفصیل مضمون مشہور عالم کتاب: **کشاف اصطلاحات الفنون** اور اس کے مصنف قاضی محمد اعلیٰ پر چھپا تھا، میں نے وہ بھی حضرت مولانا کی خدمت میں ارسال کیا، حضرت مولانا نے اس کو بھی توجہ اور اہتمام سے ملاحظہ فرمایا اور ناچیز مضمون نگار کو اس گرامی نامہ سے نوازا:

دونوں کا اس گرامی نامہ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عزیز گرامی قدر　　　　زادہ اللہ علماً وتحقیقا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　امید کہ آپ مع بزرگان خاندان وعزیزان بخیر وعافیت ہوں گے۔

میں حجاز مقدس سے ۲۰/فروری کو واپس ہوا۔ رسالہ الفرقان میں آپ کا مضمون حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے مکاشفہ پر، جو سید احمد شہید سے متعلق تھا اور القول الجلی سے ماخوذ تھا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی تھی اور آپ کو خط لکھنا چاہتا تھا، کہ فکرونظر [اسلام آباد۔پاکستان][محرم ربیع الاول سنۃ ١٤١٠ھ۔ اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء] کا شمارہ آپ کا مرسلہ پہنچا، جس میں قاضی محمد اعلی تھانوی پر آپ کا محققانہ وفاضلانہ مضمون ہے۔

میں پہلے سے "کشاف اصطلاحات الفنون" کو ہندوستان کا ایک منفرد کارنامہ قرار دیتا تھا، اور کئی جگہ اپنے مضامین وتقریروں میں اس کا ذکر کیا، اب آپ کے اس مضمون سے بہت سے جدید معلومات حاصل ہوئے۔ نزہۃ الخواطر کے نئے ایڈیشن میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجئے۔

والد ماجد مدظلہ وعزیز گرامی فرید میاں سلمہ کو بہت سلام ودعا۔　　　　والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

۹/مارچ ۱۹۹۰ء

اور بھی متعدد ممتاز اہل علم وقلم نے اس دریافت پر مسرت ظاہر فرمائی۔ بعد میں مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کا مرتبہ، مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا، ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی نے اس پر مفصل تمہید لکھی، اس میں راقم کے اس مضمون کا ایک خاصا حصہ شامل کیا ہے۔ جس کے آخر میں لکھا ہے کہ:

"اس خواب کا تجزیہ مولوی نورالحسن راشد کاندھلوی نے اپنے ایک مضمون "حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک خواب کی تعبیر: سید احمد شہید" میں کیا ہے جو ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ، بابت فروری ۱۹۹۰ء میں شائع

ہوا تھا۔ انہوں نے جو نتائج برآمد کئے ہیں ان سے اختلاف کی بہ ظاہر کوئی گنجائش نہیں۔(۱)

فاروقی صاحب کی یہی تحریر یا مضمون، مکاتیب حضرت شاہ ولی اللہ کے فارسی نسخہ میں بھی شامل ہے، وہاں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ فاروقی صاحب کی عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

''تجزیۂ این خواب مولوی نور الحسن راشد کاندھلوی، در تحریر خود تحت عنوان: تعبیری خواب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ، سید احمد شہید'' نوشتہ کہ در ماہ نامہ الفرقان، از لکھنؤ شمارہ، فوریہ ۱۹۹۰ء میلادی، چاپ شدہ است، نتائج ایشاں برآمدہ کردند، از اختلاف آنہا بہ ظاہر گنجائش نیست۔(۲)

درج بالا گرامی نامے اور مذکورہ اقتباسات سے واضح ہے کہ راقم کی ان معروضات کو لائق اعتناء خیال فرمایا گیا اور اس مضمون کے مندرجات ومقاصد سے، ممتاز ارباب فضل وکمال نے کامل اتفاق فرما کر، ناچیز مضمون نگار کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

یہی مضمون ابتدائی صفحات کے اضافہ، چند ضمنی ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ مضمون کی ترتیب، اگرچہ یہاں پہلی اشاعت سے مختلف ہے مگر اس کے مندرجات میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

امید کہ اس وقت جب حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کے حوالہ سے بعض وضاحتیں سامنے آرہی ہیں، یہ بھی صاف ہوجائے گا کہ حضرت سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل شہید کی یہ تمام کوشش، تحریک اور جدوجہد، حضرت شاہ ولی اللہ کی شان تجدید کا ایک مظہر اور دین صحیح کی، صحیح دعوت اصلاح وتبلیغ کی ایک ایسی پرسوز، پراثر اور ایسی ہمہ گیر آواز تھی کہ اس کی گونج پورے برصغیر میں سنی گئی اور اس کے اثر سے شرک وبدعات، خلاف دین وشریعت رسومات اور طور وطریقوں کی بنیاد اکھڑتی چلی گئی اور اس کو اس کثرت اور اہتمام سے قبول کیا گیا کہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اس قبول عام اور ایسی تیز رفتار، موثر اور دیرپا اصلاح کی کوئی اور مثال موجود نہیں۔ اگرچہ اب اس دریا کا پانی اتر چکا ہے، تحریک کی وہ کیفیت اور قوت جو:

جہانے راد گرگوں کرد، یک مرد خدا گاہے

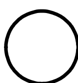
کی مثال وترجمان تھی، عملاً سست وپژمردہ ہوگئی ہے، اور افسوس ہے کہ جن لوگ لوگوں کو اس کی بہرصورت طاقتور آواز لگانی چاہئے تھی، اور ہمہ وقت بہرحال، وبہرصورت دعوت الی اللہ والی رسولہ، توحید کا پرچم بلند کرنے واتباع قرآن وشریعت کی صدا لگانی، اپنا فرض منصبی اور زندگی کا سب سے پہلا اور اہم ترین ضروری کام سمجھنا چاہئے تھا وہ سب خاموش بیٹھے ہیں، اور دلی رنج وتاسف کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ: ردۃ ولا ابابکر لھا

(۱) ملاحظہ ہو: نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ ص: ۱۲۸۔ جلد اول۔ (دہلی/پھلت ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸ء)

(۲) مکاتیب حضرت شاہ ولی اللہ۔ [فارسی۔ عربی] تعلیقات۔ ص: ۵۱۵ [رام پور ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء]

خاکم بہ دین، ایسا لگتا ہے کہ امت کا غم کھانے والے اور اس کی ڈوبتی کشتی کو اپنی ماہرانہ صلاحیت سے بھنور سے بچا کر، ساحل مراد پر لانے والے اب گئے۔ لوگ بہت ہیں، بہ ظاہر کام بہت ہو رہے ہیں مگر اک کے اپنے اپنے مقاصد، اپنے اپنے مفادات ہیں، وہ پورے ہوں یا نہ ہوں، اس کوشش میں دین کے کام بزرگوں کی میراث اور امت کے دینی اصلاحی نظام، کو جو کچھ بھی، جس قدر بھی نقصان پہنچ جائے، ان کی نہ کچھ فکر ہے نہ اس کے ازالہ کی کوئی تدبیر **فیا اسفاہ:**

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا



باخدا علماء ربانیین کو حضرات انبیاء علیہم السلام کا وارث فرمایا گیا ہے: "**العلماء ورثة الانبیاء**" اور جس طرح بڑے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے کاموں کی بے شمار قسمیں اور شاخ در شاخ تقسیمات اور نوعیتیں ہوتی ہیں، اس کی نیابت اور فیضان کے اثر سے، متعدد علمائے کرام کے کام اور خدمات میں بھی، بڑا تنوع جامعیت اور ہمہ گیری کی شان ہوتی ہے اور جس طرح متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کو، ان کے انصار اور متبعین کرام مکمل کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اسی طرح کئی مرتبہ جلیل القدر علماء کرام اور اعیان امت کے، ناتمام منصوبوں کو مکمل کرنے کی، ان کے وابستگان دامن اور شاگردوں نیازمندوں کو فکر رہتی ہے۔ یہ ایک متواتر سلسلہ چلا آ رہا ہے، برصغیر ہند کی دینی علمی عرفانی روحانی اصلاحی تربیتی تاریخ میں بھی، بار بار یہی ہوا ہے کہ بڑے علماء ائمہ دین محدثین، مشائخ کرام اور مصلحین کے کام کو، ان کے وارثین اور نام لیواؤں نے محنت اور جدوجہد سے آگے بڑھایا، اور اسلاف کے متعین کئے ہوئے راستہ پر، اپنا سفر بڑے عزم وحوصلہ سے مسلسل جاری رکھا۔

امت کے ایسے ہی منتخب روزگار اور فرد فرید اصحاب میں سے، ایک بڑا نام حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی کا بھی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات وتصانیف اور فکر وعمل کا دائرہ، دین کے تقریبا تمام پہلوؤں کو محیط، اور مستقبل کی اکثر ضروریات اور تقاضوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، جس میں سے کئی ایک بہت بڑے بڑے کام خود حضرت شاہ صاحب نے انجام دیے، ان کو مکمل فرمایا اور ان کے ذریعہ سے، بعد کی ملت اور آنیوالی نسلوں کے ایک عظیم شاہ راہ عمل وجود میں آ گئی، کچھ کام ایسے بھی ہیں کہ اگر چہ ان کا حضرت شاہ صاحب نے آغاز

کر دیا تھا مگر ان کی تکمیل حضرت کے صاحبزادگان اور بعض اور خاص متوسلین کے ذریعہ ہونی تھی، کچھ وہ ہیں جن کے وجود میں آنے کی شاہ صاحب کو امید تھی، مگر اس فکر کی محنت جدوجہد اور خیال کے عمل میں لانے اور انجام دینے کے لئے کسی اور مردِ میدان کی ضرورت اور تلاش تھی۔ اگرچہ ایسے شخص کا شاہ صاحب کے سامنے ظہور نہیں ہوا، مگر خیال ہی تھا کہ وہ شخص جو بھی ہوں، وہ جب بھی ظاہر ہوں گے اور اس کام کا علم اٹھائیں گے، اس کو قافلہ سے سیل رواں میں تبدیل کر دیں گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو، حضرت شاہ صاحب کے ذریعہ سے، تجدید واحیاء دین کی جو بڑی خدمت لینی تھی، اگرچہ اس کے اکثر شعبوں اور سلسلوں کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات میں ہو گیا تھا، مگر اس کی وسعت کو دیکھتے ہوئے اور اس کو پورا کرنے کے لئے ایک بڑا عرصہ درکار تھا، اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس میں تقسیم کار کا اصول کارفرما ہو، اور کچھ کاموں کی تدوین و تکمیل، حضرت شاہ صاحب کے فرزندان اور تلامذہ فرمائیں، اور ایسا ہی ہوا۔

شاہ صاحب کی حیات میں تعمیر ملت اور تجدید واحیائے دین کے، اس بہت بڑے منصوبہ کی، بنیادیں استوار ہوئیں، مستقبل کی تعمیر کا ایک نقشہ مرتب و مکمل ہو گیا، مگر عمارت کی تعمیر کا مرحلہ درمیان میں ہی تھا، کہ شاہ صاحب کا عالم آخرت سے بلاوا آ گیا۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد، حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات، دعوت توحید واتباع سنت اور رجوع الی اللہ فہم قرآن اور خدمت حدیث کے اکثر پہلوؤں کو حضرت شاہ صاحب کے، عالی مرتبت شاگردوں اور بلند اقبال فرزندان گرامی نے، آگے بڑھانے کے لئے، نہایت عزم وحوصلہ، ثبات قدمی اور استقامت کے ساتھ مسلسل و مرتب جدوجہد کی، اس کاروان علم عمل میں جو فکر ولی اللہی کا عزم لے کر اور ان کی تعلیم اور مقاصد کا پرچم بلند کرنے کے ارادہ سے عازم سفر ہوا تھا، سب سے پہلے اور نمایاں ترین نام، حضرت شاہ ولی اللہ کے رفیق اور اہم ترین شاگرد، شاہ محمد عاشق پھلتی اور فرزندان گرامی منزلت، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد شاہ محمد اسماعیل اور شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب کے ہیں۔

یہ وہ حضرات ہیں جن سے خود حضرت شاہ ولی اللہ کا، اور ان کا حضرت شاہ صاحب سے، خونی رشتہ اور سلسلہ جڑا ہوا ہے، ان میں ہر ایک کے ذریعہ سے فکر ولی اللہی کی تابانیوں میں کثیر اضافہ ہوا ہے۔ اس کے دامان

علم وتربیت کووسعت وجہانگیری حاصل ہوئی ہے،اور حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم ومقاصد کوا ایک بڑاافق نصیب ہوااور ایک نئی دنیا کی تعمیر کی راہ استوار ہوئی،مگراس کے بعد کی ایک اور ضرورت یہ تھی کہ دعوت توحید واتباع شریعت وسنت اور رجوع الی القرآن یہ تحریک اور انداز بستی بستی شہر شہر اور گھر گھر پہنچے، یہ سعادت وتوفیق شاہ محمد اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کے حصہ میں آئی،سید صاحب کا اگر چہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان اور اسلاف واخلاف سے خاندانی نسبت اور رشتہ نہیں تھا،مگر قدر مشترک یہ تھی کہ سید احمد شہید کے اجداد بھی خم خانہ ولی اللہی کے جرعہ نوش تھے اور خانوادہ سادات رائے بریلی، کئی نسلوں سے خاندان ولی اللہی سے وابستہ اور اسی منزل کا مسافر تھا،جس پر حضرت شاہ ولی اللہ کے قدم بڑھ رہے تھے۔

فیضان ربانی اور خدمت دین کے لئے کسی بندے کے انتخاب کا معاملہ نہایت عجیب ہے،نظام قدرت جس کو جب اور جہاں چاہے منتخب فرما لیتا ہے،اس میں نہ خاندان ورشتہ کی قید ہے، نہ مقام ووطن کی۔ چوں کہ خانوادہ رائے بریلی کے جس فرد یا نوجوان کو،خاندان ولی اللہی کا نمائندہ وترجمان بننا تھا،اور اسی کے ذریعہ سے ان تعلیمات اور پیام کو سیل رواں بن کر گھر گھر پہنچنا،اس کی اس وقت تک ولادت بھی نہیں ہوئی تھی،ابھی اس میں دیر تھی،اس لئے نظام قدرت یوں حرکت میں آیا، کہ پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کو، پھر ان کے مسند نشیں حضرت شاہ عبدالعزیز کو،اس کی صاف اور ایسی واضح شناخت کرادی جائے کہ بعد والوں کو اس کو جاننے پہنچاننے میں غلطی نہ ہو،اور اس سے متوقع خدمات کا ایک اجمالی علم ہوجائے اور شاہ صاحب کو ان کے منافع واثرات کا بھی کسی قدر مشاہدہ کرادیا جائے۔اس لئے اولاً حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک اہم اور معنی خیز خواب میں،ایک نوجوان کا مشاہدہ کرایا گیا،اس کے بعد جب اس کا موقع بالکل قریب آ گیا،تو حضرت شاہ عبدالعزیز بھی،ایک ایسے ہی خواب اور رویت مبارکہ سے مشرف فرمائے گئے۔

یہ دونوں مبارک خواب اور بشارت نامے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے متوسلین نے محفوظ وقلم بند کر لئے تھے،آئندہ صفحات میں ان ہی دونوں کا کسی قدر تفصیل اور تجزیہ کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کا خواب ذکر ہوگا،آخر میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ خواب یا مشاہدہ،حضرت شاہ ولی اللہ کے رفیق اور مخاطب خاص،حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی (وفات تقریباً ۱۱۸۷ھ) نے،حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک ممتاز شاگرد اور مکتوب الیہ،خواجہ محمد امین

کشمیری کے حوالہ سے القول الجلی میں نقل کیا ہے۔خواجہ محمد امین کہتے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا:

''شانزدہم جمادی الثانی شب پنجشنبہ در رویائے مشاہدہ نمودم کہ گویا در مسجدے ہستیم، مسجد جامع باشد یا مسجد بیگم اکبرآبادی! ناگاہ می گویند کہ اینجا صورت کریمہ حضرت خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہر می شود، جمعے مشتاق ظہور جلوۂ آں صورت ایستادہ اند، وما نیز بآرزوئے مشاہدہ جمال با کمال بطرفے کہ نمودند متوجہ شدیم۔

می بینم، کہ در یک آئینہ صورت شریفہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، بتدریج ظاہر شدن گرفت، تا آنکہ تمام نمودار گردید۔ دریں اثناء ازمیان آں آئینہ برآمدہ، درخارج جلوہ گرگشت، وما بالتجا واستمداد، ازآنجناب درخواستیم، کہ برائے ترویج علم حدیث ہمت قویہ عالیہ درکاراست، فرمودند خواہد شد!

باز عرض داشتیم کہ ترویج ایں علم شریف بردست ما واولاد ما واخوان ما باشد، دریں باب نیز مددے درکاراست، قبول فرمایند! (فر)مودند کہ ہم چنیں می شود۔

بعد ازاں آں صورت کریمہ روئے باستتار آورد، وما با جانب مسجد رواں شدیم، فی الحال آواز آمد کہ صورت مطہرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باز جلوہ می فرمایند، باز متوجہ آں طرف شدیم، دیدیم کہ ایں مرتبہ ہماں صورت، دروں آئینہ متجلی شدن گرفت، تا آنکہ تمام صورت در ہماں آئینہ مشہود گشت۔

دریں اثناء جوانے رابعمر شانزدہ سالہ حاضر ساختند، واز آں جناب ارشاد می شود بجانب ما، کہ ایں جوان را لباس خرقہ می باید نمود، برحسب ارشاد، رِدائے خود را بالائے آں جوان پوشانیدیم، ازآں جناب نیز لباس خرقہ بروئے ظاہر میگردد۔ وآں جوان معلوم نشد کہ کیست؟ مصرع:

تا دوست کرا خواہد میلش بکہ باشد!(۱)

ترجمہ: ۱۶/ جمادی الاخری روز پنجشنبہ(۲) میں نے خواب دیکھا، کہ جیسے میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوں، وہ مسجد جامع مسجد دہلی ہے، یا مسجد اکبرآبادی بیگم ہے۔ ناگاہ لوگ

(۱) القول الجلی فارسی (عکس نسخۂ مخزونہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری، مکتوبہ ۱۲۲۹ھ) ص:۲۲۲-۲۲۳ (دہلی: ۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹ء)

(۲) افسوس کہ القول الجلی میں اس خواب اور مشاہدہ کا سنہ موجود نہیں۔

کہنے لگے کہ اس جگہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ ظاہر ہوگی، یہ سنکر مشتاقوں کی ایک جماعت، آپ کے جلوۂ دل افروز کی آرزو میں صف بستہ ہے، اور میں بھی جمال باکمال کے مشاہدہ کی تمنا میں جدھر بتایا گیا تھا، متوجہ ہوں۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آئینہ میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہوئی، یہاں تک کہ پوری طرح ظاہری ہوگئی، پھر اس آئینہ سے نکل کر خارج میں جلوہ گر ہوگئی۔

ہم نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وتوجہ ہماری شریک حال ہو، اور علم حدیث کی اشاعت وترویج میں عالی ہمتی عطا ہو، آپ نے فرمایا کہ ہوگی! پھر عرض کیا کہ اس علم کی اشاعت ہمارے ہاتھوں، نیز ہماری اولاد اور بھائیوں کے ہاتھوں ہو، فرمایا کہ: ''ایسا ہی ہوگا''

پھر وہ صورت کریمہ روپوش ہوگئی اور ہم نماز کے لئے مسجد کی جانب چلے ہی تھے، کہ یہ آواز آئی کہ آپ کی صورت کریمہ پھر جلوہ گر ہوگی، ہم پھر اس سمت گھومے دیکھا، کہ اس مرتبہ بھی وہ صورت آئینہ متجلی ہونا شروع ہوئی، یہاں تک کہ پوری صورت ظاہر ہوگئی۔

اسی اثناء میں ایک سولہ سالہ جوان حاضر کیا گیا اور آنجناب کی جانب سے ہماری طرف اشارہ ہوا کہ اس جوان کو خرقہ پہناؤ، میں نے آپ کے فرمانے کے مطابق اپنی چادر اس جوان کو اڑھادی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس (جوان) کو خرقہ عطا ہوا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ جوان کون تھا۔(۱)

دوست کس کو چاہتا ہے اس کا التفات کس طرف ہوگا!(۲)

اس اہم خواب کے کئی الگ الگ جز ہیں، جو غیر محسوس طور پر باہم مربوط بھی ہیں۔خواب کی تعبیر جاننے اور متعلقہ اجزاء کی تصدیق وتحقیق کے لئے کسی قدر تفصیل ضروری ہے تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ خواب درج ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

(۱) ترجمہ اردو، قول جلی آثار الولی، از مولوی تقی انور صاحب علوی کاکوری ص:۲۸۸۔(کاکوری:۱۹۸۸ء)

(۲) غالبًا اس مصرعہ میں کچھ سہو کتابت ہے مگر قول جلی کے پیش نظر نسخہ کے کاتب اور فاضل مترجم نے اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن اس سہو کتابت کے باوجود اس میں بہت معنویت ہے، اسی لئے راقم سطور نے اس کے ترجمہ کی کوشش کی ہے۔

۱ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وتوجہ شاہ ولی اللہ کے شریک حال ہو، اور شاہ صاحب کو حدیث کی ترویج واشاعت میں عالی ہمتی عطا ہوگی۔

۲ اس علم (حدیث) کی اشاعت شاہ صاحب کے ذریعہ، ان کی اولاد اور بھائیوں وغیرہ کے ذریعہ ہوگی۔

۳ دوبارہ صورت کریمہ کا ظہور۔

۴ ایک سولہ سالہ جوان کی خدمت عالی میں پیشی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی، اس کو خرقہ پہناؤ، اور بعد میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس نوجوان کو خرقہ عطا ہونا۔

۵ معلوم نہیں وہ جوان کون ہے۔

۶ ان خوابوں میں جامع مسجد دہلی اور مسجد بیگم اکبرآبادی کا تذکرہ کیوں ہے۔ ان دونوں مسجدوں کا، اس سلسلہ سے کیا تعلق ہے اور اس نوجوان سے کیا نسبت ہے۔؟

ان اجزاء کو ذہن میں رکھئے اور دیکھئے کہ اس خواب کی کیسی عمدہ اور واضح تعبیر ظاہر ہوئی، اور بعد کے واقعات نے اس خواب کے ایک ایک جز کی کس طرح تصدیق کی:

الف حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وتوجہ، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف کرام کے یقیناً ہمہ وقت شامل حال رہی، اس کی تفصیلات محتاج بیان نہیں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ سے معمولی تعلق اور واقفیت رکھنے والا بھی اس سے ناواقف نہیں ہے، خاندان شاہ ولی اللہ کی تاریخ تمام تر اسی عنایت وتوجہ کی تاریخ ہے، عیاں راچہ بیاں!

ب علم حدیث کی اشاعت میں عالی ہمتی عطا ہو! اس درخواست کی قبولیت وتاثیر بھی ظاہر ہے، حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے اخلاف اور اہل خاندان کے ذریعہ حدیث نبوی کی جو اشاعت وتبلیغ ہوئی، وہ عالم اسلام کی علمی دینی ملی تاریخ کا ایک درخشاں عنوان، اور برصغیر ہند و پاکستان کی ملت اسلامیہ کے لئے مایۂ صد فخر ومباہات ہے۔ بلاخوف تردید کہا جاتا ہے کہ گذشتہ دوسو سال میں ہند و پاکستان میں حدیث شریف کی

تعلیم و تدریس، شرح و تحقیق اور نشر و اشاعت کا جو کچھ بھی کام ہوا ہے، وہ اسی شاخِ پُر بہار کا ثمر اور اسی خانوادہ کا اثر اور فیضان ہے۔

ج دوبارہ صورت کریمہ کا ظہور!......

اس ترتیب سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خاندان ولی اللہی کے ذریعہ جو خدمات انجام پائیں گی، ان کے دو حصے یا دو مرحلے ہوں گے اور دونوں کے درمیان کسی قدر روقفہ ہوگا۔ اول فن حدیث کی تعلیم و اشاعت ہوگی، بعد میں عوام و خواص کے ہر ایک طبقہ میں اتباع سنت اور احیائے شریعت کی زور و شور سے خدمت اور تبلیغ کی جائے گی، یہی ہوا۔ پہلے حضرت شاہ صاحب کے اخلاف و تلامذہ کی محنت و کاوش سے، حدیث شریف کا موضوع، اس کا درس و افادہ اور حدیث نبوی سے راست رابطہ زندہ ہوا، پھر سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے ذریعہ اس دولت کی تقسیم اور اس سے عام فائدہ اٹھانے کی ہر جگہ آواز لگائی گئی۔ شہر شہر بستی بستی یہ نعمت تقسیم ہوئی، اتباع سنت کا ولولہ تازہ ہوا، اور دین و شریعت کو کسی ملاوٹ اور تغیر کے بغیر، اپنی اپنی زندگیوں میں سمو لینے کی آرزو بیدار ہوئی، اگر راقم سطور کا مذکورہ تاثر غلط نہیں، تو یہی اس خواب اور دوبارہ صورت کریمہ کے ظہور کی تعبیر ہے۔

د سولہ سالہ جوان جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرقہ عطا ہوا کون ہے؟

اگر چہ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان والا مرتبت اور ان کے اخلاف کرام اور شاگردوں میں، ایک سے ایک بڑھ کر ایک صاحب کمال شخصیات موجود تھیں، مگر اس خواب کے مختلف اجزاء پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ، یہ خلعت زیبا جس جوان رعنا کے قد راست پر موزوں آتی ہے، وہ سید احمد شہید کے علاوہ کوئی نہیں۔

ہ معلوم نہیں، وہ جوان کون ہے؟ اگر چہ اس شخص کا، شاہ ولی اللہ کے خاندان سے قریب یا دور یا قریب کا کچھ بھی براہ راست رشتہ ہوتا، تو اور معاملات کی طرح اس کا بھی اسی طرح اشارہ کر دیا جاتا، جس طرح صاحبزادگان والا تبار اور شاہ محمد اسحاق وغیرہ کے ضمن میں ہوا تھا، مگر یہاں شاہ ولی اللہ کا یہ ارشاد:

''آں جوان معلوم نشد کہ کیست؟''

واضح کر رہا ہے کہ اس شخص کا خانوادہ ولی اللہی سے کچھ تعلق نہیں ہوگا، وہ کسی اور خاندان سے وابستہ ہوگا، جو سلسلہ ولی اللہی سے منسلک ہو کر، احیائے دین و شریعت کی خدمت انجام دے گا۔

و اس معاملہ کا جامع مسجد دہلی یا مسجد (بیگم) اکبر آبادی سے کیا نسبت اور تعلق ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ

اورشاہ عبدالعزیز دونوں کے منامات میں جامع مسجد دہلی اور مسجد اکبرآبادی کا تذکرہ آیا ہے، جو اس کا اشارہ بلکہ وضاحت ہے، کہ اس متوقع مصلح کے ظہور اور ان کے نظام اصلاح وتبلیغ کا، ان دونوں مسجدوں سے بہت گہرا اور خاص رشتہ ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کا خواب ممکن تھا کہ اس شخص کی تعیین میں کچھ اختلاف ہوتا، مگر شاہ عبدالعزیز کے ایک اور خواب، نیز اس خواب کی خود شاہ صاحب کی بیان کی ہوئی تعبیر نے، اس معاملہ کو بالکل بے غبار اور ایسا روشن کردیا کہ اس میں شک وشبہ کا ذرا سا بھی موقع نہیں رہا۔

جس وقت سید احمد صاحب، نواب امیر خاں والی ٹونک کی رفاقت وملازمت ترک کرکے، شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہونے والے تھے، اس وقت شاہ صاحب نے بھی ایک خواب دیکھا تھا۔ اس خواب کی تفصیل سید صاحب کے بھتیجے، مولوی سید محمد علی رائے بریلوی نے، مخزن احمدی میں محفوظ کردی ہے، لکھا ہے:

> ''گویا حضرت سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد جامع بلدۂ مسطور (شاہجہاں آباد: دہلی) تشریف می دارند، وخلائق از ہر گوشہ وکنار، فوج فوج وجوق جوق، بجہت زیارت، دواں وخیزاں متوجہ شدہ اند۔ اول از ہمہ کساں جناب امام المحدثین بدست بوسی شریف فایز ومستعد گشتند، سید ابرار علیہ السلام آں وقت عصائے دردست میدارند، بحضرت امام المحدثین می فرمایند
>
> ''کہ اے عبدالعزیز! ایں عصارا بستاں وبردر مسجد بنشیں، خلائق برائے زیارت می آئند، حال ہرکس پیش ما عرض دار، ہرکہ راا جازت بخشم، بگذار!''
>
> جناب امام المحدثین بموجب فرمودہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، عصا گرفتہ بردر مسجد نشستند، وخلائق موفور ومتکاثر کہ از ہرطرف ہجوم آوردہ استیذان می طلبند، وامام المحدثین بخدمت سید الانبیاء رفتند۔ حال ہرکس معروض میدارند، وبموجب حکم شریف گروہے رامیگذارند، وگروہے را بازمی دارند(۱)

(۱) مخزن احمدی [فارسی] ص:۳۴ طبع اول (مفید عام، آگرہ:۱۲۹۹ھ)

نیز ملاحظہ ہو: سید احمد شہید از جناب غلام رسول مہر ج:۱ص:۱۱۳۔ کتاب مذکور، بعنوان۔ تحریک سید احمد شہید ص:۱۶۷ جلد اول۔ [دیوبند:۲۰۰۸ء]

وسیرت سید احمد شہید، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ص:۱۴۲ ج:۱ (لکھنؤ:۱۳۹۷)

ترجمہ: [شاہ عبدالعزیز نے خواب میں دیکھا کہ] جیسے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (دہلی کی) جامع مسجد میں تشریف فرما ہیں اور بے شمار انسان فوج در فوج اور جوق در جوق، چاروں طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شریفہ کے لئے، بھاگتے دوڑتے آ رہے ہیں، سب سے پہلے جناب امام المحدثین (شاہ عبدالعزیز) دست بوسی سے مشرف ہوئے، صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عصا تھا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، امام المحدثین سے فرمایا:

''اے عبدالعزیز! یہ عصا لو اور مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ! مخلوق خدا زیارت کے لئے آ رہی ہے، ہر شخص کا حال (آ کر) میرے سامنے عرض کرو، جس کو میں اجازت عطا فرماؤں، اس کو آنے دو۔''

''امام المحدثین، حسب ارشاد حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم عصا لے کر، مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گئے اور ہر طرف سے، جو بے حد و بے شمار اشخاص پروانہ وار زیارت کے لئے جمع تھے، اور اجازت طلب کر رہے تھے، امام المحدثین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر، ایک ایک شخص کا حال عرض کرتے اور حکم عالی کے مطابق، کچھ لوگوں کو زیارت کی اجازت سے مشرف فرماتے اور کچھ منع کر دیتے۔''

یہ خواب دیکھنے کے بعد شاہ صاحب علی الصبح، حضرت شاہ غلام علی کے پاس گئے اور ان سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ شاہ غلام علی نے فرمایا: تعجب ہے کہ یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے؟ شاہ صاحب نے کہا جی ہاں! میں چاہتا ہوں کہ اس خواب کی تعبیر آپ کی زبان سے سنوں، اس پر حضرت شاہ غلام علی نے کچھ سوچا اور پھر فرمایا، کہ میرے ناقص خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

ارادت حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بخلائق، از وقت وفات سید حسن، رسول نما کہ مدت یک صد و پنجاہ سال گذشتہ، موقوف و مسدود داست، اینک ایں حال غریبہ از دست شما یا یکے از مریدان شما ظاہر و منتشر خواہد شد۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و کرم (کا فیضان خاص) جو حضرت سید حسن

رسول نما کی وفات کے بعد سے، جس پر تقریباً ایک سو پچاس برس گذر گئے ہیں(۱) محدود اور (تقریباً) بند تھا، وہ اب آپ کے یا آپ کے کسی مرید کے ذریعہ ظاہر اور عام ہوگا۔

حضرت امام المحدثین فرمودند کہ من ہمیں تعبیر گفتہ ام، اما برائے اطمینان خود استشہاد از جناب شریف، کہ پے بدیں مطلب ومقصد لطیف بردہ اند میخواہم (۲)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: میں بھی یہی تعبیر سمجھا ہوں مگر اپنے اطمینان کے لئے آپ سے، جو اس میدان کے مرد اور اس فن میں کامل ہیں، جاننا چاہتا ہوں۔

اس واقعہ کے چند دن بعد، سید صاحب دہلی تشریف لائے اور شاہ صاحب کے حکم اور ہدایت کے مطابق، اکبرآبادی مسجد میں فروکش ہوئے، تعلیم وارشاد کا سلسلہ جاری کیا، اور جناب غلام رسول مہر کے الفاظ میں:

''شاہ صاحب کو یقین ہوگیا کہ جس سلسلہ ہدایت کے اجرا کی بشارت خواب میں دی گئی تھی، وہ خدا چاہے تو سید صاحب ہی کے ذریعہ سے جاری ہو'' (۳)

چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے عزیزوں اور متعلقین کو سید صاحب سے رجوع ہونے کا اور استفادہ کا مشورہ دیا، اور اپنی مجالس میں سید صاحب کے لئے نہایت بلند کلمات بار بار ارشاد فرمائے۔ شاہ صاحب کے متعدد تلامذہ اور متوسلین نے سید صاحب کے متعلق شاہ صاحب کے مختلف اقوال ملفوظات نقل کئے ہیں، یہاں ان کی تفصیلات کا نہ موقع ہے نہ ضرورت! صرف دو روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ شاہ محمد اسماعیل شہید کے ایک سوال کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمایا:

''میاں! یہ بات سمجھنے کے لائق ہے بارگاہ احدیت کے محبّ بہت ہیں محبوب کمیاب ہیں، میں (شاہ اسماعیل) نے عرض کیا کہ'' جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حبیب رب العالمین تھے''

فرمایا: محبوبیت کا مرتبہ رسالت کی طرح نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا ہو۔ میں نے عرض کیا، مثلاً: محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی۔

---

(۱) حضرت شاہ غلام علی نے یہ مدت غالباً قیاساً نقل فرمائی تھی، صحیح یہ ہے کہ اس وقت شاہ رسول کی وفات [متوفی ۱۱۰۳ھ] کو ایک سو تیس سال گذرے تھے۔

(۲) مخزن احمدی ص:۳۴۔ (آگرہ:۱۲۹۹ھ) (۳) سید احمد شہید، جناب غلام رسول مہر ص:۱۱۴ ج:۱ ۰لاہور: بلاسنہ) ب:ص:۱۶۷۔ جلد اول۔ [دیوبند۔۲۰۰۸ء]

فرمایا،محبوبیت کا مرتبہ سید عبدالقادر جیلانی پر بھی ختم نہیں ہوا۔محبّ ہمیشہ بلا ومحنت اور رنج وکلفت میں مبتلا رہتے ہیں،اس کے برعکس محبوبوں کو کوئی تکلیف نہیں دیتا، بلکہ ان کی راحت وآرام کو دل وجان سے پسند کیا جاتا ہے۔رب العالمین کے محبوں کو اکثر سرگردانی وپریشانی لاحق رہتی ہے،لیکن محبوبان بارگاہ اقدس دنیا میں البسہٴ فاخرہ،اطمعہٴ لذیذہ اور حشم وخدم سے ممتاز رہتے ہیں،اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ انعام پاتے ہیں۔''(۱)

اور مولانا شاہ عبدالحی بڑھانوی کے ایک استفسار کے جواب میں ارشاد ہوا:

''میاں!ایسے لوگ کسی طریقہ کے محتاج نہیں ہوتے،ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے،ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں،اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں۔''(۲)

اس موقع پر شاہ عبدالحی نے سید صاحب سے بیعت ہونے کا،شاہ عبدالعزیز سے تذکرہ کیا تھا،شاہ صاحب نے سن کر فرمایا:

''بارک اللہ!بارک اللہ!خوب کیا:میاں میں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا،کیوں میاں!تم نے میر صاحب کمال کا دیکھا''(۳)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی ایک عام مجلس میں فرمایا:

''سید احمد از سادات قطبی ساکن رائے بریلی،بزرگ زادہ مرید وخلیفہ حضرت،کہ در حقش حضرت می فرمودند،کہ در خاندان مجددی نسبت آدمی باستقرار خدا،اورا کرامت کردہ،وبسیار کساں در دہلی ازو منتفع می شوند''(۴)

سید احمد جو سادات قطبی میں سے،رائے بریلی کے رہنے والے بزرگ زادہ،حضرت (شاہ عبدالعزیز) کے مرید اور خلیفہ ہیں،ان کے لئے حضرت فرماتے تھے،کہ خاندان مجددی میں جو''نسبت آدمی باستقرار خدا''ہے،وہ ان کو عنایت ہوئی ہے اور ان سے دہلی میں بے شمار اشخاص فائدہ حاصل کریں گے۔

---

(۱) سید احمد شہید۔جناب غلام رسول مہر۔طبع اول۔لاہور۔ص:۱۱۸۔ج:۱

(۲-۳) سیرت سید احمد شہید ص:۱۴۹ ج:۱

(۴) ملاحظہ ہو:نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ ص:۱۲۸۔جلد اول۔(دہلی/ پھلت ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء)

حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ ملفوظ شعبان ۱۲۳۳ھ [جون، جولائی ۱۸۱۸ء] کی کسی تاریخ کا ہے۔ تقریباً انہی دنوں میں سید صاحب ٹونک کی ملازمت ترک کر کے، دہلی تشریف لائے تھے اور اس وقت سید صاحب کا دائرہ ارشاد و اصلاح اس قدر وسیع نہیں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے شاہ عبدالعزیز کے اس ارشاد میں خاص معنویت ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ایک طرح کی پیشین گوئی ہے، جو حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

جو حضرات حضرت سید احمد شہید کی شخصیت ان کے محاسن و کمالات اور خانوادۂ ولی اللہی، خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے رفقاء اور تلامذہ کی محافل و مجالس میں، سید صاحب کی پذیرائی اور ان کی مقبولیت و احترام سے کچھ بھی واقف ہیں ان کے لئے مزید کسی وضاحت و تفصیل کی ضرورت نہیں، نئے قارئین کے لئے اس خواب کی سید صاحب سے مطابقت کے چند پہلو اور متعلقہ چند مختصر اشارات حاضر ہیں۔

پہلی مرتبہ جب سید احمد رائے بریلوی حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت سید صاحب کی عمر حسب روایات سولہ اور اٹھارہ سال کے درمیان تھی، (۱) جس کی اس خواب سے مطابقت صاف معلوم ہو رہی ہے۔

---

(۱) ولادت: سید احمد شہید ۶/صفر ۱۲۰۱ھ، ۲۹/نومبر ۱۷۸۶ء بعض تذکرہ نگاروں نے یہ تاریخ یکم محرم لکھی ہے، مگر یہ اطلاع درست نہیں۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: سید احمد شہید از جناب غلام رسول مہر ص:۵۶ ج:۱ (طبع اول، لاہور: بلاسنہ) سید صاحب ۱۲۱۷ھ یا ۱۲۱۸ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، متعین تاریخ اور مہینہ معلوم نہیں، مگر مختلف روایات اور قرائن سے مذکورہ سنین کی تائید و توثیق ہو رہی ہے۔

سید صاحب نے دہلی پہنچ کر میزان الصرف پڑھنی شروع کی تھی۔ ارواح ثلثہ ص:۱۲۶ (امداد الغرباء سہارنپور بلاسنہ) اور اس وقت ان کی داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی اور جب واپس رائے بریلی پہنچے تو گھنی داڑھی موجود تھی۔ نیز متعدد روایات کے مطابق سید صاحب نے چار یا پانچ سال اس وقت دہلی میں گزارے، اواخر ۱۲۲۲ھ یا شروع ۱۲۲۳ھ میں رائے بریلی پہنچے، (سید احمد، مہر ص:۶۴-۷۹ ج:۱) لہٰذا اگر دہلی میں ۴/سال قیام رہا تو دہلی کا سفر ۱۲۱۷ھ میں ہوا ہوگا، اور اگر چار سال شاہ صاحب کی خدمت میں گزارے تو ۱۲۱۸ھ میں وطن سے نکلے ہوں گے، بہرصورت یہ واضح ہے کہ اس وقت سید صاحب کی عمر اس خواب میں دکھائے گئے نوجوان کی عمر سے قریب تھی۔ یہاں یہ اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ اس خواب میں نوجوان کی عمر خود شاہ صاحب کا اندازہ ہے، جیسا کہ سیاق روایت سے معلوم ہو رہا ہے، اگر یہ عمر شاہ صاحب کو بتائی گئی ہوتی تو شاہ صاحب خود اس کا تذکرہ فرماتے اور روزمرہ مشاہدہ سے واضح ہے کہ سولہ سترہ کی عمر ایسی ہوتی ہے، کہ اس میں کم و بیش کا معمولی فرق عین ممکن ہے، علاوہ ازیں سید صاحب کی اس بشارت سے جو اور مطابقتیں ہیں، وہ بھی صاف بتا رہی ہیں کہ یہ فرق کچھ زیادہ لائق اعتنا نہیں ہے۔

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز کے ہزار ہا ہزار تلامذہ و مسترشدین میں سید احمد شہید وہ واحد شخصیت ہیں جن کو شاہ صاحب نے تعلیم ترک کر کے کسی اور خدمت میں لگ جانے کا مشورہ دیا، ان کے لئے اپنے طریقۂ ارشاد و تربیت میں خاص ترمیم فرمائی، (۱) خلافت خاص سے نوازا اور یہاں تک ان کا اعزاز کیا کہ اپنے تلامذہ، خلفاء اور خاندانی اعزہ کو ان سے رجوع اور مستفید ہونے کا حکم فرمایا، اور اس پورے طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کے اس حکم کی بلاتردد تعمیل ہوئی۔ اس پر یہاں تک عمل ہوا کہ وہ حضرات بھی جو حضرت شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر کے ہم سبق اور بے تکلف رفیق تھے (۲) اور ان کے علم اور نسبت تلمذ پر خود حضرت شاہ عبدالعزیز کو بھی ناز تھا (۳) نیز ایسے ایسے حضرات بھی، جو بیس بیس، تیس تیس سال سے حضرت شاہ عبدالعزیز سے مستفید اور ہمہ وقت ان کی مجلسوں کے حاضر باش تھے، (۴) بلا تامل سید صاحب سے رجوع اور بیعت ہوئے، سب نے بڑے مشائخ کی طرح سید صاحب کا احترام کیا، اور ادھر حضرت شاہ عبدالعزیز اس اقدام اور بیعت و انتساب کی تحسین و تصویب فرماتے رہے، جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے یہ محسوس کر لیا تھا، بلکہ فیصلہ فرما لیا تھا کہ سید احمد رائے بریلوی ہی، میرے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے خواب کی تعبیر اور ہندوستانی ملت اسلامیہ کے نئے مستقل کی نوید

---

(۱) ملاحظہ ہو: ارواح ثلثہ اور سیرت شہید احمد وغیرہ۔

(۲) مثلاً مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مفتی الٰہی بخش (ولادت: ۱۱۶۲ھ) درسیات کی اوسط کتابوں سے آخر تک شاہ رفیع الدین کے خصوصاً، اور بعض کتابوں میں شاہ عبدالقادر کے بھی ہم درس و رفیق رہے۔ مفتی صاحب کی بیاضوں میں درج شاہ رفیع الدین کی متعدد تحریرات سے تأثر ملتا ہے کہ شاہ رفیع الدین مفتی صاحب کے بے تکلف رفیق تھے۔ اس امتیاز و خصوصیت کے باوصف مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز کی حیات میں سید احمد شہید سے بیعت ہوئے، خلافت و اجازت پائی، اور سید صاحب کے طریقۂ ارشاد و تربیت پر ایک کتاب ملہمات احمدیہ تالیف کی، یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے، مؤلف کے مکتوبہ نسخہ کے ابتدائی اوراق ہماری ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں۔

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے تھے:

در شاگرداں من دو کس خوب بودند، چنانچہ مولوی رفیع الدین و مولوی الٰہی بخش۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز۔ فارسی ص: ۴۰ [مطبوعہ میرٹھ: ۱۳۱۴ھ]

میرے شاگردوں میں دو آدمی بہت عمدہ (اعلیٰ درجہ کے) ہیں، مولوی رفیع الدین اور مولوی الٰہی بخش۔

(۴) مثلاً مولانا سید محبوب علی جعفری (ولادت: ۱۲۰۱ھ) جو ابتدائی کتابوں سے اعلیٰ تک شاہ اسماعیل شہید کے ہم سبق تھے اور اس کے بعد تقریباً ۳۰/ سال تک شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر رہے، اسی طرح مولانا حیدر علی رامپوری وغیرہ تھے۔

ہیں۔اس دور میں احیائے اسلام سنت نبوی اور طریقہ محمدی کی تجدید واشاعت اسی سے سید عالی تبار(۱) کے ذریعہ سے متوقع ہے،شاہ صاحب کے اس خیال کی شاہ صاحب کے متعدار شادات وملفوظات سے تائید ہوتی ہے۔

سید صاحب کے سفر معرفت کے ابتدائی دنوں میں، سید صاحب کے ایک سوال کے جواب میں شاہ عبدالعزیز نے عزیز مسترشد کو سینے سے لگایا، پیشانی چومی،اور فرمایا:

"اے فرزندار جمند !خدائے بزرگ برتر نے اپنے فضل ورحمت سے، تجھے ولایت انبیاء عطافرمائی ہے۔سید صاحب نے ولایت انبیاءاور ولایت اولیاء کی تشریح پوچھی،تو شاہ صاحب نے فرمایا:

"جس شخص کو ولایت اولیاء عطا ہوتی ہے، وہ رات دن ریاضت ومجاہدات صوم وصلوٰۃ اور کثرت نوافل میں مشغول رہتا ہے،لوگوں کی صحبت پسند نہیں کرتا، چاہتا ہے کہ گوشۂ تنہائی میں خدا کی یاد سے لذت اندوز ہوتا رہے،اسے فاسقوں اور فاجروں کو وعظ ونصیحت سے کچھ سروکار نہیں ہوتا،صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اسے قرب بالنوافل کہتے ہیں"

ولایت انبیاء کا درجہ جس خوش نصیب کو مرحمت ہو،اس کے دل میں محبت الٰہی اس طرح سما جاتی ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی ، وہ ہر وقت بندگان خدا کو نیکی کی راہ پر لگانے کے لئے کوشاں رہتا ہے، مرضیات باری تعالیٰ کے کسی کام میں، دنیا داروں کے طعن وملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔وہ توحید کی اشاعت میں بے خوف اور سنن رسول صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء میں بے باک ہوتا ہے،ضرورت پیش آئے تو،مخالفوں کے ساتھ مجاہدات میں ،مال وجان قربان کر دینے میں تأمل نہیں ہوتا، وہ للہ فی اللہ تمام محفلوں اور مجلسوں میں جاتا،سب کو وعظ ونصیحت سناتا ہے، اس کار خیر میں جو تکلیفیں اوراذیتیں پیش آئیں،ان پر صبر کرتا ہے،اسے اصطلاح میں قرب بالفرائض کہتے ہیں"(۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز کے ان کلمات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ سید صاحب کے متعلق کس قدر بلند

---

(۱) حضرت شاہ عبدالعزیز سید صاحب کو ان ہی الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔ملاحظہ ہو: سید احمد شہید از مہر ص:۸۷ ج:۱

(۲) سید احمد شہید۔جناب غلام رسول مہر ص:۸۷۔۷۷ جلد اول۔

خیالات اوران سے کیا توقعات رکھتے تھے،اورحق یہ ہے کہ سید صاحب نہ صرف ان توقعات پر پورے اترے، بلکہ ان سے خاندان ولی اللّٰہی کی بلند اقبالیوں میں کچھ اوراضافہ ہی ہوا۔

ان واقعات یااس شخصیت کا جامع مسجد دہلی یا مسجد اکبرآبادی سے کیا تعلق ہے۔؟ حضرت سیداحمد شہید کا جب بھی دہلی میں قیام ہوا،اس کے لئے اکبرآبادی ہی مسجد منتخب کی گئی یہ انتخاب حضرت شاہ عبدالعزیز کا تھا، جب سید صاحب کا دہلی پہلی مرتبہ آنا ہوااس وقت حضرت شاہ عبدالقادر بھی اسی مسجد ،اکبرآبادی میں قیام فرما تھے،ان ہی کی نگرانی وسرپرستی میں سید صاحب کا پہلا قیام ہواتھا،اس کے بعد سید صاحب کا جب جب بھی دہلی جانا ہوااسی مسجد میں قیام ہوا۔اسی مسجد سے سید صاحب کی تحریک نیز ان کے ممتاز رفقاء کرام شاہ محمد اسماعیل اورمولانا عبدالحی بڑھانوی کے تعاون سے احیاء شریعت اتباع سنت اوررد بدعات کی آواز بلند ہوئی ۔اس وقت سیداحمد شہید کے مشورہ کے مطابق ،مولانا عبدالحی نے جامع مسجد میں درس قرآن کا شروع کیا،جس میں قبر پرستی اور بدعات کی تردید ہوتی تھی۔نواب قطب الدین کے الفاظ میں:

''اس میں سب علماء ان سے متفق ہوگئے تھے''(۱)

یہ درس ہفتہ میں ایک مرتبہ سہ شنبہ کو ہوتا تھا، کچھ دن کے بعد اسی ترتیب پر شاہ محمد اسماعیل کا وعظ شروع ہوا، یہ وعظ ہفتہ میں دومرتبہ جمعہ اورمنگل کے دن ہوتا تھا، یہی وعظ تھا،جس کے ذریعہ سے ہندوستان میں احیاء اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، دین وشریعت پر عمل کی راہ کھلی ،اتباع سنت کا ذوق عام ہوا،اور بدعات ورسومات کی حقیقت پہنچاننے اوراس سے احتیاط کرنے اور بچنے کا موقع ملا،اس وعظ کے اثرات کی داستان مفصل کتابوں کا موضوع اور ہندی ملت اسلامیہ کی دینی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔سرسیداحمد کے الفاظ میں:

''خلق کو یہاں تک توفیق اختیار سنت نبوی اورترک بدعات واحداث کی ہوئی کہ،ایک اورہی طرح کا نور ہرایک کی پیشانی احوال سے چمکنے لگا،اوران مفسدان مضل کا بازار کاسِد ہوگیا، اورلوگوں نے جان لیا کہ یہ بزرگ بطمع اخذ وجر کے امورحق کو آج چھپاتے رہے۔(۲)

(۱) تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین، برحاشیہ نظام الاسلام ص:۹۸۔۹۹ (مطبع گنیش پرکاشن،لاہور، بلاسنہ)

(۲) آثارالصنادید ، سرسیداحمد ، باب چہارم،ص:۵۷ (نول کشور لکھنؤ :۱۹۰۰ء) مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم صاحب ص:۸۹ جلد دوم (دہلی:۱۹۹۰ء)

سر سید احمد کا قول ہے کہ:

’’بہ چشم خود دیکھا گیا کہ وضیع وشریف کو، توفیق نماز کی ایسی ہوئی، کہ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی، جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کے واسطے ہوا کرتی ہے‘‘(۱)

یہ جزئیات وتفصیلات اس حقیقت کو عیاں کررہی ہیں کہ، حضرت سید احمد شہید کی جدوجہد، شاہ محمد اسماعیل کی تحریک جہاد، ودعوت واتباع سنت اوررد بدعات کا سلسلہ، حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کا فیضان، ان کے خواب کی تعبیر اور حضرت شاہ عبدالعزیز اوران کے برادران والاشان کے معتقدات اور نظریات کی ترجمان، ان کے دل آواز، اور معاشرہ کی بدعقیدگی، نیز بدعات ورسومات سے آزردہ، ان حضرات کے قلب حزیں کی پکارتھی، اور یہ ان ہی بزرگوں کی عنایت وتوجہ کا اثر اوراس تحریک سے ان کی غیر معمولی وابستگی کا ثمر تھا، کہ یہ تحریک ہفتوں مہینوں میں ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی، اوراس نے پورے ملک میں دین وشریعت کے صحیح ذوق، اوراسلام کی بے ملاوٹ تعلیمات کو عام مسلمانوں میں عام کرنے کی، وہ عالی شان وگرانمایہ خدمت دی، جس کی کم سے کم برصغیر ہندوپاکستان کی اسلامی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ہے صاف محسوس ہوتا ہے کہ:

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

(۱) آثارالصنادید، سرسید احمد، باب چہارم ص:۵۷ (نول کشور لکھنؤ:۱۹۰۰ء) مرتبہ، ڈاکٹر خلیق انجم ص:۸۹ جلد دوم (دہلی:۱۹۹۰ء)

شاہ عبدالعزیزؒ محدث، سید احمد شہیدؒ
اور
مولانا عبیداللہ سندھی

نامور مؤرخ ومصنف: غلام رسول مہر کی ایک اہم تحریر

سید احمد بریلوی کے متعلق گذشتہ دس پندرہ برس میں کئی کتابیں اور رسالے چھپ چکے ہیں، اور اس عظیم الشان شخصیت یا اس کی تحریک سے بے اعتنائی کا جو افسوسناک سلسلہ سو برس سے چلا آتا تھا، اس کی تلافی میں حتی الامکان کوتاہی نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بات بڑی عجیب ہے کہ جو غلط فہمیاں پہلے دن سے سید صاحبؒ کے متعلق ہو چکی تھیں، ان میں کوئی قابل ذکر تخفیف نہیں ہو سکی، بلکہ نئی غلط فہمیوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک نئی غلط فہمی مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ومغفور کی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' سے پیدا ہوئی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ہمارے زمانے کے بالغ نظر عالم دین اور شیر دل مجاہد تھے، ان کی پوری زندگی سراپا جہاد تھی، ہندوستان میں آزادی حاصل کرنے، یا علماء کرام کی اصطلاح میں اس ''دارالحرب'' کو ''دارالسلام'' بنانے کا، جو کام مدت سے جاری تھا، اسے پورا کرنے میں مولانا انتہائی فداکاری سے مصروف عمل رہے، اور کسی قربانی میں بھی تامل نہ کیا، یہاں تک کہ ان کی زندگی کے بہترین پچیس برس جلاوطنی میں گذرے۔

شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اور ان کے خاندان سے مولانا کو بیحد عقیدت تھی، اور یہ عقیدت کس مسلمان کے لئے افتخار کا گراں بہا سرمایہ نہیں؟ لیکن مولانا کی عقیدت نے بڑا عجیب رنگ اختیار کر لیا تھا، شاہ ولی اللہؒ کے عہد سے لے کر اب تک ہندوستان میں جو قابل ذکر قومی یا دینی کام ہوا۔ مولانا یا تو اسے براہ راست شاہ صاحب کے خاندان کی برکات عمل کا ثمرہ قرار دیتے ہیں، یا انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کام کی تجویز سے لے کر تکمیل تک، ہر درجے اور ہر مرتبے میں سب سے بڑا حصہ اسی مقدس خاندان کا تھا۔

خاندان ولی اللٰہی کی عظمت اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہ صاحب اور ان کے بلند منزلت اخلاف کی، برکات وحسنات کا دائرہ بڑا وسیع تھا، علوم دین کے اس نظام شمسی کی ضیا گستری سے آسمانِ ہند کے ہزاروں چاند اور تارے مستفید ہونے، بلکہ ہندوستان سے باہر بھی بیسوں مقامات پر ہدایت وسعادت کی روشنی پھیلی، کہیں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے خدمت دین کے آداب گرچہ ولی اللٰہی ادب گاہوں ہی میں سیکھے، تاہم اپنی طبیعت کی برگذیدگی، عمل کی برتری، عزم کی استواری اور خدائے بزرگ وبرتر کی رحمت کے اختصاص سے، مستقل حیثیتوں کے مالک بن گئے۔ ولی اللٰہی خاندان کے اکابر نے جن حقانی انوار سے تعلیم وتصنیف کی مسندیں روشن کیں تھیں، وہ ان انوار کی مشعلیں لے کر سرفروشانہ میدان عمل اور جہاد میں کھڑے ہو گئے۔ سید احمد بریلوی کو ان افراد میں بے شائبہ ریب ممتاز ترین درجہ حاصل ہے، **واللہ یختص برحمته من یشاء.**

تعلیم احکام اور نفاذ احکام احکام دین کی تعلیم اور ان کا نفاذ واجراء، دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور ان دونوں کے فرق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر دواؤں کے اثرات وخواص کی تحقیق ومعرفت ایک شے ہے، لیکن ان سے بہ لحاظ موقع ومحل ٹھیک ٹھیک کام لینا، اور خلق خدا کے لئے صحت وشفا کا انتظام کرنا بالکل دوسری شے ہے۔ انجینئر عمارتوں کے نقشے کھینچ کر آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہے، وہ بتا سکتا ہے کہ فلاں گوشے کو ایک خاص زاویہ کے مطابق دیکھنے سے، عمارت کے حسن واستحکام کو کیا فائدہ پہنچے گا، یا عمارت ایک خاص حد تک اونچی رکھی گئی، تو اس میں رہنے والے کتنا آرام پائیں گے۔ لیکن یہ نکتے بتانے یا نقشے تیار کر دینے سے عمارت نہیں بن جائے گی، اس کے لئے کاریگر معماروں کو محن شاقہ کی منزل سے گزرنا ضروری ہے۔

شاہ صاحب کے خاندان کی برتری، جس طرح پہلے دور میں مسلّم ہے، اسی طرح دوسرے دور میں، اختصاص وامتیاز کا درجہ سید احمد بریلوی کو حاصل ہے۔ حق وانصاف کا تقاضہ یہ ہے، کہ ہم پہلی حقیقت کو فراموش کریں اور نہ دوسری حقیقت کی قدر ومنزلت سے روگرداں ہوں، یا اس میں تخفیف کے لئے مضطرب بن جائیں۔

مولانا کا طریق فکر مولانا عبید اللہ مرحوم نے یہ طریق فکر اختیار کر لیا تھا، کہ سید احمد بریلوی نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، اس کی تجویز وتنظیم کے ذمہ دار شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔ جب تک شاہ صاحب کے احکام ووصایا کی پابندی جاری رہی، سارا کاروبار ٹھیک چلتا رہا، جب سید صاحب نے خودرائی کی بنا پر، ان وصایا سے انحراف شروع کیا، تو تحریک میں شکست وناکامی کے آثار نمودار ہو گئے۔ گویا سید صاحب کی تحریک تنظیم ملت اور تحریک جہاد کے

ثمرات حسنہ تو پورے کے پورے شاہ عبدالعزیزؒ کی جھولی میں ڈال دینے چاہئیں، جتنی چیزیں بظاہر ناگوار معلوم ہوں اور طبیعت پر شاق گذریں، وہ سب سید صاحب کی خود رائی، اور شاہ صاحب کے احکام ووصایا سے بے پروائی کے ذمہ لگادینی چاہئیں۔

یہ نظریہ بجائے خود قابل اعتراض نہیں ہوسکتا، بشرطیکہ اس کے لئے کوئی سند، کوئی وثیقہ اور کوئی شہادت تو موجود ہو، لیکن ولی اللّٰہی خاندان یا سید صاحب اور ان کی تحریک کے متعلق، اب تک تحریر ونگارش کے جو مطبوع یا مکتوب ذخیرے منظر عام پر آئے، اور ان کی تعداد ہزاروں صفحات تک پہنچ گئی، ان میں اس فکر ونظر کی تصدیق وتوثیق کے لئے، کوئی موہوم سا سہارا بھی موجود نہیں۔ جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف دلیل بن سکتا ہے، اس کے حق میں نہیں بن سکتا۔

باقی رہا قیاس کہ ایسا ہی ہوسکتا تھا یا آرزو کہ ایسا ہونا چاہئے تھا، تو ظاہر ہے کہ قیاس وآرزو کی سیڑھی لگا کر، کوئی شخص تاریخ وسیرت ووقائع کے بام حقیقت پر نہیں پہنچ سکتا۔

ایک عجیب تصور مولانا کا نقطۂ نظر ایسا کیوں ہوا؟ ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے جو میں پہلے پیش کرچکا ہوں، یعنی عقیدت اور اس کے بعد آرزو، کہ کوئی بڑا کام ایسا نہیں ہونا چاہئے جس کی ساری اسکیم شاہ صاحب نے تیار نہ کی ہو، ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اہل علم کے دماغ میں یہ بات نہیں آتی، کہ ایسے لوگ بھی عظیم الشان اسکیمیں بنا کر ان پر عمل کرسکتے ہیں، جو رسمی طور پر اکابر واہل علم میں شمار نہ ہوتے ہوں۔

ایک مرتبہ دور حاضر کے ایک بڑے عالم دین سے، سید صاحب کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں، ان کی رائے تھی کہ سید صاحب نے جہاد کی جو تحریک چلائی، دراصل وہ شاہ اسماعیل شہید کی تحریک تھی، سید صاحب کو اس لئے نشانہ بنالیا گیا، کہ وہ نیک آدمی تھے اور نسباً سید تھے۔

میں نے عرض کیا کہ مستند تحریرات اس کے برعکس ثبوت پیش کررہی ہیں۔ وہ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ بیٹھے، اور فرمانے لگے کہ تمہارے دل میں یہ خیال کیونکر پیدا ہوگیا؟ سید صاحب کے متعلق تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ اردو پڑھ لکھ لیتے تھے۔ گویا رسمی علوم میں درجہ اختصاص حاصل کئے بغیر، کسی شخص کو اسکیم سوجھ ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ تاریخ میں، ایسے ان پڑھ آدمیوں کی مثالیں کم نہیں ہیں، جنہوں نے سلطنتیں پیدا کیں اور اہل علم میں سے کسی کی دماغی اعانت کے احساس مند نہ ہوئے۔ دور کیوں جائیں میسور سلطان حیدر علی پڑھا لکھا نہ تھا، لیکن

معمولی فوجدار سے اٹھ کر بادشاہ بن گیا، اور تین تین سکریٹریوں کو ایک وقت میں الگ الگ فرمان لکھواتا تھا، کسی کا سلسلہ مضمون ٹوٹنے نہیں پاتا تھا۔ سید صاحب تو خاصے پڑھے لکھے تھے، ان پڑھ نہ تھے۔

مولانا عبید اللہ مرحوم نے، جب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک کا مسودہ چھپائی کے لئے تیار کر لیا تھا، تو کاتب کے حوالے کرنے سے پہلے، از راہ نوازش راقم الحروف کو بھی دکھایا تھا، کہ اسے غور سے پڑھو اور رائے دو۔ میں نے کتاب کے زیر غور مضمون اور بعض دوسرے مضامین کے متعلق، اپنا اختلاف ادب کے ساتھ پیش کر دیا تو فرمانے لگے کہ، میں نہیں مانتا اور اپنی رائے بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ انہیں معلوم تھا کہ میں سید احمد بریلوی کے متعلق ایک مفصل کتاب لکھ رہا ہوں، کہنے لگے کہ، تمہاری کتاب چھپ جائے گی تو اسے دیکھوں گا، پھر ضرورت محسوس ہوئی تو رائے بدل دوں گا، اب جو کچھ لکھ چکا ہوں اسے یونہی رہنے دیا جائے، اور تمہیں میں نے یہ مسودہ اس لئے دیا ہے کہ اتنا بتا دو، کہ اس کا کوئی فقرہ یا کوئی حصہ، مروجہ قانون کی زد میں تو نہیں آتا۔

فاضل محترم مولانا نور الحق صاحب نے، مولانا کی کتاب پر حواشی تحریر فرمائے، مولانا نے یہ سارے حواشی دیکھ لئے تھے اور انہیں اپنی کتاب کی مصدقہ تشریح قرار دے لیا تھا، اس لئے متن اور حواشی میں فرق و امتیاز کی ضرورت نہیں۔

مولانا کے ارشادات | مولانا کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مولانا شاہ عبد العزیز نے، اپنے بعد کسی میں امامت کی صلاحیت نہ دیکھی، تو دو بورڈ مقرر کر دیئے۔ عسکری امور کے لئے سید احمد کو امیر اور مولانا عبد الحی اور شاہ اسماعیل کو ان کا مشیر مقرر کیا، تنظیمی امور کے لئے شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب ان کے شریک قرار پائے، (مولانا عبد الحیؒ، شاہ صاحب کے داماد، شاہ اسماعیل کے بھتیجے، شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب کے نواسے تھے)

(۲) ۱۲۴۲ھ میں سید صاحب کو امام مانا گیا، اسی وقت سے اختلافات شروع ہوئے، معاملہ ہمارے (مولانا سندھی کے) ہاتھ ہوتا تو ہم افغانوں کا امیر افغانوں کو بناتے، اور اسے امیر شہید کے بورڈ کا ممبر بنا دیتے۔

(۳) مولانا عبد الحیؒ انعقاد امامت کے بعد ایک سال زندہ رہے، ان کی موجودگی میں سید صاحب ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے، بلکہ اجتماعی فیصلہ حکومت کر رہا تھا۔

(۴) مولانا عبدالحی کی وفات کے بعد تحریک میں بنیادی تغیر پیدا ہوا۔ سید صاحب کے بنائے ہوئے مرکز نے، دہلی کے مرکز سے سرکشی کی، بورڈ کی حکومت شخصی امامت (ڈکٹیٹر شپ) میں بدلی، سید احمد امیر المؤمنین اور دنیائے اسلام کے مصلح خلیفہ مانے گئے۔

(۵) سید صاحب کو کشف وکرامات کا مالک بنا کر، ساری جماعت کا امام منوایا گیا۔ اصل امام شاہ عبدالعزیزؒ تھے، سید صاحب، امام عبدالعزیزؒ کی جماعت کے سپاہی تھے۔

(۶) سید صاحب کی بزرگی میں مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل کا اشتراک ہے، کیا ان کو (مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل کو) سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ ہرگز نہیں! یہ لوگ امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ تھے، سید صاحب کو روپیہ شاہ محمد اسحاق بھیجتے تھے، کیا ان کو سید صاحب نے تیار کیا تھا؟ امام عبدالعزیز نے آدمی تیار کئے، پروگرام بنایا، کام شروع کیا، پر غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔

امامت اور بورڈ | اب آپ ایک امر کے متعلق، میری گذارشیں ملاحظہ فرماتے جایئے:

سب سے پہلا مسئلہ بورڈ بنانے کا ہے، شاہ عبدالعزیز نے یہ بورڈ کب بنائے؟ ان کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟ واضح ثبوت نہ سہی کوئی اشارہ یا کنایہ ہی سہی، سید احمد شہید آخری مرتبہ اس وقت شاہ عبدالعزیز سے ملے تھے، جب نواب امیر خاں کے لشکر سے الگ ہوکر دہلی آئے تھے۔ وہ مئی ۱۸۱۸ء [رجب ۱۲۳۳ھ] میں دہلی پہنچے تھے، سردیوں میں میرٹھ، مظفر نگر، اور سہارنپور کا دورہ کیا۔ واپس آئے تو مئی ۱۸۱۹ء [رجب ۱۲۳۴ھ] میں رائے بریلی چلے گئے۔ پھر اس دنیا میں شاہ صاحب سے کوئی ملاقات نہ ہوئی۔ ۵/ جون ۱۸۲۴ء [شوال ۱۲۳۹ھ] کو شاہ صاحب نے وفات پائی۔ اس سے ایک برس آٹھ مہینے بعد سید صاحب جہاد کے لئے روانہ ہوئے، اور شاہ صاحب کی زندگی میں غالباً یہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ جہاد کہاں سے شروع ہوگا۔

اگر شاہ صاحب نے ۱۸۱۹ء میں دو بورڈ بنائے تھے، اور سارا کاروبار ان کے حوالے کر دیا تھا، تو معلوم ہے کہ روپیہ فراہم کرنے والا بورڈ، سید صاحب کے آغاز جہاد تک بالکل تعطل میں پڑا رہا، اس لئے کہ سید صاحب نے کبھی اس بورڈ سے روپیہ طلب نہیں کیا، کبھی ساز وسامان نہیں منگایا، سارا روپیہ اور ہر قسم کا سامان براہ راست خود سید صاحب کو ملتا رہا، اس کی وجہ کیا ہوگی؟ شاہ عبدالعزیز نے کیوں اسے گوارہ کیا؟

سید صاحب کی امامت | سید صاحب کی امامت کے مسئلے پر، میں اگر مفصل بحث شروع کردوں، تو ایک

رسالہ تیار ہوجائے۔ اختصاراً پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ۱۲۴۲ھ میں ہنڈ (صوبہ سرحد) میں جو اجتماع ہوا تھا، اس میں سید صاحب کو امام وامیر جہاد مانا گیا تھا، کبھی یہ کوشش نہ کی گئی کہ وہ ساری دنیا کے خلیفہ اور امیر المومنین مانے جائیں، کبھی کسی مسلمان حکمران کے حق میں انہوں نے تعرض نہ کیا، وہ سب کی حکومتیں بحال رکھنے کے خواہاں تھے، صرف یہ چاہتے تھے کہ ان کی حکومتیں شریعت کے مطابق ہوجائیں اور وہ جہاد میں مستقل اعانت کا بندوبست کریں۔

لیکن ہنڈ میں، امامت کے انعقاد کا سارا انتظام شاہ اسماعیل نے کیا تھا، وہی علماء وخوانین سے گفتگو فرماتے رہتے تھے، مولانا عبدالحیؒ اس وقت تک سرحد نہیں پہنچے تھے، پھر کیا شاہ اسماعیل کو یہ علم نہ تھا کہ یہ فعل شاہ عبدالعزیز کی اسکیم کے خلاف ہے؟

مولانا عبدالحی سرحد پہنچے، تو انہوں نے بھی بے چوں وچرا اس انتظام کو قبول کرلیا، سارے ہندوستان میں اطلاعات بھیجی گئیں، امام وامیر المومنین کی حیثیت میں سید صاحب نے اعلان نامے ارسال فرمائے، شاہ محمد اسحاق کو ہر چیز کا علم تھا، لیکن انہوں نے کبھی اختلاف نہ کیا۔ کیا یہ سب لوگ شاہ عبدالعزیز کی اسکیم سے منحرف ہوگئے تھے؟ اگر واقعی یہی ہے، تو پھر تنہا سید احمد شہید کا کیا قصور ہے؟ شاہ صاحب کا پورا خانوادہ، خدانخواستہ اس جرم کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔

سید صاحب اور نواب امیر خاں ایک سوال یہ ہے کہ آیا سید صاحب کو، شاہ عبدالعزیز نے نواب امیر خاں کے پاس بھیجا تھا؟ میرے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، اس کے وجوہ بھی اختصاراً سن لیجئے۔

(۱) سید صاحب تعلیم کے لئے دہلی آئے تھے، تو غالباً ۱۸۰۸ء میں وطن واپس آگئے، وہاں پہنچنے کے بعد ان کی شادی ہوگئی، اور ۱۸۰۹ء میں ان کی بڑی بچی سیدہ سائرہ پیدا ہوئیں۔

(۲) ۱۸۱۰ء میں وہ گھر سے نکلے، تو ارادہ یہی تھا کہ نواب امیر خاں کے پاس جائیں، اس دوران میں شاہ عبدالعزیزؒ سے نہ کوئی ملاقات ہوئی، اور نہ مشورے کا کوئی موقع پیدا ہوا۔

(۳) نواب امیر خاں کی نظروں میں سید صاحب اجنبی نہ تھے، اس لئے کہ سید صاحب کے بڑے بھائی سید ابراہیم، پہلے سے نواب کے لشکر میں موجود تھے، انہوں نے غالباً سید صاحب کے پہنچنے سے پہلے وفات پائی۔

(۴) اگر شاہ صاحب اس سے پہلے بورڈ بنا چکے تھے، تو تنہا سید صاحب کو کیوں وہاں بھیجا؟ بورڈ کے دوسرے ممبروں، یعنی شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحیؒ کو کیوں نہ بھیجا جو علم میں سید صاحب سے بڑھے ہوئے تھے، اور عمر میں بھی بڑے تھے۔

عجیب استدلال بہرحال سید صاحب، کسی کے بھیجے ہوئے نہیں گئے تھے بلکہ خود گئے تھے۔ ان کی غرض کیا تھی؟ کیوں سات آٹھ برس نواب کے پاس گذارے؟ پھر کس وجہ سے الگ ہو گئے؟ یہ سوالات یہاں نہیں چھیڑے جا سکتے، علیحدگی کے بعد سید صاحب نے شاہ عبدالعزیز کو ایک خط لکھا، جس میں یہ فقرے بھی تھے۔

''خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔
نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں''

مولانا عبیداللہ فرماتے ہیں، کہ اس خط سے:

''ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے، سید صاحب کو خاص پروگرام دے کر
امیر خاں کے لشکر میں بھیجا تھا''

لیکن اس خط کی حیثیت تو محض اطلاع واخبار کی ہے، یعنی سید صاحب نے چلنے سے پیشتر اطلاع دیدی کہ میں آرہا ہوں۔ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھیجے گئے تھے؟ اگر وہ فرستادہ یا مامور تھے، تو آمر کو سارے حالات بتا کر اجازت کیوں نہ لی؟ خود کیوں ترک ومراجعت کا فیصلہ کر لیا۔

پھر عجیب بات ہے کہ، شاہ صاحب ایک پروگرام دے کر انہیں بھیجتے ہیں، لیکن سات برس تک نہ انہیں مشورے کے لئے بلاتے ہیں، نہ پوچھتے ہیں کہ پروگرام کس منزل پر پہنچا۔ اگر نواب انگریزوں سے صلح نہ کرتا تو سید صاحب یقیناً اس کے ساتھ رہتے، شاہ صاحب اس حالت میں بھی کچھ نہ کہتے، جس طرح کہ پہلے سات برس میں کچھ نہ کہا۔ شاہ صاحب جیسے عالی منزلت بزرگ کے متعلق، تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اہم دینی کام، اس بے توجہی اور بے ترتیبی سے کرتے ہوں گے، یہ سارا قصہ بالکل بے بنیاد ہے۔

ارسال زر کا معاملہ سید صاحب سرحد چلے گئے، تو یہاں سے روپئے بھیجنے کا ایک مرکز دہلی میں تھا، جس کا انتظام شاہ محمد اسحاق کے ہاتھ میں تھا، لیکن صرف یہی مرکز نہ تھا، لوگ براہ راست بھی مجاہدین کے ہاتھ روپئے بھیج دیتے تھے، اور سید صاحب کے قاصد بھی آتے، اور وہ مختلف جگہوں سے جمع شدہ رقمیں لے جاتے تھے، ان

میں سے، میاں دین محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شاہ محمد اسحاق کو دہلی میں ذمہ دار اس لئے بنایا گیا تھا کہ، وہ مشہور عوام تھے، اور عام لوگوں کے لئے دہلی روپیہ بھیجنا آسان تھا۔

ایک مرتبہ شاہ محمد اسحاق نے، پانچ یا سات ہزار روپئے کی ہُنڈی سید صاحب کو بھیجی تھی، وہ وصول نہ ہوئی تو شاہ صاحب نے، عدالت آگرہ میں دعویٰ کر کے رقم واپس لے لی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"اگر روپیہ روانہ کرنے کا انتظام شاہ اسحاق کے ہاتھ میں نہ ہوتا، تو عدالت میں وہ دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے، اور ڈگری کس طرح لے سکتے تھے"

لیکن کیا دعویٰ کرنے اور ڈگری لینے کی بنا یہ تھی کہ، شاہ عبدالعزیز نے شاہ محمد اسحاق کو مالیات کا ناظم اعلیٰ بنا کر سند لکھ دی تھی جسے انگریزی عدالت کے لئے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا؟ حاشا وکلا! بنا یہ تھی کہ ہنڈی بھیجنے والے شاہ محمد اسحاق تھے اور ہنڈی کا روپیہ اگر مرسل الیہ کو نہ ملے، تو لازماً مرسل کو مل جاتا ہے۔ اگر دوسرے لوگوں کی ہنڈیاں سید صاحب کو نہ ملیں، اور وہ لوگ دعویٰ کرتے، تو یقیناً انہی کو واپس مل جاتیں، شاہ محمد اسحاق یا شاہ محمد یعقوب کو نہ ملتیں۔

متفرق امور علاوہ بریں: (۱) اختلافات امامت کی بنا پر پیدا نہ ہوئے، ان کے وجوہ واسباب اور تھے، جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں۔

(۲) سید صاحب نے کبھی کوئی کام خودرائی سے نہ کیا، ان کی مجلس شوریٰ تھی، جس میں مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل کے علاوہ کئی اکابر شریک ہوتے تھے۔

(۳) کشف وکرامات، شرائط امامت میں داخل نہیں ہیں، کہ امامت کو منوانے کے لئے ان پر زور دینے کی ضرورت پیش آتی، لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ، سید صاحب واقعی صاحب کشف وکرامت تھے۔

(۴) شاہ صاحب اپنی زندگی میں نہ کبھی امام جہاد بنے، نہ تزکیہ وتوبہ کی بیعت کے سوا کوئی بیعت لی۔ علم وفضل کے اعتبار سے، وہ یقیناً اپنے زمانے کے امام تھے، لیکن اصطلاحی امام کا معاملہ الگ حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ صاحب کوئی خاص فیصلہ کرنے کے مختار نہ تھے، بعد کے آنے والے لوگوں نے، اپنے حالات ضروریات کی بنا پر جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔

شاہ اسماعیل اور سید صاحب شاہ اسماعیل شہید یقیناً سید صاحب کے خاص رکنوں میں تھے، لیکن ایسے

اور بھی متعدد کارکن تھے جو نہ علم میں ان سے کم تھے، نہ تقویٰ اور استقامت میں پیچھے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اتفاقات کی بنا پر، انہیں شاہ صاحب کے برابر شہرت نہ مل سکی۔

شاہ صاحب مولانا عبدالحی کے انتقال کے بعد، اڑتیس مہینے تک سید صاحب کے ساتھ رہے، اور ساتھ شہید ہوئے۔ اس ساری مدت میں ایک مرتبہ بھی نہ سید صاحب کے امام اور امیر المومنین ہونے سے اختلاف کیا، اور نہ اس اختلاف کا شائبہ تک کہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ بعض امور میں وہ سید صاحب سے بے تکلف اختلاف کرتے رہے۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب کو پکھلی (ضلع مزارہ) بھیجا گیا تھا، تو وہاں سے کئی خط سید صاحب کو لکھے، جو شاہ صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں موجود ہیں، ان کا آغاز دیکھئے:

(۱) از فدویان جاں نثار، وعقیدت مندان خدمت گذار، بندۂ درگاہ رب جلیل، محمد اسماعیل ......
بحضور لامع النور، حضرت امام المسلمین امیر المومنین عظیم المجاہدین۔

(۲) فدوی جان نثار محمد اسماعیل، بحضور حضرت امیر المومنین امام المسلمین۔

پھر سید صاحب کی طرف سے اکثر خط وہی لکھواتے تھے، اور چند خطوط ایسے بھی ہیں، جن میں سید صاحب کی امامت کو مختلف پہلوؤں سے ثابت کیا ہے، اور بعض میں ان الزامات کا رد کیا ہے جو غرض مندوں یا مخالفوں نے، سید صاحب پر لگائے ہیں۔

آدمیوں کی تربیت کا مسئلہ آدمیوں کی تربیت کا مسئلہ زیادہ بحث کا محتاج نہیں، شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحیؒ اور شاہ محمد اسحاق ہی نہیں، بلکہ خود سید صاحب نے ابتدائی تربیت، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کے ظل فضائل میں پائی تھی، لیکن محض اس وجہ سے ان اصحاب کے اعمال کا اعزاز، شاہ عبدالعزیز کو نہیں دیا جاسکتا۔ اگر اس طریق استدلال کو درست سمجھا جائے، تو پھر کسی شخص کا کوئی عمل بھی اس کے پاس نہیں رہے گا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی تربیت کس نے کی؟ شاہ ولی اللہ کی تربیت کا ذمہ دار کون تھا؟ شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ عبدالرحیم نے بھی بہر حال کسی کے دامن ہی میں تربیت پائی، لیکن کیا لاحقین کے تمام اعمال حسنہ کا ثواب، سابقین کی نذر کر دیا جائے گا؟

مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیل نے، سب کچھ شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھا، لیکن جن اعمال کی وجہ سے وہ سر تاج زمانہ بنے، ان کے لئے ساری تربیت سید صاحب کے دامن میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۱۸ء میں سید صاحب

کی بیعت کے بعد ان بزرگوں نے گھر بار چھوڑ دیا، اور سید صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ اگر چہ اس وقت شاہ عبدالعزیز زندہ تھے مگر ان دنوں کے آخری سانس سید صاحب کی معیت میں پورے ہوئے۔ تعجب یہ ہے کہ ان کے طریق عمل کو بنیاد اعتبار و اعتماد بنانے کے بجائے، قیاسات کی بنا پر ایسا نقشہ تیار کیا جائے، جو بالکل دوسرے رنگ کا ہو۔

افغان امیر کا سوال | افغانوں کا امیر افغان کو بنانے کا معاملہ حیرت انگیز نہیں، ایک مجمع میں امیر کا سوال سامنے آیا، افغانوں نے جن میں علماء و خوانین شریک تھے، سید صاحب کو امام بنایا، افغان امیروں اور حاکموں نے بھی اسے درست سمجھا، سید صاحب کی بیعت کی، پھر بالکل دوسری وجوہ کی بنا پر اختلاف پیدا ہوا۔ سید صاحب نے کسی حاکم کی حکومت نہ چھینی، کسی کی امارت پر ہاتھ نہ ڈالا، سردار پایندہ خاں والی امب نے بے وجہ مزاحمت کی، شکست کھانے کے بعد سید صاحب کی شرطیں مان لیں، تو اسے رفیق بنالیا گیا، سرداران پشاور نے بیعت کے بعد، سکھوں کی دھمکیوں سے ڈر کر دو رخی پالیسی اختیار کی، اور دیر تک سید صاحب کی مزاحمت کرتے رہے۔ سید صاحب نے پشاور فتح کرلیا، لیکن سردار سلطان محمد خاں نے جب اپنی غلطیوں پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے صلح کی درخواست کی، تو پشاور کی حکومت اسے واپس کردی، گویا اس کی امارت بھی بحال رکھی۔

پشاور کی حوالگی کا مسئلہ | لیکن مولانا اس پر بھی ناراض ہیں، فرماتے ہیں کہ "حضرت ولی اللہ" کو ایک صوبے کی حکومت مل گئی تھی، لیکن سید صاحب نے واپس کردی۔

> "اس موقع پر جماعت مجاہدین کے عوام و خواص سب متفق الکلمہ تھے، کہ یہ فیصلہ غلط ہے، مولانا اسماعیل اور افغانی اہل الرائے نے پوراز ور صرف کیا کہ امیر شہید یہ غلطی نہ کریں، مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی"

سید صاحب کے اس فیصلہ پر بحث کا یہ موقع نہیں۔ اور نہ ساری مصلحتیں چند لفظوں میں واضح کی جاسکتی ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ عوام و خواص سب متفق الکلمہ تھے کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ مولانا شاہ اسماعیل سے بعض لوگوں نے کہا کہ، آپ سید صاحب سے عرض کریں کہ سردار پشاور پر اعتماد نہ کیا جائے، انہوں نے انکار کردیا۔ لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ، سید صاحب نے یہ فیصلہ اس لئے کیا، کہ مولانا عبیداللہ کے قول کے مطابق، افغانوں کا امیر افغانوں کو رکھنا چاہئے تھا، تا کہ کسی کو نسل و خون کے تعصّبات بھڑکانے کا موقع نہ ملے

اور کاروبار جہاد میں خلل نہ پڑے، لیکن یہاں پہنچ کر مولانا خود اپنے ستودہ اصول کو بھول گئے، اور حزب ولی اللہ کے ہاتھ سے ایک صوبے کی حکومت چھن جانے کا غم پیدا ہو گیا۔

ازاں بہ درد دگر ہر زماں گرفتارم
کہ شیوہ ہائے ترا باہم آشنائی نیست

خلاصہ مباحث | بہرحال حقائق یہ ہیں کہ:

(۱) شاہ عبدالعزیز نے کوئی بورڈ نہیں بنایا تھا، اور نہ ان کی زندگی میں تنظیمات جہاد اس پیمانے پر پہنچی تھیں، کہ کسی خاص انتظام کی ضرورت پڑتی۔

(۲) شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی دوسرے سینکڑوں افراد کی طرح، سید صاحب کی تحریک کے دو کارکن تھے، اپنے علم و فضل کی وجہ سے جماعت میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

(۳) سید صاحب کو، شاہ عبدالعزیز نے نواب امیر خاں کے پاس نہیں بھیجا تھا، وہ خود گئے تھے اور جو مقاصد لے کر گئے تھے ان پر بحث کا یہ موقعہ نہیں۔

(۴) شاہ عبدالعزیز بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، لیکن ان کے لئے اپنے اعمال حسنہ کا اعزاز کافی ہے، دوسروں کے اعمال کو ان کی جھولی میں ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۵) شاہ محمد اسحاق کو شاہ عبدالعزیزؒ نے فراہمی زر کا ذمہ دار نہیں بنایا تھا، سید صاحب سرحد چلے گئے تو عام لوگوں کو، جس جس کے پاس روپیہ بھیجنے کی ہدایت کی گئی تھی، ان میں ایک شاہ محمد اسحاق بھی تھے، لیکن محض وہی نہ تھے دوسرے آدمی بھی روپیہ جمع کرتے تھے اور بھیجتے تھے۔

(۶) سید صاحب امام جہاد تھے، ہندوستانی مجاہدین انہیں امیر المومنین کہتے تھے، اہل سرحد سید بادشاہ اور سکھ صاحب خلیفہ صاحب لیکن وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے خلیفہ نہ تھے، نہ کبھی ایسا دعویٰ کیا اور نہ کسی مسلمان حاکم کے حق حکومت سے تعرض کیا۔ یہ ضرور چاہتے تھے کہ ہر مسلمان حاکم اپنے دائرۂ حکومت میں احکام شریعت نافذ کرے اور جہاد فی سبیل اللہ کی مستقل اعانت کا بندوبست کر دے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بہت سی باتیں تشنہ رہ گئیں، اور مولانا نے اپنی کتاب میں اور جو غلطیاں کیں، ان پر بھی کچھ نہ کچھ لکھ سکا۔ لیکن یہ مباحث ایسے نہیں ہیں کہ سب کو ایک مضمون میں سمیٹا جا سکے۔ مولانا کے نظریات کی حقیقی حیثیت واضح کرنا چاہتا تھا، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اے محبت ترے انجام پر رونا آیا

کسی مطبوعہ علمی ذخیرہ کی فہرست نے شاید ہی کبھی اس قدر غمزدہ اور مایوس کیا ہو، جس قدر اس فہرست نے کیا۔ ایسے بڑے سرکاری ادارے کی قومی لائبریری کی، جو گویا پورے ملک کی شان اور حکومت پاکستان کے علمی ثقافتی ذوق کی ترجمانی ہوتی ہے، ایسے بڑے ادارے کی، ایسی ناقص، غیر مرتب اور مجموعہ اغلاط فہرست! نہایت درجہ لائق افسوس ہے، اس میں نہ موضوعات کی ترتیب ہے، نہ کسی اور طرح کی۔ صرف زبانوں کی بنیاد پر کتابوں کے نام درج کر دئے گئے ہیں، وہ بھی ایسے ہیں کہ دکھ ہوتا ہے، قرآن مجید اور تفاسیر کے اوپر نیچے، قصے کہانیوں کا اندراج ہے، تماشہ یا کمال یہ ہے کہ مصنف اور کاتب دونوں کے لئے، ایک کالم ہے اور سنہ تصنیف اور سنہ کتابت کے لئے ایک کالم، جس کی وجہ سے پڑھنے والے یہ جان ہی نہیں سکتے، کہ مصنف کون ہے کاتب کون، سنہ تصنیف کونسا ہے اور سنہ کتابت کونسا۔ نہ کسی نسخہ کے فنی علمی امتیاز کا ذکر ہے، نہ کسی کے کاتب کو نمایاں کیا گیا ہے، نہ ہی کتابوں پر درج تحریروں اور مہروں کی نشاندہی کی گئی ہے، یعنی ایک ایسی فہرست ہے جس سے کسی طرح کا استفادہ دشوار ہے، جب تک آدمی اصل کتاب کو نہ دیکھے یہ معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کتاب کی علمی فنی اہمیت کیا ہے، اس کا مصنف اور کاتب کون کونسے اصحاب تھے اور اس کا زمانۂ کتابت یا تصنیف کیا ہے، اور اس کی علمی فنی پہلو سے کیا معنویت، خصوصیت اور امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ اہل علم وذوق کے لئے ان میں کسی بھی نسخہ کو خود جا کر دیکھنا اس سے براہ راست استفادہ کر کے تمام معلومات یک جا کر لینا نہایت مشکل کام ہے، کمپوزنگ کی مسلسل خامیوں فروگذاشتوں نے ان غلطیوں میں خاصا اضافہ کر دیا ہے۔ اس طرح یہ فہرست مخطوطات اصحاب علم کے لئے مفید ورہنما ثابت نہیں ہو رہی بلکہ اپنے عجائبات کی وجہ سے یہ فہرست کمالات کا نمونہ "کریلا اور نیم چڑھا" کا مصداق بن گئی ہے۔

ضرورت ہے کہ اس فہرست کو زبان کے علاوہ موضوعات کی ترتیب پر بھی مرتب کیا جائے، مصنف کے معروف نام یا لقب کے علاوہ اصل اور غیر متعارف نام اور حوالہ لکھا جائے، سنہ تالیف لکھیں یا نہ لکھیں لیکن سنہ کتابت بہت ضروری ہے۔ کاتب کا نام اور اس کی جس قدر تفصیل ممکن ہو (ولدیت: وطن، مقام کتابت وغیرہ) ہر ایک کا صاف تذکرہ ہونا چاہئے، نیز ان کتابوں پر جو مہر دستخط ثبت ہوں، ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ کئی مرتبہ کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہوتا لیکن کتاب کسی اور درجہ سے اہم ہوتی ہے، بعض مرتبہ صرف ان زوائد کا غیر معمولی مقام ہوتا ہے، جو اس پر کسی ممتاز شخصیت کے قلم سے ہوں، ان خصوصیات کا تذکرہ بھی کتاب کے تعارف کے لئے لازمی ہے۔

مرزا حیرات جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے، حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی، لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا، فارسی میں شعر کہنے کے مدعی تھے۔ ہر کس و ناکس صرف دیکھ کر مرعوب ہو جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حسن مردانہ عطا فرمایا تھا۔ ایک لطیفہ یاد آ گیا، سر عبدالقادر نے سنایا تھا، اس زمانہ میں، جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا، اور شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے۔

آل انڈیا محمڈن ایجوکشنل کانفرنس کا مدراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا، شیخ عبدالقادر اور ان کے احباب، میر غلام بھیک نیرنگ، مسٹر عبدالعزیز فلک پیما اور شیخ خوشی محمد، گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاہور سے روانہ ہوئے، میر نیرنگ کے سوا سب انگریزی لباس میں تھے، مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان ان کے ڈبہ میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ انہوں نے شیخ عبدالقادر اور ان کے احباب سے باتیں شروع کیں۔ پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں، انہوں نے بتا دیا۔ پوچھا۔ کہاں سے آ رہے ہیں انہوں نے کہا لاہور سے۔ بس لاہور کا نام لینا تھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہو گئے اور ان لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے، یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جا رہے ہیں، پوچھا۔ بھائیو! کیا ماجرا ہے، ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹا جا رہا ہے، بولے آپ لاہور سے جو آ رہے ہیں، پوچھا لاہور سے آ رہے ہیں تو کیا ہے؟ بولے لاہور دلی کے نزدیک ہے۔ اور دلی میں مرزا حیرت جیسے بزرگ موجود ہیں۔(۱)

ملا واحدی کی مفصل رائے اور درج بالا اقتباسات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مرزا حیرت نہایت مفاد پرست، ابن الوقت اور ایسے خود غرض آدمی تھے کہ جو اپنے معمولی فائدہ اور شہرت و نام آوری کے لئے ہر ایک غلط سے غلط اور نامناسب کام کرنے، تحریرات و کتابیں لکھنے، چھپوانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کے کردار و عمل میں عجیب طرح کا تضاد اور منافقت تھی، ان کے قلم سے نہ امت کی پرانی نئی، مرحوم ممتاز و مایہ ناز شخصیات محفوظ تھیں، نہ ان کے ہم عصر اور زندہ و موجود اصحاب فضل و کمال اور علماء اور خادمان ملت۔ وہ ہر ایک پر اتہامات لگانے، بے بنیاد، بے اصل و ثبوت باتیں گھڑ کر، بڑی شخصیتوں سے منسوب کرنے اور زیب داستاں کے لئے فرضی کتابوں کے حوالے دینے میں بیباک تھے، اور اس میں ذرا بھی تکلف اور شرم نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کی کتابوں اور حوالوں، خصوصاً ''حیات طیبہ'' پر اعتماد صحیح نہیں، یہ کتاب نہ علمی تقاضوں کو پورا کرتی ہے، نہ اس کی روایات اور حوالے درست ہیں، اس کتاب اور مؤلف سے دور رہنا اور دامن بچا کر گزر جانا ہی بہتر ہے۔

راہ رو، رہنما، ہم سفر الحفیظ، الامان، الحذر
رہزنوں لٹ نہ جانا کہیں ہم نے دیکھے ہیں، کچھ راہ بر

(۱) میرے زمانے کی دلی ص:۱۸۶۔۱۹۰۔ از ملا واحدی

راہ رو، رہنما، ہم سفر
الحفیظ، الامان، الحذر
رہزنوں لٹ نہ جانا کہیں
ہم نے دیکھے ہیں، کچھ راہ بر